قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ
www.urducouncil.nic.in

اپریل 2013، قیمت -/15

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل

نئے راستے، نئی منزلیں

مشمولات

ماہنامہ اردو دنیا دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ

جلد:15، شمارہ:04، اپریل 2013

مدیر: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا
انڈسٹریل ایریا
فیز-II، نئی دہلی-110020

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

کمپوزنگ: محمد اکرام

ڈیزائننگ: منظر سبحانی

قیمت-/15 روپے، سالانہ -/150 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

● ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر
فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
(شعبۂ ادارت: 49539009)

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in
email: editor@ncpul.in
urduduniyancpul@yahoo.co.in

شعبۂ فروخت
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7
آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 26109746

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 24415194-040

اداریہ
ہماری بات 2

خطوط
آپ کی بات — قارئین کے خطوط 3

انٹرویو
سیدہ جعفر — سردار سلیم 7

خراج عقیدت
بحرالعلوم ڈاکٹر تنویر احمد علوی — محمد فیروز دہلوی 9

کور اسٹوری
کونسل کے بڑھتے قدم: نئے راستے نئی منزلیں — سہیل انجم 12
چوالیس برس کا سفر ایک نظر میں — ظفر عبداللہ دانی 17
کونسل کی اہم اسکیمیں اور سرگرمیاں — شمع کوثر یزدانی 20
فاصلاتی نظام تعلیم اور کونسل کے کورسیز — محمد احسن 24
قومی اردو کونسل کی طبی مطبوعات — شمیم ارشاد اعظمی 26
لوگ کہتے ہیں ... — ادارہ 28

زبان و تعلیم
زبان کی موت — طارق رحمٰن
مترجم: حیات افتخار 32

ادبی مباحث
دکن کی ایک نایاب مثنوی 'ظفر نامہ عشق' — محمد علی اثر 34

ترقی پسند تنقید: چند اشارے — علی احمد فاطمی 37

شخصیت
ذکر مولوی مسعود علی ندوی کا! — محمد عبدالحفیظ صدیقی 39

مشاہیر ادب/نظم
منیر احمد نیازی — ادارہ 41
انتخاب کلام — منیر احمد نیازی 42

مشاہیر ادب/نثر
فرحت اللہ بیگ — اسلم پرویز 45
دیارِ عشق — فرحت اللہ بیگ 47

صحافت
سب ایڈیٹر، ایک گمنام صحافی — سید فضل اللہ مکرم 50

ہماری مطبوعات
ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں — گوپی چند نارنگ 53

دوسری زبانوں سے
خوف (ڈینش کہانی) — ٹووے ڈٹلیوسن
مترجم: نصر ملک 57

صحت
اپنی ہڈیوں کی حفاظت کیجیے — شمس الاسلام فاروقی 61

فلم
ہندوستانی فلمیں اور تحریک آزادی — ایم رحمت اللہ 64

سائنس
ٹائٹن ... دنیا کا سب سے تیز سوپر کمپیوٹر — ایس ایس علی 66

کتابوں کی دنیا
تبصرہ و تعارف 68

کونسل کی میٹنگ
ایگزیکیوٹیو بورڈ کی XXXVI ویں میٹنگ — ادارہ 78

اردو کیمپس
یونیورسٹیوں کی اردو سرگرمیاں — ادارہ 80

عالمی اردو نامہ — ادارہ 84

خبر نامہ
اردو دنیا کی خبریں — ادارہ 85

ہماری بات

اپنے بارے میں بات کرنے میں ہمیشہ یہ خطرہ بنا رہتا ہے کہ کہیں اسے خودستائی نہ سمجھ لیا جائے۔ زیرنظر سطروں میں اس مرتبہ چونکہ صرف قومی اردو کونسل کا ذکر مقصود ہے تو یہ اندیشہ بھی ذہن میں موجود ہے کہ اس کے کسی بھی حصے کو خود اپنی پیٹھ ٹھونکنے کے عمل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے، اس قسم کے اندیشوں کی بنا پر حقیقتوں کے بیان سے گریز کرنا بھی کوئی لائق تعریف عمل نہیں ٹھہرے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ قارئین کی معلومات کے لیے اردو کونسل سے متعلق حقائق اور اس کی کارکردگی و عزائم کا تفصیلی بیان ہم نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بار کور اسٹوری کا موضوع خود قومی اردو کونسل کو بنایا گیا ہے تا کہ 'اردو دنیا' کے قارئین، اور جملہ محبان اردو، ملک کے سب سے بڑے اردو ادارے کی مکمل تصویر سے آشنا ہوسکیں۔

اردو کونسل کی عمر اگرچہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن دیکھا جائے تو اس کی تخم ریزی چوالیس برس پہلے اس وقت ہوگئی تھی جب ملک میں غالب صدی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ تقسیم وطن کے بعد، جو کہ اردو زبان کے لیے کسی سانحے سے کم نہیں تھی، یہ پہلا موقع تھا جب اردو والوں کے چہروں پر کچھ رونق دکھائی دی اور غالب کے بہانے پوری قوم کی توجہ اس زبان کی زبوں حالی کی طرف مبذول ہوئی۔ اس وقت کی وزیراعظم محترمہ اندرا گاندھی نے ہندوستانی زبانوں کو ترقی دینے کا کام دیکھنے والے سرکاری محکمے کو اردو کے فروغ کے لیے متحرک کیا اور ترقی اردو بورڈ کا قیام عمل میں آیا، جس نے بعد میں ترقی اردو بیورو کے نام سے اپنا الگ وجود اختیار کیا۔ بیورو کے زمانے میں اردو کی ترویج، بالخصوص اردو کی تعلیم و تدریس کے لیے اہم اور ضروری تصور کی جانے والی کتابوں کی اشاعت کا کام بڑی تیزی سے ہوا۔ اس کے باوجود لوگوں کو شکایت رہی کہ بیورو بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ خود کو ہم آہنگ نہیں کر پا رہا ہے۔ حکومت نے بھی کچھ ایسا ہی محسوس کیا جس کے نتیجے میں بیورو کو ختم کرکے، خودمختار ادارے کے طور پر 'قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کونسل نے سب سے بڑا اور اہم کام یہ کیا کہ اردو کی تعلیم کو کمپیوٹر سے جوڑ دیا اور اس کے مراکز ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ اس کے ساتھ اردو رسائل و کتب کی خریداری، کتابوں کی اشاعت میں اردو مصنفین کی مالی معاونت، علمی و ادبی پراجیکٹوں کی منظوری، اردو کی فاصلاتی تعلیم، فارسی و عربی زبانوں سے متعلق ترقیاتی کام اور طب یونانی کے فروغ جیسے پرانے اور نئے پروگراموں کو بھی آگے بڑھایا۔

اب پچھلے ایک ڈیڑھ برس میں کونسل نے اردو زبان و ادب کو انفارمیشن ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا سے جوڑنے، اپنے وسائل کو اردو آبادیوں کی علاقائی صنعت و حرفت سے وابستہ کرنے اور ہنرمندوں و کاریگروں کی لیاقت کے مطابق درجہ بندی کرکے اردو کو روزگار کے قریب لانے کا کام بھی پوری طاقت سے شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ اب تک کیا جاچکا ہے اس کی تفصیل آپ کور اسٹوری میں پڑھیں گے۔ اس کے علاوہ کونسل ہندوستانیت کی علامت بن کر تاریخ میں اپنا نام روشن رکھنے والی شخصیت اور اردو شاعری کی بنیاد رکھنے والے طوطی ہند حضرت امیر خسرو کے یوم ولادت 3 مارچ کو سرکاری طور پر 'یوم اردو' قرار دینے کی تجویز رکھنے اور 'اردو ہیلپ لائن' کے نام سے پوری دنیا کے اردو والوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے والی سروس شروع کرنے کا بھی ارادہ رکھتی ہے۔

یہ سب وہ نئے راستے ہیں جو اردو زبان کو نئی منزلوں تک لے جاسکتے ہیں۔ شرط صرف اردو والوں کے تعاون کی ہے۔ کیونکہ تمام تر سرکاری معاونت و امداد کے باوجود اردو تب تک کسی بہتر مقام تک نہیں پہنچے گی جب تک ہم اردو والے نہیں چاہیں گے اور اس کی بقا کے لیے کام کرنے والوں سے ہم قدم نہیں ہوں گے۔

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

آپ کی بات

ستیہ پال آنند

1355 مرسی کریک روڈ، ہرنڈن، ورجینیا، امریکہ

جناب مناظر عاشق ہرگانوی کے میرے ساتھ ہوئے انٹرویو مکالمے میں کچھ اغلاط درآئی ہیں۔ جن کی تصحیح ضروری ہے۔ انٹرویو چار پانچ اقساط میں موصوف نے اپنے قلم سے رقم کیا، چونکہ بات چیت کبھی نہرو گیسٹ ہاؤس کے میرے کمرے میں، یا کبھی ڈائننگ ہال میں یا کار میں سفر کرتے ہوئے کی گئی اور مناظر عاشق صاحب ایک ماہر فن قلمکار کی طرح اسے رقم کرتے رہے، اس لیے کچھ امور پر بات چیت کی غلط رپورٹنگ ہوگئی ہے، تو یہ ایک اتفاقی امر تھا۔ اگر ٹیپ ریکارڈر ہوتا یا فون پر ہی ریکارڈر کی سہولیت ہوتی تو اس صورتِ حال سے بچا جاسکتا تھا۔ میں کچھ امور کی نشاندہی کر رہا ہوں۔

ایک: لندن کے ذکر کے سیاق وسباق میں یہ بات غلط ہے کہ فیض احمد فیض یا ن م راشد یا ساقی فاروقی میرے ہاں ٹھہرتے تھے۔ میں تو ایک دوسرے شہر یعنی ملٹن کینز میں تھا، جس کا ذکر یونیورسٹی کے حوالے سے آیا ہے۔ میں نے انٹرویو میں یہ عرض کیا تھا، کہ چچا ملک راج آنند) کو اکثر ان سے ملنے کے لیے میں ہی اپنی پرانی کار میں ایک شام فیض کے ساتھ گزارنے کے لیے، زہرہ نگاہ کے ہاں، لودھی صاحب کے ہاں، یا جہاں بھی وہ ٹھہرے ہوتے تھے، لے کر جاتا تھا۔ ساقی فاروقی تو وہیں مقیم تھے، ان کا ذکر ایک دوسرے حوالے سے ہوا تھا کہ میں اب بھی ہر برس لندن جاتا ہوں تو ان سے طویل ملاقاتیں ایک 'فریضہ حج' ہے، جسے میں ادا کرتا ہوں۔ راشد کا ذکر، خدا جانے کیسے اس بیچ میں آگیا۔ ان سے میری صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔

دو: امریکا میں اردو کی تدریس کے تناظر میں یہ بات بھی خدا جانے کیسے درج ہوگئی کہ محترم بیدار مغز، یا شاہین صاحب اردو کی تدریس میں میرے ساتھ شامل رہے۔ بیدار مغز پیشے سے انجینئر ہیں، شاہین ایک معروف شاعر ہیں لیکن پروفیسر نہیں ہیں۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ یہ دونوں اصحاب میری طرح ہی ترجمے کی وساطت سے اردو ادب کو انگریزی قارئین سے متعارف کروا رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میرے ان دوممالک (امریکا اور کینیڈا) میں آنے سے پہلے بھی یہ دونوں محترم احباب اس کام میں سرگرم تھے۔ میرا کام تو صرف اردو ٹیکسٹ کو انگریزی میں منتقل کرنا تھا تا کہ اپنی کورس ڈیزائننگ میں اسے اپنے کمپیر یٹولٹریچر (تقابلی ادب) کا ایک حصہ بنایا جاسکے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ شاہین صاحب اور بیدار مغز صاحب نے اردو ادب کی انگریزی میں ترویج واشاعت میں جو کام کیا ہے، وہ میرے کام سے بہت زیادہ ہے۔

خدا جانے میری آمدنی کو دو ہزار ڈالر ماہانہ سے پانچ گنا بڑھا کر دس ہزار ڈالر کیسے لکھ دیا گیا۔ (یہ ایک زیرلب ریمارک تھا)۔ میری آمدنی امریکا میں ایک غریب قلمکار کی آمدنی ہے۔

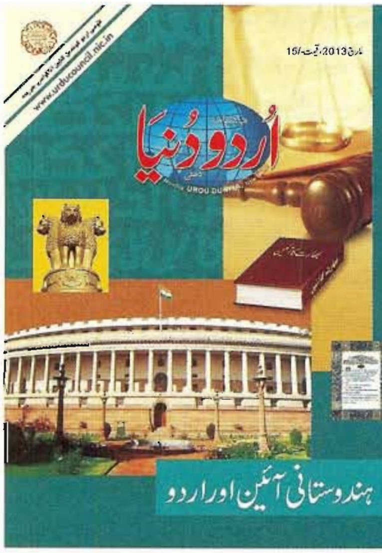

سالکہ خاتون صدیقی

مرکز والی جامع مسجد، قاضی پاڑہ، بجنور یوپی

'اردو دنیا' رسالہ میرے بچپن سے اُن خوابوں کی تعبیر ہے جو نا سمجھی کے دور میں دیکھے جاتے ہیں۔ یعنی اردو میں اتنے رنگین خوبصورت اور معتبر ومتقدر رسالے کا اجرا بے انتہا مسرت کا مقام ہے۔ رسالہ 'اردو دنیا' ماہ مارچ 2013، ص9 پر محترم ستیہ پال آنند سے لیے گئے انٹرویو میں 'ترکیب'، 'شعر شورانگیز' کی وضاحت پوچھی گئی ہے۔ جناب آنند صاحب کا فرمانا ہے ''یہ لفظ انسانی آوازوں سے مبرا ہے۔ اس کا مطلب ہے دھڑ دھڑ دھڑام۔ ڈھول ڈھمکے کی آوازیں۔ غیرانسانی آوازیں وغیرہ ہیں۔'' گویا آپ کے ذہن میں یہ اسم صوت میں جس کی تفصیل یہ ہے: اسم کی دو قسمیں مصدر اور جامد۔ آگے جامد کی دو قسمیں معرفہ اور نکرہ۔ اسم صوت نکرہ کے تحت ہے۔ لفظ 'شور' مصدر کے تحت ہے اور مشتقات ہے میں سے ہے۔ یہ فارسی لفظ ہے جس کی گردانی تفصیل یوں ہے: مصدر، شوریدن، اردو میں غل مچانا یا شور مچانا ہے۔ مضارع شورد: حاصل مصدر شورش (شورش کا 'ش' حذف کر کے شور بنا ہے) اسم منقول شوریدہ: شعر شورانگیز مرکب توصیفی کی مثال ہے اور شور قیامت، شورِ دار و گیر مرکب اضافی کی مثالیں ہیں۔ اب علم کلام کی طرف آیئے۔ خود میر کا شعر ہے:

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
(علامہ اقبال جواب شکوہ)

یہ شور رہے نمک کا جہاں کے رواق میں
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی ہیں اشتیاق میں
(میر انیس سراپا حضرت عباس)

وہ اٹھا شورِ ماتم آخری دیدارِ میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے نعشِ فانی دیکھتے جاؤ
(فانی بدایونی)

اردو والوں نے اس میں 'لاحقہ' مچانا جوڑ کر اس کی فارسی

ترکیب سے انحراف کیا ہے اس کے علاوہ شور اٹھنا، شور اٹھانا بھی اردو والوں کو اختراع ہے۔ خلاصہ یہ کہ 'شعر شور انگیز' از روئے قواعد، از روئے فصاحت بلاغت اور از روئے محاورہ بھی بالکل صحیح ہے۔ جیسا کہ اوپر کی امثال سے واضح ہے۔ یہ الگ بات ہے بعض تراکیب کسی طبیعت کو ناپسند ہوں اور اپنی پسند رکھنے کا ہر اک کو اختیار ہے۔ اسی کا نام اظہار کی آزادی ہے۔ لیکن غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ غیر انسانی آوازوں کو شور کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ شور اسم مشتق ہے۔ غیر انسانی آوازیں اسم صوت کے تحت آتی ہیں۔ ہاں یہ ہے کہ شور کبھی کبھی شہرت یا مشہور کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ اقبال اور میرانیس کے اشعار سے ظاہر ہے۔ رہا لفظ 'غل' کا مسئلہ تو یہ عربی لفظ ہے صوتی اعتبار سے غم کی آواز کو خود فصحائے عرب 'اصوات کریہہ' میں شمار کرتے ہیں۔ اردو والوں نے اس کے آگے بھی 'مچانا' جوڑ لیا ہے۔ ویسے غل کرنا غل ہونا بھی مستعمل ہے اور غل غپاڑہ بھی اصطلاح ہے۔ شور و غل بھی اردو کا مرکب اضافی ہے۔

احسان عالم بن حدیث

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مارچ 2013 کا رسالہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، اس رسالے میں سارے قلم کار کے تحریر شدہ مضامین معلوماتی اور علمی نقطۂ نظر سے بہتر ہیں۔ اردو سے متعلق ستیہ پال آنند صاحب سے ہرگانوی صاحب کا لیا گیا انٹرویو کافی اہم ہے۔ آنند صاحب نے گفتگو کے دوران ایک جگہ عرض کیا ہے کہ ''اردو شاعری میں تین صدیاں بیک وقت ساتھ چل رہی ہیں'' غزل انیسویں صدی کے ساتھ اور نظم بیسویں صدی کے ساتھ انھوں نے دو صدی میں دو اصناف کی وضاحت تو کی ہے لیکن اکیسویں صدی میں کسی بھی اصناف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ بہر حال ان کا یہ نظریہ کس حد تک درست ہے اس بات سے مجھے اختلاف تو نہیں، لیکن ان کی علمی صلاحیت اور ادبی خدمات کے حوالے سے اگر یہ عرض کروں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ شاعر، افسانہ اور ناول نگار ہیں اس لحاظ سے موجودہ دور میں بیک وقت اپنے ساتھ اردو ادب کی تین اصناف لے کر چل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ شمس الرحمان فاروقی کا مضمون 'حنیف نقوی کی جاسوسیاں' طرز تحریر، اسلوب، زبان و بیان، مواد اور تحقیق کے اعتبار سے اپنی جگہ مسلم ہے۔ ساتھ ہی کور اسٹوری میں انوار الیقین، خواجہ عبدالمنتقم، محمد عبدالقدیر وغیرہ کے مضامین سے جس قدر فائدہ ہوا اس کو میں بخوبی محسوس کر رہا ہوں۔ 'ہماری بات' کے آخری اقتباس میں خواجہ اکرام الدین صاحب نے اردو کی ترقی کے سلسلے میں جن سوالوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے وہ اردو سے ہمدردی رکھنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے، لہٰذا مختصر یہ کہ جملہ مضامین اچھے ہیں پڑھنے کے بعد حوصلے بلند ہوئے اور ایسا محسوس ہوا کہ اردو کا مستقبل تابناک ہے۔

الحاج شفیق احمد

استاد مدرسہ انوار العلوم، رامنگر، ضلع بارہ بنکی (یو پی)

ماہ نامہ اردو دنیا مارچ 2013 کے سرورق پر لکھا ہوا 'ہندوستانی آئین اور اردو' نیز متعلق خوب صورت تصویروں کے ساتھ شمارہ نظر نواز ہوا۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اردو دنیا میں جو بھی مضامین چھپتے ہیں وہ کافی حد تک اردو کے جدید تقاضوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ کور اسٹوری میں شامل مضامین بہت ہی اہم اور دلچسپ ہیں۔ 'ہندوستان کے آئین میں اردو کی حیثیت' سے متعلق انوار الیقین کا مضمون بہت ہی واضح انداز میں لکھا گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک بہت سارے اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی بیش بہا تخلیقات کے ذریعے ہندوستان کو عالمی شہرت بخشی ہے۔ اردو زبان کے تحفظ کی ضمانت تو آئین ہند نے پہلے ہی صاف لفظوں میں فراہم کر دی تھی لیکن آزادی کے 65 سال گزر جانے کے باوجود ملک میں اردو کو آج تک اس کا جائز مقام حاصل نہیں ہوسکا۔ جب کہ اردو ہندوستان کے بیشتر افراد کی مادری زبان ہے۔ خواجہ عبدالمنتقم کا مضمون 'جمہوری ہندوستان میں اردو کا منظرنامہ' بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ عہد حاضر میں اردو کے درپیش مسائل کے حل کے لیے معقول حکمت عملی کی ضرورت ہے ساتھ ہی اردو کو روزگار سے جوڑے بغیر اسکی خاطر خواہ ترقی ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کوئی بھی زبان سرکاری سرپرستی کے بغیر ترقی کے منازل طے نہیں کر سکتی ہے۔ محمد عبدالقدیر کا مضمون 'دستور ہند کے دائرے میں اردو کے فروغ کی صورتیں' بھی بہت خوب لکھا گیا ہے۔ آپ نے ایک مضمون 'اردو زبان اور ہندوستان کا دستور' ماہ اکتوبر 2012 کے شمارے میں بھی بہت خوب لکھا تھا۔ زیر نظر شمارے میں موصوف نے ملک کے اقلیتی طبقہ کو دستور ہند سے حاصل بنیادی حقوق کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اردو کی خاطر خواہ ترقی کے لیے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ لائق ستائش ہیں۔ خصوصی طور سے 'کرنے کے چند کام' کی طرف جو توجہ دلائی ہے وہ بہت ہی بہتر اور کارآمد ہیں۔ مناظر عاشق ہرگانوی کا ستیہ پال آنند سے لیا گیا انٹرویو بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی کا مضمون 'اردو میں دوسری زبانوں سے ترجمے کی روایت اور مسائل'، محمد زاہد کا مضمون 'مغربی بنگال میں اردو زبان' پڑھا بہت اچھا لگا۔ کوثر رسول نے 'اقبال فلسفہ سے مذہب تک' بہت ہی مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ مومن کی شخصیت اور شاعری و انتخاب کلام مومن مضمون بھی بہت خوب ہیں۔ تہذیب و ثقافت کے تحت 'پیغام سرمدی کی جوالا نگاہ سرزمین پنجاب' اور کیریر گائڈ بہت اچھا لکھا گیا ہے۔ 'احمد فراز کی غزل میں انسانی قدریں' مضمون بھی دلکش ہے۔

محمد اعظم ایوبی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مارچ 2013 کے شمارے کی دلکشی اور تزئین کاری قابل تحسین ہے اس کے تمام مضامین مسرت آمیز، مفید اور انفرادیت کے حامل ہیں رسالہ منبع علم ہے۔ یہ شمارہ اس بات کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ ہندوستان میں اردو زبان کی کیا حیثیت ہے جمہوریت میں اس کا کیا مقام ہے اور اقلیت میں رہ کر اپنی زبان و تہذیب کی پرورش و پرداخت اور تحفظ کس طرح کی جاسکتی ہے اس سلسلے میں انوار الیقین، خواجہ عبدالمنتقم اور محمد عبدالقدیر کے مضامین سود مند اور قابل تعریف ہیں۔ انوار الیقین کا اردو کا تاریخی منظرنامہ پیش کرنا اور آئین کے ذریعے اس کی اہمیت و افادیت کو سمجھانا ایک اچھا قدم ہے، اس کے علاوہ محمد عبدالقدیر کا مضمون 'دستور ہند کے دائرے میں اردو کے فروغ کی صورتیں' قابل ستائش ہے۔ ہر وہ شخص جو اردو سے رغبت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اردو کے فروغ میں حصہ لے۔ اس کی شروعات اپنے گھروں سے کریں، اردو اخبار و رسائل کے ذریعہ بچوں میں اردو زبان کا ذوق پیدا کریں۔

پرویز اختر

محلّہ تکیہ امام باڑہ، مئوناتھ بھنجن، ضلع مئو، اترپردیش، انڈیا

اردو دنیا مارچ ماہ کا شمارہ ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔ ہمیشہ اگلے شمارے کا انتظار رہتا ہے۔ رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے میں آپ لوگوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ جس کے لیے ادارہ کے متعلقین، مضامین نگاروں کی خدمت میں مبارک باد قبول فرمائیں۔

ہاشم قدوائی

سابق ممبر راجیہ سبھا، نئی دہلی

’اردو دنیا‘ کا فروری نمبر باصرہ نواز ہوا۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں فلمی ستاروں میں بلی مور یہ اور سلوچنا کے نام بھی سنتے تھے۔ اردو دنیا کے شمارے میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ سورت میں نہیں بلکہ احمد آباد میں کانگریس کے اجلاس منعقد 1921 میں مولانا حسرت موہانی کے مکمل آزادی کا ریزولوشن پیش کیا تھا۔ مدت ہوئی راقم نے یہ دریافت کیا تھا کہ حضرت نوح ناروی کے نام میں ’ناروی‘ کیوں لکھا جاتا ہے اب تک اس کا جواب نہ ملا۔

ڈاکٹر ارشاد احمد

محلّہ اسلامیہ نگر، سیوان بہار

’اردو دنیا‘ فروری 2013 کا شمارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اتنی کم قیمت میں ہندستانی سنیما پر دیدہ زیب اور دستاویزی حیثیت کا حامل شمارہ نکال کر آپ نے واقعی اہل اردو پر بڑا احسان کیا ہے۔ رنگین تصاویر، عمدہ طباعت اور متنوع مضامین کی وجہ سے یہ شمارہ خاص توجہ طلب ہے۔ جواری مل پارکھ کا مقالہ ’ہندوستانی سنیما کا ارتقا‘ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اشتراکیت اور ترقی پسند تحریک کے حوالے سے انھوں نے اچھی بحث کی ہے۔ شمع زیدی نے ہندستانی سنیما اور مسلمان میں مسلمانوں کے تعلق سے سنیما کے بدلتے ہوئے رجحان اور کردار پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ انیس امروہی نے اردو ادب اور سنیما کے تعلقات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ شاعری، سیاست، سیکولرزم، معاشرہ، نغمہ نگاری اور موسیقی وغیرہ پر لکھے گئے مضامین بھی پسند آئے۔ شمس الہدیٰ بہاری جیسا عظیم نغمہ نگار اور قادرالکلام شاعر پر مختصر نوٹ سے تشنہ لبی کو بڑھا دیا۔ چتر گپت کا چرچا آپ نے کیا ہی نہیں جب کہ وہ ہندستانی سنیما کے عہد زریں کے اہم اور کامیاب موسیقار تھے۔ ان کی موسیقی کی وجہ سے کئی فلمیں کامیاب ہوئیں اور تاریخ کا حصہ بنیں۔ دلکش اور بہترین شمارے کے لیے ایک پھر دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔

سلمیٰ حسین

E-52، جی ایف سن سٹی، سیکٹر 54، گڑگاؤں (ہریانہ)

’اردو دنیا‘ کا ہر شمارہ واقعی قابل تحسین ہے۔ رسالہ اردو ادب کی بہترین عکاسی کا حامل ہے چاہے وہ تنقید ہو یا تحقیق، تہذیب ہو یا ثقافت۔ ہندوستانی سنیما سے جڑا اردو دنیا کا شمارہ آپ کے تخلیقی ذہن اور حسن انتخاب کی عکاسی کرتا ہے۔ شاید پہلی مرتبہ کسی اردو رسالے نے سنیما کے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

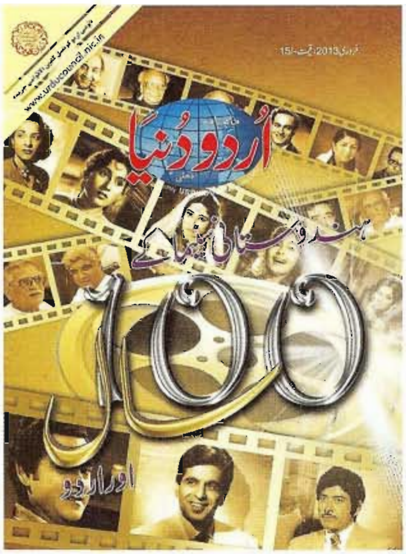

الحاج ڈاکٹر محمد ناظم علی

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، موڑتاڑ، ضلع نظام آباد

فروری 2013 اردو دنیا کا شمارہ جس کا جلد نمبر 15 شمارہ 2 بروقت ملا اس شمارے کو ہاتھ میں لیتے ہی خوشی کی انتہا نہیں رہی ایسا محسوس ہوا کہ کوئی خاص نمبر ہاتھ لگ گیا۔ یقیناً سرورق پر نشان دہی کی گئی کہ ہندوستانی سنیما کے 100 سال اور سرورق پر راج کمار، دلیپ کمار (یوسف خاں) وغیرہ اداکار ونگر کی تصویریں نظر نواز ہوئیں۔ یہ ایسا شمارہ ہے جس میں بالی ووڈ کی مکمل تاریخ سمٹ آئی جو 1913 سے شروع ہوتی ہے آج تک کی مکمل تاریخ آ گئی ہے یہ شمارہ تاریخ ساز اور عہد ساز بن گیا ہے کیونکہ اس میں ہندوستان کے ایک اہم باب کو وا کر دیا گیا۔ نصرت ظہیر صاحب کا انٹرویو و گفتگو گلزار سے بہت خوب ہے۔ گلزار صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ فلموں میں 90 فیصد اردو کا چلن ہے لیکن پھر بھی ہندی سند دی جاتی ہے اس پر کوئی احتجاج نہیں کرتا۔ اس شمارے میں ہندوستانی سنیما کی تاریخ، ایک جگہ مل جاتی ہے۔ یہ ایک دستاویز سے کم نہیں۔ فلمی سنیما پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ شمارہ نعمت سے کم نہیں۔

عبدالواجد خان

معتمد اردو مجلس ٹرسٹ، منڈی محلّہ میسور

’اردو دنیا‘ فروری 2013 کو بلاشبہ ہمارے سنیما اور اردو کا ایک صد سالہ انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ محترمی خواجہ اکرام الدین صاحب نے اپنی بات میں بالکل ٹھیک وضاحت کردی ہے کہ آج اگر قوم ہندوستان کی سنیما کی پہلی صدی مکمل ہونے کا جشن منا رہی ہے تو یہ اردو کی بھی ایک صدی کا جشن ہے۔

جناب نصرت ظہیر صاحب نے اپنے مضمون ’فلم اور فن کامیابی کا اسم اعظم: مغل اعظم‘ بہت ہی لاجواب لکھا ہے۔ گو اس شاہکار کی کامیابی کا سہرا مجموعی طور پر مرحوم جناب کریم الدین آصف (کے آصف) کے سر جاتا ہے، مگر اس زمانے کے اکابرین جیسے کہانی کار، مکالمہ نویس، موسیقار، فوٹوگرافر، اداکار، اور دیگر تکنیکی ماہرین بھی ہماری ستائش کے قابل ہیں، اور سب سے بڑھ کر ان تمام قد آور شخصیات کا ربط اور ایک ٹیم کی طرح کام کرنے کی لگن شاید ہی کبھی اور کہیں دیکھنے کو ملے گی۔ مرحوم کیفی اعظمی کا یہ نظریہ کہ ’’ہندوستان میں سیکولرزم کی سب سے بڑی عبادت گاہ ممبئی کی فلم انڈسٹری ہے۔‘‘ کیا یہ کیفیت آئندہ بھی بنی رہے گی۔ یہ دیکھنا ہے۔

ڈاکٹر شمیم دیوبندی

فیض کلینک 326 لال مسجد دیوبند، سہارنپور

فروری 2013 کا نیا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ جو کہ ’ہندوستانی سنیما کے 100 سال اور اردو‘ کے عنوان پر مبنی ہے۔ پڑھ کر دل محو حیرت رہ گیا کہ اتنا خوب صورت اور خوب سیرت شمارہ کتنی جدوجہد اور لگن کے بعد سامنے آیا ہوگا۔ آپ کی محنت اور جانفشانی کی جھلک نمایاں طور پر جھلک رہی ہے۔ اگر ہماری بات سے شمارے کو نہ پڑھا جائے تو میری نظر میں مزہ ادھورا ہی رہ جائے۔ کیونکہ پورے شمارے اور سنیما اور اردو سے متعلق ہماری بات بہت ہی موثر انداز میں پیش کی گئی۔

نصرت ظہیر صاحب کا گلزار صاحب سے انٹرویو ہو یا قاسم انصاری کا مضمون ’لتا منگیشکر اور اردو‘ دل کو بھی فرحت بخش رہے ہیں اور دماغ کو بھی مزہ دے رہے ہیں۔ پھر ’ہندوستانی سنیما اور مسلمان‘، ’ہندوستانی سنیما اور اردو ادب‘، ’ہندوستانی سنیما اور اردو فکشن‘، ’فلمی نغموں میں اردو کلچر‘، ’فلمی نغمات کو اردو شاعری کی سوغات‘، ان کے علاوہ ثمینہ پروین، محمود نثار، زبیر رضوی اور معصوم زہرہ وغیرہ کے مضامین نہایت دلچسپ اور اتنے معلوماتی ہیں کہ شمارہ کو ہر قاری پڑھ کر یقیناً اپنی الماری اپنی لائبریری یا اپنی ریڈنگ ڈیسک کی زینت بنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایم راگھوراؤ

ساؤتھ سول لائنس، چھندواڑا، مدھیہ پردیش

'اردو دنیا' فروری 2013 کا شمارہ ایک دستاویز کی شکل میں دست یاب ہوا۔ اس شمارے میں ہندوستانی سنیما اور اردو کے تعلق کا ہر پہلو سے جائزہ لیا گیا۔ اردو ادب سے وابستہ کئی شاعروں نے ہندوستانی فلموں میں بے حد مقبول ترین گیت دیے ہیں، انھوں نے فلمی نغمہ نگاری میں بھی اردو ادب کا معیار برقرار رکھا۔ اردو کے کئی شاہکار افسانوں پر فلمیں بنائی گئی ہیں۔ اپنے روزمرہ اور محاوروں، دوسری زبان کے الفاظ سے مل کر نئے اصطلاحات کی تراش سے اس زبان نے اپنا ایک کلچر وضع کیا ہے۔ اردو ہندوستانی فلموں کا ایک ایسا حصہ بن چکی ہے جسے جدا کرنا ناممکن ہے۔

محمد صغیر

پرائمری اسکول، اشوک پور چا چوسرائے، ضلع بارہ بنکی

جنوری 2013 کا شمارہ ماہنامہ اردو دنیا پڑھا۔ تمام مضامین کا مطالعہ کرنے سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ نصرت ظہیر کا انٹرویو کافی دلچسپ اور مفید معلومات سے بھرپور ہے۔ سہیل انجم کا لکھا ہوا خراجِ عقیدت اندر کمار گجرال کو پڑھنے کے بعد بہت سی جانکاری حاصل ہوئی۔ امان اللہ صاحب نے اردو سند یافتہ نوجوانوں کے روزگار سے متعلق جو مقالہ پیش کیا ہے وہ قابل تعریف ہے اور یہ بات ثابت کردیا ہے کہ اردو سند یافتہ نوجوانوں کو اپنے مستقبل سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ملیالم افسانہ بھی اچھا لگا۔

ماہنامہ اردو دنیا مارچ 2013 کا شمارہ بھی نظر نواز ہوا۔ ہندوستانی آئین اور اردو پر مشتمل یہ شمارہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ شمارے کے سرورق پر درج (ہندوستانی آئین اور اردو) اور کور اسٹوری میں شامل کیے گئے مضامین کا انتخاب بہت بہتر ہے۔ وقت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اچھا قدم ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب مل کر فروغ اردو کے لیے خصوصی طور سے غور وفکر کریں اور اردو کی ارتقا کے لیے ہر اردو داں طبقہ جو جہاں اور جس شعبے میں ہے ان تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف کوشش ہی نہیں کچھ عملی کام کرنے پر آمادہ ہونا چاہیے۔ دیگر تمام مضامین بہت خوب اور اچھے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ کور اسٹوری کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ زبان و تعلیم کے موضوع پر اردو میں دوسری زبانوں سے ترجمے اور مغربی بنگال میں اردو زبان بہت عمدہ لکھا گیا ہے۔ ادبی مباحث میں کوثر رسول کا مضمون اقبال فلسفہ سے مذہب تک بہت بہتر اور معلومات سے لبریز ہے۔ کریئر گائڈ کے تحت نئی نسل کے لیے کریئر کا مسئلہ اور والدین کی ذمہ داری راغب اختر نے بہت خوب لکھا ہے۔

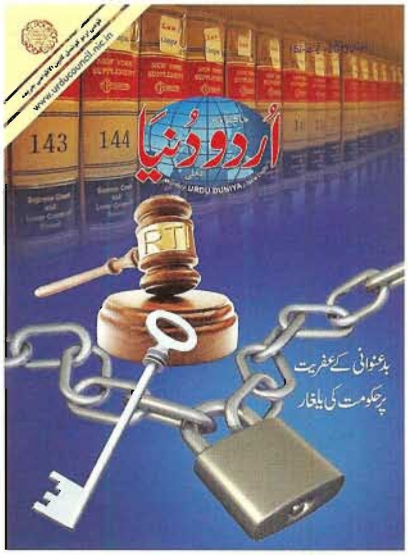

مصطفیٰ ندیم خاں غوری

زرینہ منزل، ورنداون کالونی، جالنا

'اردو دنیا' جنوری کے سرورق پر RTI لوازماتِ دار و رسن کے ذیل میں مندرج عبارت دیکھ کر طبیعت چونک سی گئی۔ خیر۔ اداریہ میں اس تعلق سے مدلل صراحت اس بات کی غماز ہے کہ قوانین کی جزئیات پر بھی آپ کتنی گہری نظر رکھتے ہیں۔ گوکہ 'کور اسٹوری' کے تحت اس پر مزید مفصل بحث کی گئی ہے۔ دیگر مضامین میں کملا ثریا کے ملیالم افسانہ کو مترجم نے اس مہارت سے ڈھالا ہے کہ ہر پہلو سے یہ طبع زاد افسانہ محسوس ہوتا ہے۔ باقی مشمولات ادبی معلوماتی و متوازن ہیں۔ اب فروری کا سرورق دیکھ کر زبان پر بے اختیار یہ سدابہار و شیریں نغمہ جاری ہوگیا کہ ''سوسال پہلے مجھے تم سے...'' 'اردو دنیا' نے ایک صدی کی طویل داستان کو بڑی کامیابی سے گویا پن ڈرائیو میں ضبط کرلیا ہے۔ اس شمارے کے ایک ایک صفحے نے مبہوت سا کردیا اور صفحہ 69 پر تو حد کردی آپ نے کہ نصرت ظہیر کے مضمون 'مغل اعظم کے پس منظر میں' پیش کردہ مقناطیسی عکس میں بصارت وبا تمام تر جذب ہوتی چلی جاتی ہے کہ بس نہارتے ہی رہیے۔ آپ کے ادارتی شعبے نے فلمی شخصیتوں کے جو کوائف فراہم کیے ہیں انھیں وسیع تر حاشیہ میں جگہ دی گئی ہے۔ تاہم یہ نہایت قابل قدر ہیں۔ فلمی شعرا نے اپنے نغمات میں اُستادان ادب سے جو استفادہ کیا ہے اُس پر کرشن بھاوک کی تحریر تحقیقی و تنقیدی لگتی ہے۔ آپ کو اور آپ کے تمام رفقا کار کو اتنا شاندار شمارہ پیش کرنے پر دلی مبارکباد۔

قمر امان

کاشانہ امان، غنی چک، بھاگلپور سیٹی، بھاگلپور (بہار)

جنوری 2013 کے شمارے میں شاہد اختر کے مضامین 'بدعنوانی کے عفریت پر حکومت کی یلغار 1،2، حق اطلاعات قانون بدعنوانی کے خلاف اہم ہتھیار' خوب تر ہیں۔ ہندوستانیوں کو اس قانون سے براہِ راست فائدہ ہوا ہے۔ اب اس کے سہارے عوام سرکار میں ہو رہی کارکردگی اور منصوبوں کے نفاذ کے علاوہ بدعنوانی کی بھی، جانکاری با آسانی حاصل کررہے ہیں۔ اداریہ میں بھی اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نصرت ظہیر کے ذریعے پیش کردہ راجیش رینا ''ویژوئل میڈیا اور پرنٹ میڈیا میں اردو کا مستقبل تابناک ہے۔'' سید فیصل علی ''اردو کی نصاب تعلیم میں بنیادی اہمیت دی جائے اور اسے روزگار سے جوڑا جائے'' شکیل حسن شمسی ''اردو صحافت کبھی گھاٹے کا سودا نہیں تھی'' اطہر فاروقی ''اردو جب تک اسکولی نظام کا حصہ نہیں بنے گی تب تک اس کا احیا ممکن نہیں'' دل کو چھو گیا۔ 'اردو دنیا' نے جب سے نیا انداز اپنایا ہے تب سے عالمگیری سطح کا واحد ماہنامہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ 'محبت کے سفیر امن کے نقیب، اردو کے حبیب: اندر کمار گجرال، دیویندر اسر: خوشبو بن کے لوٹیں گے، لاشعور میں مادری زبان کی عمل داری، اردو کی اولین نظم اور منٹو، منظر کاظمی کے افسانے، علامہ راشد الخیری کی نظم نگاری، شاد کی غزل کے دو رنگ، ادب اقتدار اور پاپولر کلچر، کے علاوہ دیگر مضامین نے 'اردو دنیا' میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

اعجاز احمد سحر

کہکشاں، معروف اسٹریٹ، چک مگلور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا ماہنامہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہر ماہ جلوہ افروز ہو رہا ہے۔ قومی اردو کونسل کا یہ جریدہ فروغ اردو کے لیے ایک بہترین کاوش ہے۔ میں 'بزم قدر ادب' چک مگلور (کرناٹک) کی جانب سے آپ کو اور آپ کی ٹیم کو تہِ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اردو دنیا کے تمام مضامین دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی قلم کاروں اور قاری حضرات کو بھی تہِ دل سے مبارکباد پیش خدمت ہے۔

سردار سلیم

سیدہ جعفر

سیدہ جعفر، اردو تحقیق و تنقید کا ایک بڑا نام ہے، اردو کے تحقیقی و تنقیدی ادب میں خواتین کی حصہ داری بہت کم رہی ہے اور جن خواتین نے صرف تحقیق و تنقید کو کار ادب کے طور پر اختیار کیا ہو ان کی تعداد تو اور بھی کم ہے۔ ان سب میں کوئی بھی محترمہ سیدہ جعفر کا ہمسر نہیں۔ صحافی اور شاعر سردار سلیم نے حال ہی میں ان سے 'اردو دنیا' کے لیے جو انٹرویو کیا، اس کے اہم اقتباس نذر قارئین ہیں۔ (ادارہ)

سردار سلیم: اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں بتائیں؟

سیدہ جعفر: مجھے ہمیشہ اس بات پر فخر رہے گا کہ میرے جد اعلیٰ سید رضیؒ تھے جنھوں نے 'نہج البلاغہ' مرتب کی تھی، نہج البلاغہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے خطبات و ارشادات کا مجموعہ ہے۔ سید رضیؒ اور ان کے بھائی سید مرتضےؒ 'اعلام الہدیٰ' کہلاتے تھے۔ یہ دونوں اسلام کے چوٹی کے علما میں شمار کیے جاتے ہیں، اس کے علاوہ ہمارے خاندان میں کئی شاعر اور ادیب گزرے ہیں، دکن کے ایک ممتاز محقق شمس اللہ قادری نے ہمارے خاندان کے مشاہیر پر ایک پوری کتاب مرتب کی ہے۔ ہمارا تعلق ایران کے صفوی گھرانے سے ہے اس لیے ہم لوگ موسوی الصفوی کہلاتے ہیں۔ ساتویں قطب شاہی فرماں روا عبداللہ قطب شاہ کی تین بیٹیوں میں سے ایک بیٹی ہمارے جد سے بیاہی گئی تھی اس طرح دو بڑے خاندانوں سے ہمارا تعلق ہے۔ میرے والد کا نام سید جعفر علی اور والدہ کا نام صغریٰ بیگم تھا، میرے شوہر سید احمد مہدی ایڈوکیٹ تھے جو حیدرآباد میں سیول سائٹ پر پراکٹس کرتے تھے، وہ ہاشم نواز جنگ کے نواسے اور عالم یار جنگ کے بھانجے ہوتے تھے۔ میرے دو بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے ڈاکٹر نوازش مہدی میکانیکل انجینئرنگ کے پروفیسر ہیں اور مفخم جاہ انجینئرنگ کالج میں پڑھاتے ہیں، چھوٹے بیٹے کیپٹن سید حسین مہدی پائلٹ ہیں اور دکن ایر لائنس میں خدمات انجام دیتے ہیں۔

س س: اپنے تعلیمی سفر کی تفصیل بتائیں؟

س ج: میرا تعلیمی سفر بہت اچھا رہا، میں نے انٹرمیڈیٹ اور بی اے جامعہ عثمانیہ سے امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا، انٹر اور بی اے میں میرے مضامین Economics اور Socialogy تھے، ایم اے فرسٹ ڈویژن سے کامیاب کیا، پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان 'اردو مضمون کا ارتقا' میں نے پروفیسر عبدالقادر سروری کی نگرانی میں تحریر کیا تھا...

س س: آپ کو تحقیق وتنقید سے دلچسپی کیسے پیدا ہوئی؟

س ج: دراصل مجھے تحقیق سے زیادہ تنقید کا میدان پسند تھا اور دکنیات کے سلسلے میں کام کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا، ایک دن ڈاکٹر زور نے شاہ تراب چشتی کی مثنوی 'من سمجھاون' کا نسخہ مجھے دیا اور کہا کہ یہ نسخہ عنایت جنگ بہادر نے بھیجا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس پر کام کرو۔ تو یوں سمجھیے کہ بس اتفاقی طور پر میں نے دکنی پر کام کرلیا اور میں نے اس کتاب میں ثابت کیا کہ مراٹھی کے شاعر رام داس کی کتاب 'شری مناچے شلوک' سے متاثر ہوکر جنوبی ہند کے شاعر شاہ تراب چشتی نے 'من سمجھاون' لکھی۔ اس کے بعد مجھے دکنی تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ سچ پوچھیے تو 'من سمجھاون' دکنی میں پہلی تحقیقی کتاب ہے، اس کتاب کے دیباچے میں پروفیسر مسعود حسین خاں نے لکھا ہے کہ ''میں شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی جانب سے ایک ادبی تحفہ اور علمی چیلنج پیش کرتا ہوں'' اور پھر انھوں نے مقدمے میں یہ لکھا کہ ''سیدہ جعفر نے مرحوم عبدالحق، وحیدالدین سلیم اور ڈاکٹر زور کی روایات تحقیق کا بھرم رکھا ہے''۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ مثنوی 'من سمجھاون' پر میرے تحقیقی مقالے کا ہندی، مراٹھی اور عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ میری کئی نگارشات کا انگریزی، عربی، مراٹھی اور میتھلی میں ترجمہ ہوا ہے۔

س س: اپنے پیشرو محققین میں آپ کس سے متاثر ہیں؟

س ج: ڈاکٹر محی الدین قادری زور، پروفیسر مسعود حسین خاں، احتشام حسین اور آل احمد سرور۔

س س: ایک ماہر دکنیات کی حیثیت سے آپ مقبول ہیں، دکنیات کے حوالے سے آپ کی کیا خدمات ہیں؟

س ج: میرا کام صرف دکنیات یا صرف تحقیق تک محدود نہیں ہے میں نے تحقیق کے علاوہ تنقید، لغت نویسی اور ادبی تاریخ نگاری کا کام کیا ہے، آپ 'تاریخ ادب اردو' کو ہی لے لیجیے جو کہ 9 جلدوں پر مشتمل ہے اس کی پانچ جلدیں میں نے قومی کونسل کی جانب سے پروفیسر گیان چند جین کے اشتراک سے لکھی تھیں۔ دیباچے میں گیان چند جین رقم طراز ہیں کہ ''یہ کتاب سیدہ جعفر نے لکھی ہے میں نے تو صرف چند صفحات کا اضافہ کر دیا ہے''۔ 'تاریخ ادب اردو' کی باقی چار جلدیں میں نے اپنے طور پر لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ 'دکنی لغت' کی تالیف بھی ہے۔ 'دکنی لغت' پر میں نے اکیلے کام کیا جس میں لگ بھگ ساڑھے تیرہ

ہزار اندراجات شامل ہیں جبکہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں ساڑھے پانچ سے چھے ہزار تک ہی اندراجات جمع کر پائے تھے۔ صرف یہی نہیں میں نے اس لغت میں ہر لفظ کی جنس (تذکیر و تانیث) جمع واحد، محل استعمال، ماخذ اور تلفظ کی بھی نشان دہی کی ہے اور حسب ضرورت نثر و نظم دونوں سے تین تین چار چار مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ میری تنقیدی نگارشات کے تازہ ترین نمونے دیکھنے ہوں تو آپ 'اردو دنیا' کا دسمبر 2012 کا شمارہ اٹھا کر دیکھیں جس میں پہلا مضمون میرا ہی ہے اور اس مضمون کا عنوان ہے 'مطالعہ ٹیگور کا ایک زاویہ' اس کے علاوہ اردو اکادمی دہلی کے ترجمان رسالہ 'ایوان اردو' میں بھی اسی مہینے میرا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ''کیا نظیر بے نظیر ہیں؟'' ساہتیہ اکادمی کی جانب سے میری تین تصانیف ''ڈاکٹر زور''، ''مخدوم'' اور ''فراق'' شائع ہوئی ہیں، اس کے علاوہ ''تنقید اور انداز نظر، مہک اور محک، تفہیم و تجزیہ اور 'فن کی جانچ' میرے تنقیدی مجموعے ہیں۔ رہی بات دکنیات کی تو دکنیات کے سلسلے میں 'سکھ انجن'، 'دکنی رباعیاں'، مثنوی 'یوسف زلیخا'، 'جنت سنگھار'، 'نوسر ہار' اور دیگر کتابیں میں نے لکھی ہیں۔ موخر الذکر کتاب 'نوسر ہار' اسی سال قومی کونسل کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ یہ اردو کا پہلا ادبی کارنامہ ہے جو 1503 میں مکمل ہوا تھا' پاکستان سے جمیل جالبی نے مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' شائع کی ہے، یہ نام دراصل نصیر الدین ہاشمی نے اپنے طور پر رکھ دیا تھا، اس مثنوی کے بہت سے صفحات ابتدا میں اور اختتام پر موجود نہیں ہیں، اس کے علاوہ درمیان میں بھی کئی اوراق غائب ہیں، یہ مثنوی ہر اعتبار سے نامکمل ہے۔ میں نے 'تاریخ ادب اردو' میں بیدر کے آرکائیوز ڈپارٹمنٹ میں موجود کسی کنویں سے نکالی ہوئی ایک پتھر کی سل دریافت کی اور اس پر کندہ عبارت کے ذریعے جمیل جالبی کے بتائے ہوئے سنہ کی تردید کی ہے۔

س س: آپ کی کون کون سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں؟

س ج: میری سب سے پہلی کتاب 'اردو نثر کے ارتقا میں ماسٹر رام چندر کا حصہ' تھی جو مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے شائع ہوئی تھی یہ میری بھی پہلی کتاب تھی اور مذکورہ ادارے کی بھی، ماسٹر رام چندر دہلی کالج میں محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور ذکاء اللہ کے استاد تھے، وہ 'فوائد الناظرین' اور 'محب ہند' نام کے رسالے نکالتے تھے یہ غدر سے پہلے کی بات ہے، سرسید احمد خاں کو اردو کا پہلا مضمون نگار سمجھا جاتا تھا لیکن میں نے یہ ثابت کردیا کہ ماسٹر رام چندر پہلے مضمون نگار ہیں۔ اسی طرح اور بھی کتابیں ہیں کل ملا کر میری 32 کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں۔

س س: ادب میں تاثراتی تنقید، تقابلی تنقید، مارکسی تنقید اور نفسیاتی تنقید وغیرہ کی اصطلاحیں عام ہیں، یہ بتائیے کہ آپ کس تنقیدی مکتب فکر سے وابستگی رکھتی ہیں؟

س ج: میں ادب کی ایک معمولی درجے کی طالب علم ہوں، آپ کا خیال صحیح ہے کہ میں نے مختلف علوم سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ کسی طالب علم کو کرنا چاہیے، تنقید اور ادب پر لیبل لگانے کا رجحان زیادہ دور تک ہماری رہنمائی نہیں کرسکتا' مختلف خوبصورت پھولوں سے گلدستہ سجانے میں مجھے کوئی ہرج نظر نہیں آتا، ترقی پسند تحریک اور پھر جدیدیت نے اپنی اپنی تھیوری کے اصولوں میں ادب کو جکڑ رکھا تھا، بعد میں مابعد جدیدیت نے مصنف کو آزادی دی ہے کہ وہ اپنے افکار کا اپنے مخصوص اسلوب میں اظہار کرسکے، اب ذہنی تتبع اور نظریاتی تسلط کا دور ختم ہو چکا ہے۔

س س: آپ نے قدیم اور جدید نظم پر کافی کام کیا ہے یہ بتائیے کہ کیا نظم کی تحقیق کے لیے محقق کا موزوں طبع ہونا بھی ضروری ہے؟

س ج: جی نہیں!

س س: اپنے تلامذہ کے بارے میں بتائیے؟

س ج: جامعہ عثمانیہ اور پھر سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد دونوں جگہوں پر میں پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو رہ چکی ہوں اور دونوں جامعات میں میں نے 9 پی ایچ ڈیز Produce کیے ہیں۔

س س: کیا آپ اردو ادب کے مستقبل سے پرامید ہیں؟

س ج: ہندوستان میں مختلف ادارے اور انجمنیں قائم ہیں اور حکومت بھی اس طرف توجہ کر رہی ہے لیکن جن خطوط پر اردو کی ترقی کے لیے کام ہونا چاہیے اس پر سنجیدگی کے ساتھ ہمیں غور کرنا ہے مشرق و مغرب میں جو اردو کی تازہ بستیاں قائم ہو رہی ہیں وہ بھی اردو کی ترقی میں دلچسپی رکھتی ہیں اس منظرنامے کو دیکھتے ہوئے ہم رائے تو قائم کرسکتے ہیں لیکن پیشین گوئی کرنا مصنفین کا نہیں نجومیوں کا کام ہے۔

س س: ان دنوں آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟

س ج: میں آج کل کوئی مستقل کتاب تصنیف نہیں کر رہی ہوں بلکہ مختلف موضوعات پر تنقیدی مضامین لکھنے میں مصروف ہوں۔ جگر نے کہا تھا:

احباب ہم سے قطع تعلق کریں جگر
اب آفتاب زیست لب بام آگیا

اس تصور کے پیش نظر یہ سمجھتی ہوں کہ بڑا کام لے کر اسے ادھورا چھوڑ جانے سے بہتر ہے کہ چھوٹے چھوٹے کام لوں اور انھیں مکمل کردوں' اب جسم و جاں کا رشتہ کمزور سا پڑ گیا ہے' لیکن مطمئن ہوں:

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

■

Sardar Saleem H.No. 18-8-237/C, Riyasat Nagar, Hyderabad - 59 (A.P)

انعامات و اعزازات

خاص انعامات میں بہار اردو اکادمی کا قاضی عبدالودود ایوارڈ برائے تحقیق، عالمی اردو کانفرنس نئی دہلی سے فراق گورکھپوری ایوارڈ، آندھرا پردیش اردو اکادمی کی جانب سے مخدوم ایوارڈ، عالمی اردو کانفرنس نئی دہلی کی جانب سے اردو خدمات کے لیے ڈاکٹر زور ایوارڈ، اس کے علاوہ ساہتیہ اکادمی نے Writer in Residence کے اعزاز سے بھی نوازا، کتابوں میں تقریباً ہر کتاب پر انعام سے نوازا جا چکا ہے۔

انٹرنیشنل ایوارڈ

عالمی مجلس فروغ اردو دوحہ قطر کا انٹرنیشنل انعام تحقیق کے لیے دیا گیا۔

چند اہم نگارشات

(1) ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقا میں ان کا حصہ
(2) من سمجھاون
(3) فن کی جانچ
(4) دکنی رباعیاں
(5) تنقید اور انداز نظر
(6) سکھ انجن
(7) یادگار مہدی
(8) اردو مضمون کا ارتقا
(9) دبستان گولکنڈہ کی پہلی مثنوی 'یوسف زلیخا'
(10) ڈاکٹر زور
(11) چندر بدن و مہیار
(12) کلیات محمد قلی قطب شاہ
(13) مثنوی ماہ پیکر
(14) جنت سنگھار
(15) دکنی ادب میں قصیدہ نگاری کی روایت
(16) مثنوی گلدستہ
(17) نوسر ہار
(18) دکنی لغت

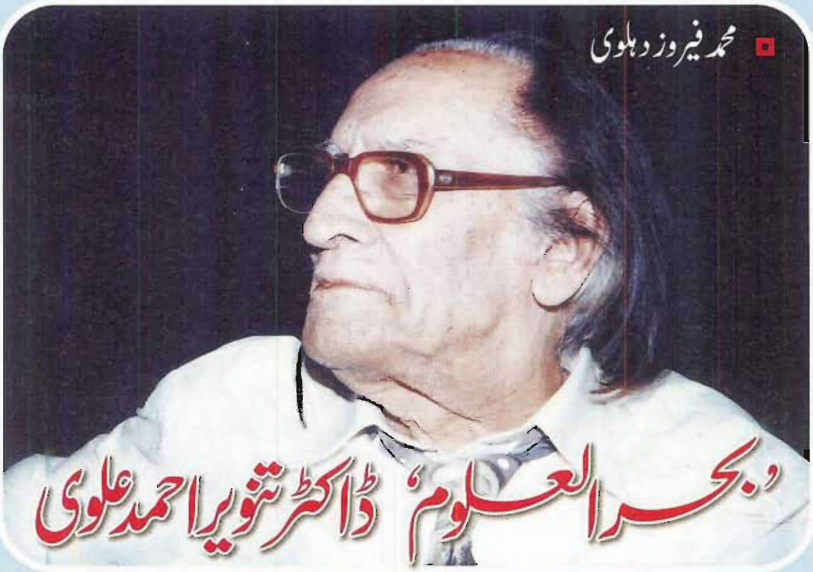

'بحرالعلوم' ڈاکٹر تنویر احمد علوی

■ محمد فیروز دہلوی

21 فروری 2013 کے اخبار میں جلی سرخی کے ساتھ یہ اندوہناک خبر شائع ہوئی تھی کہ ''اردو کے نامور محقق ڈاکٹر تنویر احمد علوی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ خبر پڑھ کر سکتہ طاری ہوگیا۔ تین دن قبل (18 فروری) کو مجھی و مشفق حقیقی برادر نسبتی کی رحلت سے پورا گھر سوگوار تھا، تعزیت کرنے والوں کی تسلی و تشفی کے کلمات اور صبر کی تلقین سے کچھ ڈھارس بندھتی رات آتے آتے پھر افسردگی طاری ہوجاتی۔ صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے ڈاکٹر خالد اشرف کا فون آیا وہی جان کاہ خبر دہرا رہے تھے انھیں رات گیارہ بجے علم ہوگیا تھا اور اس وقت خبر دینا مناسب نہیں سمجھا۔ میں بھی منتظر تھا کہ کب نو بجیں اور ان لوگوں کو فون کروں جن کے علوی صاحب سے مراسم تھے کیونکہ اس وقت تک عموماً لوگ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوجاتے ہیں متعدد لوگوں سے فون پر گفتگو ہوئی وہ اس خبر سے 'بے خبر' تھے رونا آیا کہ اردو والوں کے یہاں اردو اخبار ہی نہیں آتا (اس روز اردو کے بیشتر اخباروں میں خبر شائع ہوئی تھی) بہرحال دوپہر دو بجے تک باخبر حضرات دہلی گیٹ قبرستان پہنچ کر نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے۔

ایک ماہ قبل سخت تشویش ناک حالت میں تنویر صاحب کو سینٹ اسٹیفن ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔ حال یہ تھا کہ کب خبر آجائے۔ 16 فروری کو ڈاکٹروں نے متعلقین سے کہا کہ اب انھیں گھر لے جائیں اور خدمت کریں انھیں خدشہ تھا کہیں ان کی مسیحائی پہ حرف نہ آجائے۔ گھر آئے تو اس عالم میں کہ جسم انتہائی لاغر بیشتر اوقات غشی طاری رہتی۔ بھتیجا بھتیجی خدمت پر مامور، مگر زندگی سے مایوس، جتنے سانس باقی ہیں انھیں پورا کرنا تھا۔ 20 فروری شب آٹھ بج کر 55 منٹ پر سانحہ ارتحال بھی ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ 1988 کی بات ہے علوی صاحب فرائض منصبی سے سبکدوش ہوکر اپنے 'دانش کدہ' میں علمی و ادبی مشاغل میں مصروف تھے۔ موسم سرما کی ایک اتوار تھی ڈاکٹر شریف صاحب غریب خانہ پر تشریف لائے اور فرمایا علوی صاحب کے یہاں چلنا ہے اس وقت گیارہ بج رہے ہیں بس ایک بجے تک واپسی ہوگی۔ ہم علوی صاحب کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ ڈاکٹر انتظار مرزا وہاں پہلے ہی سے موجود ہیں اور علوی صاحب اپنے سوانحی کوائف قلمبند کرا رہے ہیں۔ دس منٹ بعد علوی صاحب اور شریف صاحب کسی امر پر گفتگو کرنے لگے۔ تبھی تنویر صاحب کی اجازت لے کر ان کوائف کا کچھ حصہ نقل کرلیا۔ اس کے مطابق ڈاکٹر تنویر احمد علوی 16 جولائی 1923 کو کرانہ ضلع مظفر نگر (مغربی یوپی) میں پیدا ہوئے۔ والد صدیق احمد علوی عربی فارسی کے عالم، حافظ قرآن اور طبیب تھے اور حکیم اجمل خاں کے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید کے شاگرد تھے۔ علوی صاحب کی ابتدائی تعلیم کیرانہ کے ایک مکتب میں ہوئی وہاں قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد 1936 میں فارسی و عربی کی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ فارسی نصاب کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا اور چالیس سال کا ریکارڈ توڑا وہاں سے فارغ ہوکر مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ سے منشی، منشی کامل کے امتحان میں امتیاز حاصل کیا۔ 1942 میں بھوپندرا طبیہ کالج پٹیالہ سے طب کا تین سالہ کورس مکمل کیا۔ امتحان میں ان کی شاندار کارکردگی پر گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔ 1945 میں کیرانہ واپس آئے اور پھر 1953 تک یوپی بورڈ اور آگرہ یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے کے امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیے۔ 1956 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ریسرچ کے لیے داخلہ لیا ان کی تحقیق کا موضوع ذوق، سوانح اور انتقاد تھا۔ ڈاکٹر محمد عزیر ان کے نگراں تھے۔ 1960 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی بعد ازاں مسلم یونیورسٹی ہی سے اردو میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ 1960 میں دہلی کالج کے شعبہ اردو میں لیکچرر مقرر ہوئے اس سے پیشتر علوی صاحب نے لنگویج ٹیچر کی حیثیت سے مسلم جاٹ ہائی اسکول آسارا ضلع میرٹھ میں بھی کئی سال پڑھایا تھا۔ ستمبر 1972 میں شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ریڈر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ شعبہ اردو کے انچارج ہونے پر علوی صاحب نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے ریسرچ کا سلسلہ شروع کیا۔ وہاں کچھ ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا کہ بددل ہوکر دوبارہ 1974 میں دلی کالج آگئے۔ 11 مئی 1977 کو شعبہ اردو دلی یونیورسٹی میں بحیثیت ریڈر تقرر ہوا۔ 1983 میں ساٹھ سال مکمل ہونے پر ریٹائر ہوئے مگر ملازمت میں پانچ سال کی توسیع ہوئی اور 1988 میں ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد شعبۂ اردو کے ذولسانی لغت کے پروجیکٹ کے لیے آپ کی خدمات حاصل کی گئیں۔

علوی صاحب کو لڑکپن ہی سے مطالعے کا شوق تھا اور اپنے وقت کے ذہین ترین طالب علموں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ گھر میں اردو فارسی اور طب کی متعدد کتابیں تھیں۔ والد کو بچپن میں اکثر و بیشتر مطالعہ کرتے دیکھتے۔ علاقے کے لوگ ان سے مشورہ کرتے اور ان کا احترام کرتے۔ ان مناظر نے علوی صاحب کے ذہن پر ایسا اثر مرتب کیا کہ وہ زندگی بھر مطالعہ کرتے رہے۔ ایک بار انھوں نے بتایا کہ آسارا ہائی اسکول میں ان کا تقرر ہوا تو وہاں ان سے بڑی عمر کے اساتذہ تھے جو تنویر صاحب کو کم عمر سمجھ کر کم ہی بات کرتے اس لیے وہ کلاس کے علاوہ اپنا وقت لائبریری میں گزارتے اور جو بھی کتاب ملتی پڑھتے۔ اسکول سے واپسی پر لائبریری سے کتابیں ساتھ لاتے اور رات کو چراغ یا لالٹین کی روشنی میں کتاب پڑھنا ان کی عادت بن گئی۔ جب تک کتاب ختم نہیں ہوتی سوتے نہیں— خدا نے مطالعے کے شوق کے ساتھ غیر معمولی حافظہ بھی عطا کیا تھا جو کتاب ایک مرتبہ پڑھ لی اس کا ضروری مواد ذہن میں محفوظ رہتا۔ علوی صاحب کا کہنا تھا کہیں تحریری طور پر کتاب کے اقتباس نقل کرنے ہوتے تو اصل کتاب دیکھتا کہ کہیں کوئی لفظ اِدھر اُدھر نہ ہوجائے اور نقل مطابق اصل ہو۔ درس و تدریس سے وابستہ بے شمار لوگ ہیں جو باقاعدگی سے مطالعہ کرتے ہیں لیکن ان کی مطالعے کی کچھ حدیں ہیں پسندیدہ موضوعات ہیں ہر

موضوع میں دلچسپی نہیں مگر علوی صاحب کے ساتھ ایسا نہ تھا وہ ہر موضوع پر کتاب کا مطالعہ کرتے خود کتابیں خریدتے اور دوسروں کو کتاب پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ وہ ان لوگوں سے نالاں رہتے جو کسی کالج اور یونیورسٹی میں استاد تھے لیکن ملازمت ملنے کے بعد ان کے مطالعے میں کمی آگئی تھی اور ان کی دلچسپی کے سامان کچھ دوسرے تھے ان کا کہنا تھا کہ اسکول کے ماسٹر اور کالج و یونیورسٹی کے ٹیچر میں فرق ہونا چاہیے۔ ان کے جو شاگرد اسکول ٹیچر تھے ان سے کہا کرتے دس سال سے ایک ہی نصاب پڑھا رہے ہو لیکن اس کے مضامین سے متعلق جو نئی نئی باتیں سامنے آرہی ہیں جو تحقیقی کام ہو رہے ہیں ان سے باخبر رہو ایسا مواد تلاش کرو اور نئی معلومات سے طلبہ کو واقف کراؤ انھیں کنویں کا مینڈک نہ بناؤ علم بحرِ بیکراں ہے۔ جھیل تالاب میں ٹھہرا ہوا پانی نہیں۔ علوی صاحب کلاس میں جب لیکچر دیتے تو طلبہ ہمہ تن گوش ہوتے پچاس ساٹھ منٹ کی گفتگو میں اتنا کچھ مل جاتا کہ دس بیس کتابیں پڑھنے پر ہاتھ نہ آتا۔ وہ ایک وسیع المطالعہ بیدار مغز فراخ دل رکھنے والے انتہائی شفیق استاد تھے ان کی گفتگو کلاس ختم ہونے کے بعد بھی جاری رہتی اسٹاف روم یا کلاس کے لیے دوسرے کمرے کے دروازے تک وہ موضوع سے متعلق بے تکان بولتے اس وقت ان پر عجیب کیفیت طاری ہوتی کہ طلبہ ساتھ چلتے چلتے دوسرے کمرے میں داخل ہوگئے اور علوی صاحب اسی عالم میں آگے چلے گئے۔ ایسی صورت کبھی کوئی استاد یا طالب علم متوجہ کرتا تو وہ چونکتے— ان کی علمی و ادبی فتوحات پر نظر ڈالیے تو تحقیق، تدوین تنقید، تاریخ، تصوف، ثقافت تذکرہ نگاری شعریات اور تراجم پر مبنی تقریباً 44 کتابیں اور اَن گنت غیر مطبوعہ مقالے ہیں بعض موضوعات تو ایسے ہیں جن پر اردو میں پہلی بار علوی صاحب ہی نے قلم حق اٹھایا اور حق ادا کیا۔ تنویر صاحب بنیادی طور پر انفرادیت پسند تھے۔ پامال روش پر چلنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ تحقیق کے لیے ان کے ہم عصر میر غالب اور اقبال کے پیچھے بھاگ رہے تھے لیکن انھوں نے معاصر غالب و مومن 'شیخ ابراہیم ذوق' پر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی اور بتایا کہ ''اس طرح کہتے ہیں سخنور سہرا'' بعد ازاں ذوق کے استاد شاہ نصیر کی کلیات کی تدوین کی کلام ذوق مرتب کیا ''رسالہ تذکرات کی ترتیب 'تاریخ محمودی'، 'صحیفۃ الابرار' (شاہ عبدالرزاق علوی کی تصنیف خیر البیان کا ترجمہ) 'رسالہ صاحبیہ'، 'اردو میں بارہ ماسہ کی روایت'، 'اردو تذکروں کی تنقیدی تاریخ'، 'ترجمہ مجمع البحرین'، 'مکتوبات عالیہ انتخاب دواوین'، 'اوراقِ معانی' (غالب کے فارسی خطوط کے اردو ترجمہ) 'ارمغانِ غالب'، 'سفرناموں میں دہلی' ہماری تاریخی یادگاریں' دہلی میں آزادی کے بعد اردو تحقیق' سفرنامہ حیدرآباد اور لاہور۔ کالی داس کے میگھ دوت اور ابد ہمان (عبدالرحمان) کے اَپ بھرنش سندیش راسک کا اردو ترجمہ' کلاسیکی اردو شاعری روایتی ادارے کردار اور علامتیں' جنوب مغربی ایشیا میں ہماری تہذیبی میراث اور شعری مجموعہ 'لمحوں کی خوشبو' وغیرہ علاوہ ازیں ان کی معروف کتاب 'اصول تحقیق و ترتیب متن' اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے اس سے پیشتر مبادیات تحقیق پر ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی اور متنی تنقید پر ڈاکٹر خلیق انجم کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں اس کے باوصف اصولِ تحقیق اور تدوین متن پر یہ کتاب اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ یونیورسٹیز میں نئے ریسرچرز کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ 'صحیفہ ابرار' کے مقدمے میں تصوف کے مسائل اور تاریخ سے بحث علوی صاحب کی تصوف پر گہری نظر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں ان دونوں کتابوں نے اردو کی علمی و ادبی دنیا سے نہ صرف متعارف کرایا بلکہ بحیثیت محقق ان کے مقام و مرتبے کا بھی تعین کیا۔

علوی صاحب اردو، فارسی عربی ہندی اور پنجابی پر قدرت رکھتے تھے۔ انگریزی اور سنسکرت سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنے شاگردوں کو تلقین کرتے تھے کہ جہاں وہ اردو فارسی اور انگریزی پڑھتے ہیں۔ ہندی یا سنسکرت ادبیات کا بھی مطالعہ کریں اور یہ زبانیں سیکھیں۔ انھوں نے اَن گنت طلبہ کی ذہنی تربیت کی کتابوں سے محبت اور مطالعہ کا شوق پیدا کیا۔ فرائض منصبی سے سبکدوش ہونے پر بھی وہ علمی ادبی اور تحقیقی کاموں میں طلبہ کی مسلسل و متواتر رہنمائی کرتے رہے۔ کالج اور یونیورسٹی (دہلی یونیورسٹی کے علاوہ دیگر یونیورسٹیاں بھی) کی طالبات بالخصوص ان کے یہاں حاضری دیتیں اور اپنے مسائل اور الجھنوں پر مشورہ کرتیں۔ بعض حضرات حسد و رشک کی نظر سے دیکھتے جذبۂ رقابت کا بھی احساس ہوا۔ کچھ چہ میگوئیاں ہوتیں اس سب کے باوجود علوی صاحب ہمیشہ 'خدمت خلق' میں مصروف رہے، مضامین کی اصلاح کرتے۔ تحقیقی مقالوں کی نوک پلک درست کرتے، مطالعے کے لیے کتب و جرائد کی نشاندہی کرتے دن کا بڑا حصہ انھیں کاموں میں گزرتا۔ تنویر صاحب کے ہاتھ میں رعشہ تھا۔ لکھتے وقت ہاتھ کانپنے لگتا۔ وہ گھر پر آنے والی طالبات سے اپنے مسودے نقل کراتے جرائد اور سیمینار کے لیے مضامین املا کراتے۔ ایک بار طالبات کے تعلق سے گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا ''میرے نادان دوست کیا کچھ کہتے ہیں مجھے سب علم ہے خدا نے مجھے بھی آنکھ، ناک کان عطا کیے ہیں میں انھیں بدخواہ نہیں سمجھتا۔ وہ میرے خانگی معاملات سے واقف ہی نہیں میرے دو بیٹے ہیں پہلے پڑھتے تھے اب پڑھ لکھ کر دوسرے شہروں میں آباد ہیں کوئی بیٹی نہیں اب یہی ہماری بیٹیاں ہیں۔ راقم الحروف اسکول کالج اور یونیورسٹی کی نصابی کمیٹیوں میں شریک ہوتا رہا ہے۔ این سی ای آر ٹی، ایس سی ای آر ٹی، اندرا گاندھی اوپن اسکول کی ورکشاپ میں شرکت کی ہے۔ وہاں تنویر صاحب کی تربیت یافتہ اسکول ٹیچر بھی آئیں اردو نصاب سے متعلق معقول گفتگو کی۔ اچھے مشورے دیے اور جن خیالات کا اظہار کیا اس سے ان کی لیاقت اور ذہانت کا صاف پتہ چلتا تھا۔ وہ برملا کہتیں علوی صاحب، ہمارے استاد ہیں ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ علوی صاحب ہی کی وجہ سے ہم سروس میں آئے ہمارے بچے اچھے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں...

علوی صاحب نے نثر ہی نہیں لکھی اردو و فارسی میں شاعری بھی کی۔ 'لمحوں کی خوشبو' ان کا مجموعہ کلام ہے۔ لیکن کسی مشاعرے میں انھیں کلام پڑھتے نہیں دیکھا گیا۔ اشاعت کے لیے بھی کلام نہیں بھیجتے تھے۔ پروفیسر امیر عارفی (مرحوم) کی ڈائری میں علوی صاحب کے آٹوگراف کے ساتھ یہ اشعار تحریر تھے:

کچھ عجب حالت ہے راہِ منزلِ مقصود کی
جتنا جتنا میں بڑھا میرا سفر بڑھتا گیا
چلتے رہیے کہ یہاں دھوپ کھڑی ہے سر پر
دور تک دشتِ وفا میں کوئی سایہ بھی نہیں
ہم نے دریا کو کناروں کی طرح چھوڑ دیا
اور دیکھو تو کوئی ہم سا پیاسا بھی نہیں

امیر عارفی صاحب ہی سے سنا کہ قلوپطرہ، زلیخا اور سالومی، رقاصہ، آئن سٹائن اور لمحوں کی خوشبو تنویر صاحب کی ایسی نظمیں ہیں جن میں جذبے کی صداقت اور احساس و ادراک کی شدت ہے اور یہ کہ لڑکپن ہی سے وہ شعر کہتے تھے اور نثر سے پہلے ان کی شعری تخلیق شائع ہوئی تھی۔

علوی صاحب کے دادا حافظ الٰہی بخش اور پر دادا زمیندار تھے۔ والد کیرانہ کے معروف طبیب، اچھی خاصی جائداد تھی۔ علوی صاحب سے بڑے ایک بھائی تو صیف احمد علوی بھی دارالعلوم دیوبند سے فارغ اور اسلامیہ اسکول کیرانہ میں ہیڈ ماسٹر تھے وہ بھی اخبارات میں سیاسی سماجی اور مذہبی موضوعات پر مضامین لکھتے تھے۔ 23 جنوری 1993 کو دلی میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک بڑی بہن تھیں وہ بھی بہت پہلے اللہ کو پیاری ہوئیں۔ بڑے بھائی کی

سات بیٹیاں اور ایک بیٹا جاوید اقبال علوی ہیں۔ جاوید اور ان کی چار چھوٹی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت میں چچا ہونے کا حق ادا کیا۔ جاوید دلی کالج میں پرنسپل کے پی اے رہے۔ چند سال قبل ریٹائر ہوئے۔ علوی صاحب کی ایما پر ایک بھتیجی نے سنسکرت میں ایم اے کیا۔ جاوید علوی بتاتے ہیں کہ جب سے چچا (علوی صاحب) دلی میں آکر (1960) رہے کیرانہ سے ہمارے عزیز ان کے یہاں قیام کرتے۔ علوی صاحب ان کی کفالت کرتے اور جب وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوجاتے تو پھر یہاں سے جاتے چند سال پہلے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آج دلی میں کیرانہ کے جتنے بھی لوگ ہیں ان کی زندگی میں علوی صاحب نے کوئی نہ کوئی رول ادا کیا ہے۔ علوی صاحب کو اپنے بڑے بھائی سے بہت محبت تھی اور ان کا ہر طرح خیال رکھتے بڑے بھائی ہونے کے علاوہ وہ ان کے ہم زلف بھی تھے۔ علوی صاحب کی اہلیہ کی بڑی بہن توصیف صاحب کی بیوی تھیں تنویر صاحب کے بڑے بیٹے نوید اقبال علوی شاہ جہاں پور کے ایک کالج میں پڑھاتے ہیں اور چھوٹے بیٹے نشید اقبال علوی بھوپال میں سینٹرل واٹر کمیشن میں ملازم ہیں۔ 15 جون 2009 کو تنویر صاحب کی اہلیہ نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔

یہ غالباً 1990 کی بات ہے۔ میں نئی سڑک کی ایک دوکان پر فرشی دری دیکھ رہا تھا (چاندنی چوک سے جب نئی سڑک میں داخل ہوا تو دائیں بائیں دری، کمبل اور کپڑے والوں کی بڑی بڑی دوکانیں ہیں اور پھر ان سے آگے بڑشاہ بولا تک کتب فروش اور اسٹیشنری والے ہیں، عقب سے ایک مانوس آواز آئی لڑکے! کیا دیکھ رہا ہے۔ پلٹ کر دیکھا تو تنویر علوی صاحب اور ان کے ہمراہ ڈاکٹر شریف احمد کھڑے مسکرا رہے تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ تنویر صاحب کمبل خریدنے آئے ہیں دوکاندار نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ ''وہ دیکھیے سامنے ایک بڑا پھاٹک ہے اس کے بالاخانے پر کمبل والوں کی دوکانیں ہیں وہاں اچھے کمبل مل جائیں گے۔''

''مری جان خوب کہا بالا خانہ — اس لفظ کو سننے کے لیے کان ترس گئے تھے۔ سرِ شام جی خوش کردیا۔ خدا تمھیں خوش رکھے۔ تنویر صاحب نے دوکاندار کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ تنویر صاحب کی عادت تھی کہ وہ جب مخاطب کی بات سے خوش ہوتے تو مری جان کہتے اور کبھی کبھی طنزاً بھی ... ''شکریہ میاں صاحب، ہم دلی والے ہیں کسی گاؤں گوٹ سے نہیں آئے۔ اس دلی میں پشتیں گزر گئیں ہمارے دادا تو فارسی بھی پڑھتے تھے'' دوکاندار نے شائستگی کے ساتھ مہذب لہجے میں کہا۔ سڑک پار کرتے ہوئے مذکورہ پھاٹک میں داخل ہوتے سامنے ایک وسیع صحن تھا صحن کے اطراف میں دوکانیں اور گودام علوی صاحب کی رگِ تحقیق پھڑکی، کسی رئیس کی حویلی ہے، واقعاتِ دارالحکومت میں یقیناً اس کا ذکر ہوگا۔ بالاخانے میں جانے کے لیے دائیں بائیں زینے تھے۔ دائیں جانب کے زینے سے اوپر پہنچے تو وہاں کمبل فروشوں کی کئی دوکانیں نظر آئیں۔ ایک دوکان میں پہنچ کر کمبل دیکھے دوکاندار نے گہرے رنگوں والے کئی کمبل سامنے ڈالا ہے۔ ''ارے بھائی ذرا کھلتے ہوئے رنگ دکھائیں کنول کے پھول جیسے آنکھوں کو بھلے لگنے والے، ایک سیلز مین اُٹھا اور الماری سے پستئی رنگ کا کمبل لایا جس پر عنابی رنگ کا چارخانہ تھا۔ 'جیو مری جان' تنویر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ شریف صاحب زیرلب مسکرائے۔ تنویر صاحب نے وہی کمبل خرید لیا۔ دوکاندار اخبار میں کمبل لپیٹ رہا تھا۔ تنویر صاحب نے منع کیا یوں ہی دے دیں۔ دوکاندار نے کمبل سُتلی سے باندھ کر پیش کیا۔ زینے سے اترتے وقت دیکھا کمبل وزنی ہے اور تنویر صاحب لڑکھڑا رہے ہیں۔ اُن سے کمبل لینا چاہا۔ ''نہیں لڑکے نہیں۔'' اچھا ''آپ مجھے دے دیں'' شریف صاحب کو بھی کمبل نہ دے کر اُسے کسی بچے کی طرح سینے سے لگالیا۔ بھئی شریف یہ میرے بھائی کے لیے ہے اسے میں ہی لے کر چلوں گا۔ اتنا کہہ کر وہ دایاں ہاتھ اُس کمبل پر پھیرتے رہے۔ جب رکشے میں بیٹھے تو سیٹ پر جگہ ہونے کے باوجود اُسے اپنی گود میں رکھا۔ اس ایک واقعہ نے بتا دیا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔

تنویر صاحب کی عادت تھی کہ وہ اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کو لڑکے، لڑکی کہہ کر مخاطب کرتے، نام نہیں لیتے تھے۔

گرمی کے موسم میں تنویر صاحب کا معمول تھا کہ وہ دھوپ ڈھلتے ہی نہاتے۔ کریم رنگ کا کرتا اور سفید چوڑے پائنچے والا پاجامے میں ملبوس ایک ہاتھ میں عموماً سرخ رنگ کا رومال اور اس میں روپے پیسے بندھے ہوئے خلیق منزل (چوڑی والان) سے باہر آئے اور ٹہلتے ہوئے بازار چتلی قبر کے ایک عطر فروش کی دوکان پر پہنچتے۔ عطر فروش انھیں دیکھتے ہی روئی کا ایک پھایا عطر میں تر کرتا اور سرکنڈے کی پتلی سلائی پر لپیٹ کر دیتا۔ اس پھائے کی قیمت ادا کرکے دائیں ہاتھ میں سلائی لے کر سونگھتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ واپس چوڑی والان آتے۔ گھر سے قریب ایک پان والے کی دوکان پر ٹھہرتے۔ اس سے کنچے والی لیمن کی بوتل لے کر گھونٹ گھونٹ پیتے اور ساتھ ہی عطر کی خوشبو سے محظوظ بھی ہوتے۔ علاقے کے پیشتر حضرات علوی صاحب کی اس ادا سے واقف تھے لیکن اجنبی، راہگیر دیکھ کر چونکتے اور مسکراتے لیکن تنویر صاحب اس سب سے بے نیاز اپنے عمل میں مصروف۔ ان آنکھوں نے یہ منظر کئی بار دیکھا۔ ایک بار دریافت کیا ''آپ کے یہاں عطردان ہے؟'' ارے لڑکے قنوج کا عطردان ہے۔ طرح طرح کے عطر ہیں۔ لیکن جب جب یہ پھویا لے کر چلتا ہوں تو خود کو شہنشاہ جہانگیر سے کم نہیں سمجھتا۔ لڑکے تو نے تاریخ پڑھی ہے۔ ... جہانگیر کو عطریات سے عشق تھا نور جہاں نے اسی کے لیے عرقِ گلاب اور عطر گلاب ایجاد کیا تھا۔ جب خراماں خراماں معطر معطر گھر میں داخل ہوتا ہوں تو جی چاہتا ہے شعر کہوں کچھ لکھنے بیٹھ جاؤں۔ خوشبو سے دماغ تر و تازہ ہوتا ہے۔ یاد رکھ لکھنے پڑھنے سے پہلے اچھی قسم کا عطر سونگھ، پھر دیکھ کس طرح چودہ طبق روشن ہوتے ہیں! ایسی اَن گنت باتیں ہیں جو اُن ہی میں نظر آئیں کہیں اور نہیں دیکھیں۔

ان کی رحلت کے چند روز بعد جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو بار بار خیال آتا ہے کہ اگر وہ استاد نہ ہوکر طبیب ہوتے تو کیا 'طبیب کامل' اور طبیب حاذق کہلاتے۔ وہ پروفیسر کے عہدے تک نہ پہنچ سکے۔ ان کے سامنے جو طفلِ مکتب تھے وہ دوڑتے پھاندتے اُس 'منصب' تک پہنچ گئے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہوش گوش والے خود اپنے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں۔ علوی صاحب نے کبھی جوڑ توڑ سے کام لیا نہ یونیورسٹی کی سیاست میں دخل دیا۔ محلاتی سازشوں سے بھی دور رہے۔ وہ علم کا وقار تھے۔ وہ پروفیسرانہ شان کے ساتھ جیے جتنی سچی لگن سے علم حاصل کیا اتنی ہی فراخ دلی سے یہ دولت لٹائی۔ کبھی کسی بات کا شکوہ نہیں، کسی کے بدخواہ نہیں، اپنے علم کا ڈھنڈورہ نہیں پیٹا۔ دوسروں کی صلاحیتوں کا بھری محفل میں اعتراف کیا۔ ایک بار خود ہی کہا تھا کہ ''شاید خدا نے مجھے حصولِ علم ہی کے لیے پیدا کیا تھا۔ معلّمی روزی روٹی کا ذریعہ بنی۔ یہ پیشہ میرے ذوق و شوق کے عین مطابق تھا۔ کتنے لوگ ہیں جو اپنے من پسند کام کرپاتے ہیں۔ مجھے زندگی بھر پڑھنا ہے اور پڑھانا بھی ...'' اور ہوا بھی یہی ان کے بھتیجے جاوید علوی بتاتے ہیں کہ سال دو سال سے وہ نام، چہرے اور رشتے سب بھول گئے تھے۔ بس میرا اور ایک بہن کا نام یاد تھا لیکن جب کوئی علمی ادبی گفتگو کرتا تو حسبِ سابق گفتگو کرتے۔ سننے والا دنگ رہ جاتا کہ ان کا ذہن آج بھی کس قدر براق ہے۔ ہمیشہ کی طرح علم کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ وہ واقعی 'بحر العلوم' تھے!

■

Mohd Firoz Dehlavi,1730, Kucha Dakhni Rai, Darya Ganj, New Delhi - 110002

سہیل انجم

قومی اردو کونسل کے بڑھتے قدم

نئے راستے نئی منزلیں

'قومی اردو کونسل' کو اس مرتبہ 'اردو دنیا' کی کور اسٹوری کا موضوع بنانے کا مقصد خود ایسے ادارے کی تعریف و توصیف کرنا ہرگز نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ 'اردو کونسل' پر کور اسٹوری تیار کرنے سے پہلے ہم کافی جھجک رہے تھے۔ تاہم جب غور کیا تو پایا کہ 'اردو کونسل' پر کور اسٹوری اتنی ہی ضروری ہے جتنی ہندوستانی آئین اور مہاتما گاندھی کے ساتھ اردو کو وابستہ کرکے شائع کی گئی گزشتہ شماروں کی کور اسٹوریز تھیں۔ اس فیصلے کی دو خاص وجوہ ہیں۔ پہلی یہ کہ 'اردو کونسل' ملک کا سب سے بڑا سرکاری اردو ادارہ ہے۔ اس ادارے نے حالیہ برسوں میں جو کام اردو زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں سرانجام دیے ہیں ان کا بیان ایک ساتھ ہوجائے۔ دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ اردو کا سب سے بڑا ادارہ ہونے کے باوجود 'اردو کونسل' کے تنظیمی ڈھانچے دائرۂ کار اس کی اسکیموں، پراجیکٹوں، اور اہم سرگرمیوں کے بارے میں عام اردو والے بہت کم جانتے ہیں۔ کونسل کا قیام کب ہوا، ترقی اردو بیورو کب تشکیل دیا گیا تھا اور اس سے بھی پہلے ترقی اردو بورڈ کن حالات میں قائم کیا گیا یہ سب کل ملا کر دوچار برس کی بات نہیں چوالیس سال کا قصہ ہے۔ اردو زبان کے فروغ کی یہ داستان سنانے کا بڑا مقصد اردو والوں کو 'اردو کونسل' کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کرنا اور یہ ترغیب دلانا ہے کہ کونسل کے ساتھ دست تعاون دراز کرکے وہ اردو زبان کو مزید بلندیوں اور وسعتوں سے ہم کنار کرسکتے ہیں۔ ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ زیرنظر کور اسٹوری کو اسی جذبے سے پڑھا جائے گا (ادارہ)

قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان اردو کی ترویج وترقی کے تعلق سے ملک کا سب سے بڑا سرکاری ادارہ ہے۔ اسی لیے اردو والے سب سے زیادہ اسی سے توقعات رکھتے ہیں۔ یہ ادارہ مختلف نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہے۔ اس کی مجموعی اردو خدمات قابل ذکر ہیں اور اب تو اس کی خدمات اور کارکردگی کا دائرہ کافی وسیع ہو چکا ہے۔ اس کے بجٹ میں بھی حکومت نے خاصا اضافہ کردیا ہے۔ پہلے اس کا سالانہ بجٹ 28 کروڑ روپے تھا جواب بڑھ کر 45 کروڑ روپے ہوگیا ہے۔ حکومت کا یہ قدم اردو کے تعلق سے اس کی دلچسپی اور خلوص کا مظہر ہے۔ انسانی وسائل کی ترقی کے سابق وزیر کپل سبل اور موجودہ وزیر ایم ایم پلم راجو اور وزیر ریاستی جتن پرساد کی کوششیں اس بات کی گواہ ہیں کہ حکومت اردو زبان کے فروغ کے بارے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کرنا نہیں چاہتی۔

انسانی وسائل کی ترقی کے کابینی وزیر ایم ایم پلم راجو اور وزیر مملکت جتن پرساد اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں کافی سنجیدہ ہیں اور دونوں وزرا نے اس بارے میں جس دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ انھوں نے کونسل کے ذمہ داروں سے کہا ہے کہ وہ اردو کے فروغ کے بارے میں جو بھی ضروری سمجھیں حکومت کی طرف سے ان کو پورا تعاون حاصل ہوگا۔ جتن پرساد نے کونسل کے زیر اہتمام لکھنؤ میں لگائی جانے والی کتابوں کی نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے اردو کے حوالے سے بڑی مثبت باتیں کہی تھیں۔ انھوں نے اہل اردو سے یہ وعدہ کیا ہے کہ حکومت اردو کی ترویج واشاعت میں کوئی کمی نہیں چھوڑے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ کونسل کے ذمہ داران جو بھی پروجکٹ اور اسکیم اردو کے فروغ کے لیے چاہیں گے حکومت ہر طرح سے مدد کرے گی اور اس بارے میں وسائل کی کمی نہیں ہونے دے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے اگر اتنی حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو کونسل اتنے کارہائے نمایاں انجام نہیں دے پاتی۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس وقت اردو کونسل کو ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کی شکل میں ایک انتہائی فعال، متحرک اور دیدہ ور ڈائرکٹر مل گیا ہے۔ وہ آسمانِ علم وادب سے تارے توڑ کر اردو کی زلفِ گرہ گیر میں ٹانک دینے کا جذبہ اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر وسیم بریلوی اس کے وائس چیئرمین ہیں جو اردو زبان کی توسیع واشاعت کے حوالے سے ہر ممکن تعاون دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین نے

14اپریل 2012 کو ڈائرکٹر کا عہدہ سنبھالا ہے اور اس کے بعد انھوں نے کونسل کے ارکان کے تعاون سے جو فیصلے کیے ہیں اور اس ایک سالہ مدت میں جن پروجکٹوں اور منصوبوں پر عمل درآمد شروع ہوا ہے وہ کونسل کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ اگر ہم کونسل کی اردو خدمات کا تفصیلی جائزہ لینا چاہیں تو اس کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہوں گے۔ البتہ ایک سالہ مدت کے دوران جو اہم فیصلے کیے گئے ہیں اور جن پر عمل ہورہا ہے اس کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

موجودہ عہد انفارمیشن ٹیکنالوجی کا عہد ہے اور اس عہد میں کسی بھی شعبے کی ترقی آئی ٹی انقلاب کی ترقی سے مشروط ہے۔ جس نے اس ذریعے سے استفادہ کیا اور اس Tool سے فائدہ اٹھایا وہ ترقی کی دوڑ میں کسی سے بھی پیچھے نہیں رہ سکتا۔ خواجہ محمد اکرام الدین آئی ٹی انقلاب کے تمام تر نشیب وفراز سے روشناس ہیں اور اس راز سے بھی واقف ہیں کہ ترقیات زمانہ کے قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھنا ہے تو جدید ٹیکنالوجی کے تمام تر تقاضوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ سابق ڈائرکٹر حمید اللہ بھٹ نے اردو زبان کے متعدد شعبوں کو آئی ٹی انقلاب سے جوڑنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اسے نئے ڈائرکٹر نے بہت آگے تک بڑھادیا ہے۔

اس سے قبل کونسل ڈیجیٹل دنیا میں اتنی فعال نہیں تھی جتنی کہ اب ہے۔ موجودہ ڈائرکٹر نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور چارج لینے کے دو ماہ کی قلیل مدت میں ہی انھوں نے کونسل کی ویب سائٹ کو انتہائی معیاری اور دیدہ زیب بنا دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ڈیجیٹل لائبریری کو حقیقی معنوں میں لائبریری کی شکل دے دی۔ اردو کونسل OCR یعنی Optical Character Recognition پر بھی کام کررہی ہے جس کی مدد سے پی ڈی ایف فائل کو ٹیکسٹ میں منتقل کرنا ممکن ہوجائے گا۔ جس دن اس میں کامیابی ملی وہ دن اردو کے لیے ایک تاریخی دن ہوگا کیونکہ مخطوطات کی بڑی تعداد کو ٹیکسٹ میں تبدیل کرنا ممکن ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ کونسل نے اپنی بارہ سو سے زیادہ کتابیں کمپیوٹر پر ڈال دی ہیں۔ اب کوئی بھی شخص ان کتابوں کا گھر بیٹھے مطالعہ کرسکتا ہے۔

کونسل نے کمپیوٹر کی مدد سے اردو سکھانے کے لیے اردو لرننگ کے شعبے میں پیش رفت کی ہے اور آن لائن لرننگ سائٹ بنائی ہے جس کے توسط سے از خود اردو سیکھی جاسکتی ہے۔ اس میں کسی استاد کی ضرورت نہیں پڑے گی بس کمپیوٹر چلانا آنا چاہیے۔ کوئی بھی شخص کونسل کی اردو لرننگ سائٹ پر جاکر اردو سیکھ سکتا ہے۔ یہ ایک اہم اور بنیادی کام ہے جو کونسل نے کیا ہے۔ آن لائن اردو کورس

انسانی وسائل کی ترقی کے کابینی وزیر ایم ایم پلم راجو اور وزیر مملکت جتن پرساد اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں کافی سنجیدہ ھیں اور دونوں وزرا نے اس بارے میں جس دلچسپی کا مظاھرہ کیا ھے وہ قابل تعریف ھے۔ انھوں نے کونسل کے ذمہ داروں سے کھا ھے کہ وہ اردو کے فروغ کے بارے میں جو بھی ضروری سمجھیں حکومت کی طرف سے ان کو پورا تعاون حاصل ھوگا۔

اور ڈیجیٹل کمپیوٹر لرننگ پروگرام کافی مقبول ہورہے ہیں۔ اول الذکر پروگرام جو اردو سیکھنے کے لیے ہے کونسل نے CIIL میسور کے اشتراک سے تیار کیا ہے۔ اس پروگرام کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے ذریعے اردو رسم الخط کی پیچیدگیوں کو سمجھا اور حل کیا جاسکتا ہے۔ یہ نہ صرف ابجدی اردو کو Illustrate کرتا ہے بلکہ طلبہ کو بھی اس کی مشق کی دعوت دیتا ہے۔ کل پانچ ابواب پر مشتمل یہ پروگرام اردو لکھنے پڑھنے سے لے کر گفتگو کے آداب تک کی تدریس کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے اور آن لائن کمپیوٹر لرننگ پروگرام سے گھر بیٹھے اردو زبان میں کمپیوٹر کی بنیادی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔

اردو اور روزگار کا مسئلہ اور اردو میڈیم سے تکنیکی تعلیم کا حصول اہل اردو کے لیے ہمیشہ پریشان کن مسئلے رہے ہیں۔ لیکن متعلقہ وزارت کے ذریعے اس سلسلے میں کیے جانے والے انقلابی اقدامات کی وجہ سے اس سمت میں خاصی پیش رفت ہورہی ہے۔ اس بارے میں ایسی پالیسیاں ترتیب دی گئی ہیں جن کی مدد سے اردو طلبہ کی بڑی تعداد اردو میڈیم سے تکنیکی تعلیم حاصل کرکے روزگار پاسکتی ہے۔ اس بارے میں اردو کونسل نے ایک بڑا پروجکٹ شروع کیا ہے۔ وہ آئی ٹی آئی یعنی انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے پیشہ ورانہ کورسز کی کتابیں مہیا کرانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ آئی ٹی آئی کے اسکول پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور مسلم اکثریتی علاقوں میں بھی ان کی بڑی تعداد ہے۔ چونکہ اردو طلبہ انگریزی سے اتنے واقف نہیں ہوتے کہ وہ انگریزی کی مدد سے آئی ٹی آئی کرسکیں اس لیے کونسل نے آئی ٹی آئی کی نصابی کتابوں کے اردو ترجمہ کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اس بارے میں متعلقہ پینل کی میٹنگ نے آئی ٹی آئی کی 18 ٹریڈس (Trades) کا انتخاب کیا اور اس سے متعلق کتابوں کے ترجمے کی ذمے داری یونیورسٹی پولی ٹیکنک علیگڑھ کو دی۔ اس پروجکٹ کے تحت آئی ٹی آئی کی 52 کتابوں کا ترجمہ کرایا گیا، جن میں سے 41 مسودے ہر لحاظ سے مکمل ہوچکے ہیں۔

اہل اردو کو تکنیکی تعلیم میں آگے بڑھانے کی ضرورت کو بھی اردو کونسل نے ہمیشہ محسوس کیا ہے۔ اسی لیے اس نے پورے ملک میں تقریباً چار سو پچیس (425) کمپیوٹر سینٹر قائم کیے ہیں جن کے ذریعے اردو طلبہ کو تکنیکی تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔ کونسل اب تک اپنی CABA-MDTP کمپیوٹر اسکیم کے تحت ان مراکز کو دس سال سے مالی تعاون فراہم کرتی آئی ہے۔ دس برسوں کے بعد پالیسی کے تحت اساتذہ کی مالی امداد بند کردی جاتی ہے کیونکہ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ دس برسوں میں وہ خود کفیل ہوجائیں گے۔ لیکن مدارس، اردو اکادمی اور خواتین کے مراکز کی مالی امداد جاری رکھنے کے حوالے سے غور وخوض کیا جارہا ہے۔

اردو کو روزگار سے جوڑنے کے لیے کونسل نے کئی انقلابی فیصلے کیے ہیں۔ ان میں ایک اہم قدم کشمیر یونیورسٹی کے ساتھ سیاحت سے متعلق معاہدہ ہے۔ سیاحت چونکہ کشمیری معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے اس لیے کونسل نے اس جانب بہت اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس نے اردو میڈیم سے ٹورزم اینڈ ٹریول مینجمنٹ میں ایک سال کا ڈپلومہ شروع کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جبکہ چھ ماہ کا ایک سرٹیفکٹ کورس پیپر میشی کی صنعت کے لیے شروع کیا جائے گا۔ یہ کشمیر کی ایک قدیم صنعت ہے جس میں کاغذ کو گلا کر بہت سی خوبصورت اشیا تیار کی جاتی ہیں جو ڈرائنگ روم وغیرہ کی آرائش میں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ صنعت بنیادی طور پر ایران کی ثقافت کا ایک اہم حصہ ہے اور چونکہ کشمیر میں ایرانی سیاح بھی بہت آتے ہیں اس لیے کونسل نے اس مرتی ہوئی صنعت کو فروغ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کورس جون یا جولائی سے شروع کردیا جائے گا۔

ماس میڈیا میں اردو کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اس سلسلے میں کونسل نے اردو میں Creative Writing کے لیے ایک سال کا ڈپلومہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ ترجمہ کے

کونسل کے مالیر کوٹلہ سنٹر میں اردو طلبہ کی کلاس کا منظر

کونسل کے اسٹڈی سنٹر میں تقسیم اسناد کا ایک منظر

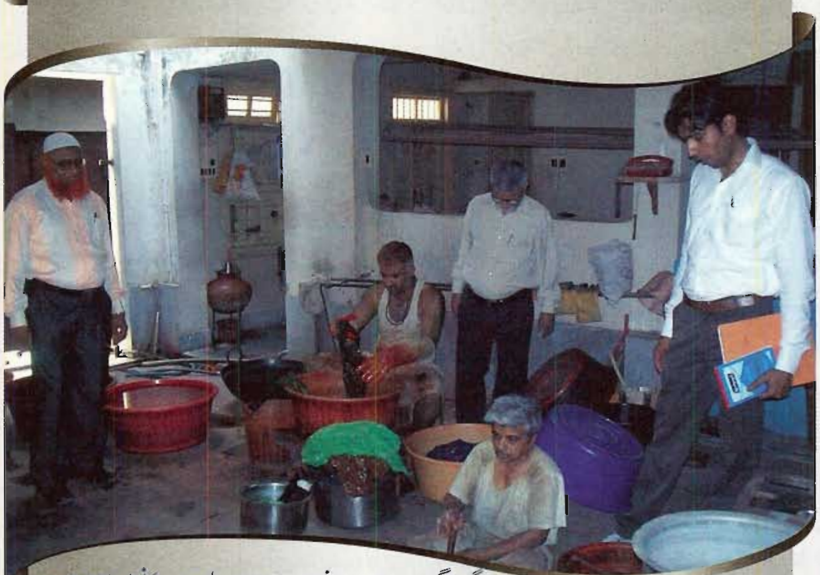
جام نگر (گجرات) میں باندنی صنعت کا جائزہ لیتے ہوئے کونسل کے کارکنان

شعبے میں بھی ڈپلومہ کورس شروع کیا جارہا ہے۔ براس ویئر یعنی پیتل کی صنعت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کو زندہ کرنے اور اقلیتوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ جوڑنے کے لیے ایک سالہ ووکیشنل کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس کا آغاز مرادآباد سے کیا جائے گا۔ وہاں چونکہ بیشتر لوگ قدیم تکنیک کی مدد سے اپنا کام کررہے ہیں اس لیے کونسل نے اس صنعت کو جدید ٹیکنالوجی سے جوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ خورجہ میں چینی کے برتنوں کی صنعت ہے۔ اس کو بھی جدید تکنالوجی سے جوڑنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جس کے تحت چھ ماہ کا ایک کورس شروع کیا جائے گا۔ زری اور زردوزی کے کام میں بھی بیشتر اقلیتی طبقہ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک سرٹیفکٹ کورس شروع کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ اس کا آغاز بریلی سے ہوگا۔ اس کے بعد دہلی، لکھنؤ اور دیگر مراکز میں اسے شروع کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ان کورسیز کو اردو کے ساتھ جوڑ کر چلایا جائے گا۔ گویا بیک وقت دو طرح کے کام کیے جائیں گے۔ جو اردو جانتے ہیں ان کو اس میدان میں مزید آگے بڑھانے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ تمام پیشہ ورانہ کورسز اقلیتی طبقے کو ذہن میں رکھ کر تیار کیے گئے ہیں۔ یہ پروجکٹ 14-2013 کے لیے ہیں۔

اردو ادب کے تعلق سے کونسل کی گراں قدر خدمات ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے تاریخ ادب اردو کو جامع انداز میں تحقیق کے تناظر میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے شعرا و ادبا پر جن کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں مونوگراف شائع کیے جارہے ہیں۔ کونسل نے گزشتہ تین سو برسوں کے دوران شائع ہونے والی اہم کتابوں کی اشاعتِ نو کا فیصلہ کیا ہے۔ اس پروجکٹ پر کام ہورہا ہے۔ کونسل نے اردو زبان و ادب کے نایاب آڈیو ویڈیو ریکارڈوں کے تحفظ کے سلسلے میں بھی ایک مثبت قدم اٹھایا ہے اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ خواجہ محمد اکرام الدین کے مطابق کونسل جلد ہی ایک ڈیجیٹل ڈاکومنٹیشن لائبریری قائم کرے گی جس میں نایاب ویڈیو اور آڈیو کو جدید طریقے سے محفوظ کیا جائے گا تاکہ آئندہ کی اردو نسل اپنے پسندیدہ قدیم و جدید شعرا اور ادبا کے خطابات اور دیگر موضوعات کے کلاسیکی سرمایے سے استفادہ کرسکے۔

قومی اردو کونسل وزارت برائے مواصلات اور اطلاعاتی ٹکنالوجی کے ساتھ ایک اہم معاہدے پر کام کر رہی ہے جس کے تحت اردو کو الیکٹرانک ہارڈ ویئر سے مربوط کیا جائے گا۔ اس بارے میں کونسل اشتراک کرے

گی اور اس کا سارا صرفہ متعلقہ وزارت برداشت کرے گی۔ وزیر برائے مواصلات واطلاعاتی ٹکنالوجی کپل سبل نے اس حوالے سے بے حد مثبت ردعمل کا اظہار کیا ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ اس بارے میں کوئی دشواری نہیں آنے دی جائے گی۔ اس کے تحت اردو بولنے والے علاقوں میں الیکٹرانک ہارڈ ویئر اور توانائی کی اہلیت سے متعلق ڈپلومہ کورس شروع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اردو علاقوں میں اردو زبان میں تعلیم دینے کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

فارسی اور عربی کے حوالے سے بھی کونسل کی کارکردگی قابل ذکر ہے۔ اردو اور فارسی زبان کے مابین اشتراک سے متعلق فیصلے کافی اہم ہیں۔ اس بارے میں جنوری میں کونسل کے دفتر میں کونسل کے ذمے داروں اور نئی دہلی میں واقع ایران کلچرل ہاؤس کے اہلکاروں کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا۔ دراصل مرکزی حکومت نے کونسل کو اردو زبان کی ہمہ جہت ترقی کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی زبانوں کو فروغ دینے کی اضافی ذمے داری بھی تفویض کر رکھی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں زبانوں کے درمیان جو گہرے تہذیبی رشتے رہے ہیں اور جواب کمزور پڑتے جا رہے ہیں ان کا احیا کیا جائے۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا ہے کہ اردو کونسل مستقبل قریب میں اردو عربی ڈپلومہ کے طرز پر ایک سالہ فارسی سرٹیفکٹ کورس کا آغاز کرے گی۔ اس سلسلے میں نصابی متون کو آخری شکل دینے کے لیے ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا جائے گا۔ اس ورکشاپ میں ہندوستانی دانشوروں کے ساتھ ساتھ ایرانی دانشوروں کو بھی مدعو کیا جائے گا۔

کونسل نے ایک بائی لنگوئیل یعنی ذولسانی پینل تشکیل دیا ہے۔ اس کے تحت ہندی اردو کے مشترکہ ادب کو باہمی زبانوں میں منتقل کیا جائے گا۔ ہندی کے کلاسیکی اور ہمعصر اعلیٰ تحقیقی، تنقیدی و تخلیقی ادب کے تراجم اردو میں کرائے جائیں گے اور اسی طرح اردو کے کلاسیکی اور ہمعصر ادب کو ہندی میں ترجمہ کرانے کے لیے ہندی کے اداروں سے رابطہ کیا جائے گا۔ تاکہ وہ اردو کی تصنیفات کو ہندی میں منتقل کریں اور شائع کریں۔ اس قدم سے دونوں زبانوں کا آپس میں رابطہ بڑھے گا اور ان کے لسانی وادبی رشتے مضبوط ہوں گے۔ بچوں کے ادب کے سلسلے میں بھی ایک پینل بنایا گیا ہے۔ چونکہ بچوں کے ادب پر اردو میں کم کام ہوا ہے اس لیے کونسل عہد حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں بچوں کے ادب کو فروغ دینے کی کوشش کرے گی۔ ساتھ ہی کونسل نے تخلیقی ادب کے حوالے سے بھی ایک نیا پینل بنایا ہے تاکہ تخلیقی ادب نظرانداز نہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ قومی اردو کونسل ایران کلچرل ہاؤس کے تعاون و اشتراک سے فن خطاطی سے متعلق ایک ورکشاپ منعقد کرے گی جس میں کونسل کے کیلی گرافی مراکز کے اساتذہ بھی شریک ہوں گے۔ یہ اساتذہ اپنی خطاطی کے نمونوں کی نمائش کریں گے تاکہ ان کی تربیت ایران کے معروف خطاطوں سے کرائی جائے۔ قابل ذکر ہے کہ قومی اردو کونسل نے ملک کی گیارہ ریاستوں میں کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائننگ کے 35 مراکز قائم کیے ہیں۔ اس بارے میں ایک اجلاس میں یہ طے پایا ہے کہ فن خطاطی میں استعمال ہونے والے قلم اور دیگر سامان کے بارے میں حقیقت پسندانہ نظریہ اختیار کیا جائے گا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی سال میں سرکنڈے کے قلم سے مشق کرائی جائے گی۔ جبکہ دوسرے مرحلے میں خطاطی کے لیے قلم کی تراش اور خط دینا شامل ہے۔ خطاطی کے روایتی ساز وسامان کے لیے ایران کلچرل ہاؤس اور دیگر ایجنسیوں سے رابطہ بھی قائم کیا جا رہا ہے۔ اردو اور فارسی زبان سے متعلق کونسل کے پینل نے فارسی کی درسی کتابوں کی تدوین واشاعت کو بھی اپنے ایجنڈے میں شامل کیا ہے۔ اس میں تدوین لغت، قواعد، لہجے اور بولیوں کا مطالعہ جیسے پروجکٹ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی کی اہم علمی، ادبی اور کلاسیکی کتب پر اردو میں کتابیں تیار کرائی جائیں گی۔

کونسل نے حال ہی میں اسلامک اسٹڈیز کا ایک پینل تشکیل دیا ہے جس کی میٹنگ گزشتہ دنوں ہوئی ہے۔ کونسل نے اپنے منصوبے کے تحت اسلامی تاریخ کے اہم بابوں کو منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا ہے اور جدید عہد کے تقاضوں کے تحت موجودہ اسلامک اسٹڈیز کے ثقافتی پہلوؤں کو وسیع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ کونسل نے اردو انسائیکلوپیڈیا اور ہندوستان کے مشاہیر اسلام کے حوالے سے ایک ادارتی بورڈ بھی قائم کیا ہے۔ یہ بورڈ اسلامی علوم کی ان کتابوں کی نشاندہی کرے گا جو نصابی کتابوں کی ضرورت پوری کرنے کی اہل ہوں۔ کونسل کے ڈائرکٹر کے مطابق کونسل جلد ہی مشاہیر اسلام پر مونوگراف شائع کرے گی۔ اس کے علاوہ اسلامک اسٹڈیز کی عربی، فارسی اور انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا جائے گا۔ امام غزالی، ابن سینا اور ایڈورڈ سعید کی ایسی بہت سی اہم تحریریں ہیں جن کے ترجمے کی ضرورت ہے۔ قومی کونسل جلد ہی اسلامک اسٹڈیز کے موجودہ نصاب کا احاطہ کرنے کے لیے ذاکر حسین اسٹڈیز کے اشتراک سے سہ روزہ ورکشاپ کا اہتمام کرے گی۔ اسلامک اسٹڈیز کے پینل کی میٹنگ میں یہ بھی طے پایا کہ علوم اسلامی کی اشاعت میں غیر مسلموں کی خدمات بالخصوص مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو، بھگوان داس، سندر لال، مالک رام، این رائے، نول کشور اور غیر اسلامی ہندی نعت گو شعرا کے حوالے سے بھی کام کیا جائے گا۔

بچوں کی دنیا

'اردو دنیا' کو متنی اور صوری اعتبار سے اردو زبان وادب کے سب سے بہتر ماہنامے کی شکل دینے کے بعد قومی اردو کونسل اب بہت جلد اردو کے عام قارئین، بالخصوص اردو لکھنے پڑھنے والے بچوں اور نوعمر طلبا کو 'بچوں کی دنیا' کے نام سے بے حد خوب صورت اور خوب سیرت ماہانہ رسالے کا تحفہ دینے والی ہے۔ تمام تر رنگین صفحات اور بچوں کی رجحان سازی میں معاون ثابت ہونے والے دل چسپ مضامین اور پر لطف تحریروں سے سجا ہوا یہ رسالہ ادب اطفال کے ارتقا اور ترویج کی راہ کا اہم سنگ میل ہوگا۔ رسالہ شائع کرنے کے سلسلے میں سبھی تیاریاں سرگرمی سے جاری ہیں اور بہت جلد یہ اردو والوں کے ہاتھوں میں ہوگا۔

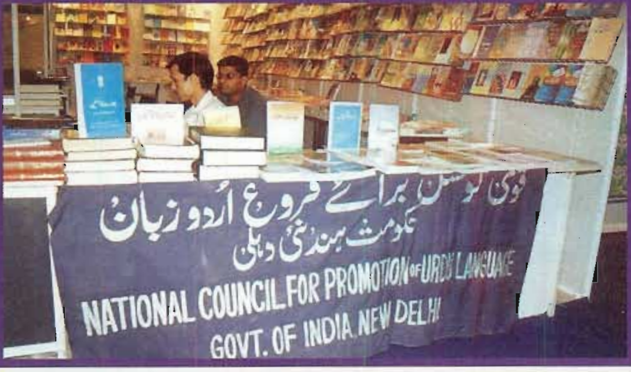

قومی کونسل برائے اردو زبان کا مقصد ملک میں اردو کی ترویج وترقی میں بڑھ چڑھ کر ہاتھ بٹانا ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان میں سے ایک شکل سیمناروں، کانفرنسوں، مشاعروں اور ورکشاپوں کا انعقاد کروانا اور نجی طور پر ایسے پروگرام منعقد کرنے والے اداروں کے ساتھ مالی تعاون کرنا ہے۔ اس سلسلے میں بہت پہلے ہی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کا نام گرانٹ ان ایڈ کمیٹی ہے۔ اس کمیٹی کی 2013 کی پہلی میٹنگ میں جو کہ 9 جنوری کو کونسل کے دفتر میں منعقد ہوئی، اس سلسلے میں اہم فیصلے کیے گئے۔ ان فیصلوں کے تحت کمیٹی نے مذکورہ مدوں کے لیے 66 لاکھ روپے کی معاونت کو منظوری دی ہے۔ اس کے تحت منظور ہونے والے 72 سیمناروں کو تقریباً 43 لاکھ روپے، 83 اردو مسودات کو تقریباً 22 لاکھ روپے اور عربی وفارسی مسودات کو ایک لاکھ روپے کی منظوری دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کونسل نے ریاستی سطحوں پر اردو کی سرگرمیوں کو اہمیت دیتے ہوئے شمال مشرقی ریاستوں میں سیمناروں کے انعقاد کو منظوری دی ہے۔

کونسل کا ایک مقصد معیاری ادب کو فروغ دینا بھی ہے۔ اس کے تحت کونسل معیاری کتابوں کو تھوک میں خریدتی ہے۔ رواں سال میں اس کی پہلی میٹنگ کونسل کے دفتر میں سات جنوری کو منعقد ہوئی۔ تھوک خریداری برائے کتب و جرائد کی اسکیم کے تحت کونسل نے رواں سال میں 70 لاکھ کی کتابوں اور جریدوں کو خریدنے کی منظوری دی۔ اس موقع پر کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر وسیم بریلوی نے اس بات پر زور دیا کہ معیاری ادب کی خریداری کونسل کی ذمہ داری ہی نہیں ہے بلکہ آئندہ نسلوں کی ذہنی نشو ونما کے لیے ایک ضرورت بھی ہے۔ اس اسکیم کے تحت کونسل چندہ کتابوں کی اشاعت کے لیے تیس ہزار روپے کی مالی معاونت بھی دیتی ہے۔ 100 عدد کتابیں کونسل خریدتی ہے اور ان کتابوں کو ملک کی مختلف لائبریریوں کو ارسال کر دیتی ہے۔ کونسل رسائل و جرائد کو 35 ہزار روپے کی مالی معاونت کرتی ہے۔ اس میٹنگ میں جن زمروں کی کتابوں پر غور وخوض کیا گیا ہے ان میں تخلیقی ادب، لسانیات، ادبی تنقید، خودنوشت، بچوں کا ادب، لغات، تاریخ وتمدن، صحافت، مصوری، سائنس اور سوشل سائنس اور عربی وفارسی کی تقریباً 216 کتابیں اور اردو عربی فارسی کے کل 47 رسائل و جرائد پر غور کیا گیا۔ سال 13-2012 میں Bulk Purchase اسکیم کے تحت 25 لاکھ روپے کی کتابیں خریدی گئی تھیں۔ جبکہ 13-2012 میں گرانٹ ان ایڈ کمیٹی نے ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپے کی مالی معاونت کو منظوری دی تھی۔ جس کے تحت 84 سیمناروں کو تقریباً 4745000 لاکھ، 25 لیکچر سیریز کو تقریباً 625000 اور 71 اردو مسودات کو تقریباً 2525935 روپے اور عربی و فارسی مسودات کو 500401 روپے کی مالی معاونت کی منظوری ملی تھی۔

قومی اردو کونسل نے اردو زبان وادب کی اشاعت وتدوین کی سمت میں کئی اہم کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اردو زبان کو نئی جہتوں سے آشنا کرایا جائے اور دنیا میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کو اخذ کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا کی جائے۔ کونسل نے اس مقصد کے تحت اردو الفاظ کو عام فہم بنانے کے لیے تمام موضوعات کی اصطلاحات کی فہرستوں کو شائع کیا ہے۔ کونسل کی شائع شدہ ریاضی کی فرہنگ اصطلاحات 421 صفحات پر مشتمل ہے جبکہ کامرس کی فرہنگ 204 صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو کونسل اردو کا وہ واحد ادارہ ہے جو کامیابی کے ساتھ اردو دنیا ٹیلی ایڈیشن پروگرام ای ٹی وی اردو کے ذریعے ٹیلی کاسٹ کر رہا ہے۔ اب اس پروگرام کو مزید دلچسپ بنانے اور اس میں مزید جدت لانے کی کوششیں شروع کی گئی ہیں۔ اس بارے میں ماہرین سے صلاح ومشورہ کرکے ان کی تجاویز پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ وزارت قانون کی جانب سے اردو کونسل کو اردو میں Nine-Bare Acts مہیا کرائے گئے ہیں جن کو کونسل شائع کر چکی ہے۔

کونسل نے اردو صحافت کے تعلق سے بھی کئی اہم کارنامے انجام دیے ہیں جن میں سری نگر میں صحافت ورکشاپ کا اہتمام بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ اس نے صحافت اور ذرائع ابلاغ سے متعلق اہم کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ ظاہر ہے ان سے صحافت سے وابستہ لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔

قومی اردو کونسل نے اپنے پروجیکٹوں اور اسکیموں پر عمل درآمد میں شفافیت لانے کی غرض سے ایک اہم قدم اُٹھایا ہے۔ اس کے تحت جو لوگ کونسل کے کسی بھی پینل اور کمیٹی کے رکن ہیں وہ اعزازیہ لے کر کوئی بھی کام نہیں کر سکتے۔ اس فیصلے کا مقصد کونسل کے کاموں کو شفاف اور جواب دہ بنانا ہے۔ اس کے پروجیکٹوں اور اسکیموں کے تحت وہی لوگ کام کر سکتے ہیں اور ان کو اعزازیہ دیا جا سکتا ہے جو اس کے ممبر نہیں ہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا ہے تاکہ کونسل کے لوگوں پر اقربا پروری یا بدعنوانیوں کا الزام عائد نہ ہو سکے۔

کونسل کی سرگرمیوں کے پیش نظر سرکردہ علمی وادبی شخصیات جن میں ملکی وغیر ملکی دونوں شامل ہیں، کونسل کا دورہ کرتی ہیں۔ یہ بات کونسل کے لیے باعث افتخار ہے کہ اردو دنیا اس کے کاموں میں دلچسپی لیتی ہے اور انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ گزشتہ ایک سال کے دوران ملک وبیرون ملک کی متعدد شخصیات نے کونسل کے دفتر کا دورہ کیا اور اس کے کاموں کی ستائش کی۔ کونسل ایسے لوگوں کا شایان شان استقبال کرتی ہے۔

مجموعی طور پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے گزشتہ ایک سال کے دوران اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے تعلق سے کئی انتہائی اہم فیصلے کیے ہیں اور ان پر عمل درآمد بھی جاری ہے۔ اس دوران کونسل کی سرگرمیوں میں بے حد اضافہ ہوا ہے اور کئی اہم کارنامے انجام دیے گئے ہیں۔ اس کا سہرا بلاشبہ کونسل کے ڈائرکٹر، وائس چیئرمین اور مختلف کمیٹیوں اور پینلوں کے ممبران کے سر جاتا ہے جنھوں نے اپنی انتھک کوششوں سے اس ادارے کو بام عروج پر پہنچا دیا ہے۔

■

Suhail Anjum, 370/6A, Zakir Nagar, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 110025

ترقی اردو بورڈ سے قومی اردو کونسل تک
چوالیس برس کا سفر ایک نظر میں

ظفر عبداللہ وانی

قومی اردو کونسل کی کہانی دراصل ترقی اردو بیورو سے شروع ہوتی ہے۔ ترقی اردو بیورو کا قیام اردو کی ترقی وترویج کے مقصد سے عمل میں لایا گیا تھا۔ 16 جون 1973 کو ترقی اردو بیورو کے نام سے دلی میں ایک الگ اور منفرد دفتر کی بنیاد ڈالی گئی۔ دوسال کا عرصہ گزرنے کے بعد 5 نومبر 1975 کو اسے ایک ماتحت سرکاری ادارے کا درجہ دیا گیا اس طرح اس کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔

ترقی اردو بیورو میں بحثیت ڈائرکٹر شمس الرحمٰن فاروقی نے 14 جنوری 1980 کو عہدہ سنبھالا تھا۔ اس طرح شمس الرحمن فاروقی ترقی اردو بیورو کے پہلے ڈائرکٹر مقرر ہوئے۔ اسی سال 27 اکتوبر 1980 میں بیورو کو ایک مستقل دفتر کا درجہ مل گیا۔

ترقی اردو بیورو کے قیام سے پہلے 1969 میں مرکزی حکومت نے ترقی اردو بورڈ قائم کیا تھا جو ایک مشاورتی کمیٹی پر مبنی تھا۔ پروفیسر محمد مجیب اس کے وائس چیرمین تھے۔

ترقی اردو بورڈ کے قیام کے وقت اس کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے:

(1) مرکزی سرکار کے سامنے اردو کی ترقی وترویج کے لیے تجاویز اور سفارشات پیش کرنا۔

(2) سائنس، عصری علوم اور اس کی دیگر شاخوں بالخصوص بچوں کے ادب، حوالہ جاتی ادب وغیرہ کی طباعت کرنا بھی شامل تھا۔

(3) اردو کی ترقی کے لیے مزید ایسے کام انجام دینا جو حکومت اس کے سپرد کرے۔

1969 سے 1983 تک اردو بورڈ اور اُس کا دفتر ترقی اردو بیورو تیزی سے ترقی کی سمت پر گامزن تھے۔

82-1981 کی بجٹ تقریر میں مرکزی وزیر تعلیم نے مرکزی انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا مقصد ظاہر کیا اور اس کے لیے رقم بھی طے کی۔ شمس الرحمٰن فارقی جو ترقی اردو بیورو کے پہلے ڈائرکٹر تھے وہ 16 مئی 1981 کو اپنے محکمہ ڈاک وتار میں واپس چلے گئے، ان کے جانے کے بعد جناب کے کے کھلر نے 16 مئی 1981 سے ڈائرکٹر کا عہدہ سنبھالا۔ لیکن کے کے کھلر بھی ایک سال سے زیادہ نہیں رہ پائے اور آخر میں جولائی 1982 سے لے کر جون 1996 تک ڈاکٹر فہمیدہ بیگم نے ڈائرکٹر کے فرائض سرانجام دیے۔

1969 سے لے کر 1984 تک ترقی اردو بورڈ کے مشوروں کے مطابق ترقی اردو بیورو نے مندرجہ ذیل پروگرام انجام دیے:

1 : کتابوں کی تیاری طباعت اور اشاعت کا پروگرام

اس پروگرام کے تحت مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل بیس پینلوں کے تحت کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمے کا کام ہورہا تھا۔

(1) زراعت اور نباتات (2) بشریات اور سماجیات (3) کیمیا (4) بچوں کا ادب اور مقبول عام سائنسی ادب (5) کامرس اور معاشیات (6) تعلیمات (7) مغربی ادویہ اور بائیوکیمیکل سائنس (8) ریاضیات اور شماریات (9) قانون (10) لسانیات (11) طبعیات (12) پولیٹکل سائنس (13) لائبریری سائنس (14) جغرافیہ اور ارضیات (15) فلسفہ اور نفسیات (16) حیاتیات (17) انجینئرنگ اور ٹکنالوجی (18) بنیادی اردو متون اور تنقید (19) تاریخ (20) یونانی اودیہ۔

قومی اردو کونسل کے اردو لرننگ کورس کا اجرا

2: اردو ذریعہ تعلیم کے اسکو لو ں اور کالجوں کے لیے نصابی کتابوں کی فراہمی

اس پروگرام کے تحت بیورو ابتدا ہی سے نصابی کتابوں کے ترجمے، تیاری، طباعت، اشاعت اور فروغ کا کام انجام دیتا رہا، شروع میں نصابی کتابوں کی تیاری کے لیے تمام کام خود انجام دیتا تھا بعد میں NCERT کا تعاون بھی حاصل کیا گیا۔

3: اردو اصطلاح سازی

ترقی اردو بیورو نے اردو بورڈ کے مشوروں پر نہ صرف اصطلاحات کو جمع کیا بلکہ بیس موضوعات پر اصطلاح سازی کے کام کے لیے ماہرین پر مشتمل کمیٹیاں مقرر کیں۔ ذیل میں ان اصطلاحات کی فہرست پیش کر رہا ہوں جو شائع ہوچکی ہیں۔

(1) فرہنگ اصطلاحات انسانیات (2) فرہنگ اصطلاحات حیوانیات (3) فرہنگ اصطلاحات ریاضیات (4) فرہنگ اصطلاحات فلسفہ، نفسیات اور تعلیم (5) فرہنگ اصطلاحات کیمیا (6) فرہنگ اصطلاحات لسانیات (7) فرہنگ اصطلاحات معاشیات (8) فرہنگ

اصطلاحات نباتیات (9) فرہنگ تاریخ، وسیاسیات۔

اس کے علاوہ ترقی اردو بیورو کے زیر اہتمام مندرجہ ذیل پراجکٹوں پر بھی کام ہوتے رہے ہیں۔

1: انسائیکلو پیڈیا

کسی بھی زبان کے بولنے والوں کی علمی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ان کی مادری زبان میں حوالہ جاتی کتابیں مثلاً انسائیکلو پیڈیا لغت اور فرہنگ فراہم کی جائے۔ ان ہی باتوں کو مدنظر رکھ کر ترقی اردو بیورو نے انسائیکلو پیڈیا پراجکٹ بنایا ہے۔

2: انگریزی اردو لغات

کسی بھی زبان کو آگے بڑھانے کے لیے اور اس کی ترقی کے لیے لغات ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں لہٰذا انگریزی سے اردو لغات کی ذمہ داری بیورو کے سپرد کی گئی۔

3: اردو انگریزی لغت

یہ لغت پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ انگریزی اور اردو لغت کے بعد شائع ہوئی ہے۔

4: اردو سے اردو لغت

یہ پراجکٹ ترقی اردو بیورو کے وقت میں شروع ہوا یہ لغت پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ الفاظ اندراج ہیں۔

5: طلبہ کے لیے اردو لغت

یہ لغت خصوصاً اردو ادب سے جڑے طلبہ کے لیے بنائی گئی ہے یہ 42 ہزار اندراج پر مشتمل ہے۔

6: کتابت تربیتی مراکز

ترقی اردو بیورو نے کتابیات کو ترقی دینے کے لیے ملک بھر میں 48 مراکز قائم کیے تھے۔

7: اردو ٹائپسٹ تربیتی مراکز

اردو زبان کو دیگر جدید زبانوں کے دوش بدوش کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اردو ٹائپسٹ کے لیے تربیتی نظام مرتب کیا جائے۔ لہٰذا ترقی اردو بیورو نے فیصلہ کیا تھا کہ جو رضا کار ادارے اردو ٹائپسٹ کے لیے تربیتی مراکز کھولنا چاہتے ہیں ترقی اردو بیورو انھیں پچاس فیصد گرانٹ دے گا۔

8: اردو ٹائپ رائٹر کی ترقی

اردو ٹائپ رائٹر کو پہلے سے بہتر بنانے اور ترقی دینے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بیورو نے اس سمت میں پیش رفت کی اور اب پہلے سے بہتر ٹائپ رائٹر دستیاب ہوسکے۔

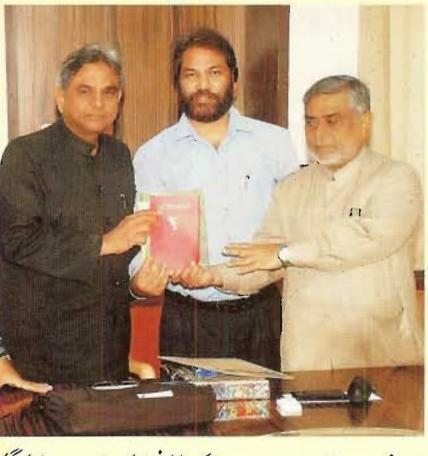

ماریشس سے آئے مہمان ادیب صابر گوڈر کو کونسل کی مطبوعات پیش کی گئیں

9: اردو اِملا

بیورو نے اردو میں تلفظ، اِملے وجملے کی درستگی کی غرض سے اِملا کمیٹی قائم کی اور اس کمیٹی کی سفارشات کے مطابق املا نامہ شائع کیا۔

10: وضاحتی کتابیات

بیورو نے وضاحتی کتابیات کی تیاری کا کام بھی انجام دیا۔

11: نور اللغات کی دوبارہ اشاعت

12: منتخب لغات کی دوبارہ اشاعت

13: تعلیم بالغان

14: اردو مراسلاتی کورس

ترقی اردو بیورو نے ابتدا سے 1984 تک تیزی سے اور اس کے بعد 1990 تک سست گامی کے ساتھ ترقی کی 1990 سے 1996 تک اس کی رفتار کم وبیش منجمد رہی۔

1994 کو ترقی اردو بورڈ کا خاتمہ ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ اردو بیورو کو بھی قومی اردو کونسل میں ضم کیا گیا۔ قومی کونسل ایک خود مختار ادارے کی حیثیت سے آج وہ تمام کام انجام دے رہی ہے جو پہلے ترقی اردو بیورو اور ترقی اردو بورڈ انجام دیا کرتا تھا۔

قومی اردو کونسل

یکم اپریل 1996 کو مرکزی سرکار حکم نامہ نمبر (2)

این سی ای آر ٹی میں اقلیتوں سے متعلق ایک میٹنگ کا منظر

امریکی یونیورسٹی کے طلبہ کی قومی اردو کونسل میں آمد

۱۴ اردویں کل ہند کتاب میلے میں ایک کتاب کے اجرا کا منظر

قومی اردو کونسل (ترقی اردو بیورو) کے چیئرمین، وائس چیئرمین اور ڈائرکٹر

نمبرشمار	نام		
	چیئرمین		
1.	مادھورائے سندھیا	جون 1995	اکتوبر 1996
2.	ایس آر بومائی	اکتوبر 1996	فروری 2000
3.	مرلی منوہر جوشی	فروری 2000	اگست 2004
4.	ارجن سنگھ	اگست 2004	2009
5.	جناب کپل سبل	2009	نومبر 2012
6.	ایم ایم پلم راجو	نومبر 2012	اب تک
	وائس چیئرمین		
1.	ڈاکٹر شاہد صدیقی	جون 1995	اکتوبر 1996
2.	ڈاکٹر راج بہادر گوڑ	اکتوبر 1996	فروری 2000
3.	پروفیسر گوپی چند نارنگ	فروری 2000	اگست 2004
4.	جناب سدیپ بنرجی	اگست 2004	فروری 2005
5.	جناب شمس الرحمٰن فاروقی	فروری 2005	فروری 2008
6.	جناب چندر بھان خیال	فروری 2008	جون 2011
7.	پروفیسر وسیم بریلوی	جون 2011	اب تک
	ڈائرکٹر		
1.	ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی	جنوری 1980	مئی 1981
2.	کے کے کھلر	مئی 1981	1982
3.	ڈاکٹر فہمیدہ بیگم	1982	جون 1996
4.	ڈاکٹر گنگا پرساد ومل	جون 1996	جون 1997
5.	ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ	جون 1997	ستمبر 2005
6.	جناب ایس موہن	اکتوبر 2005	جون 2006
7.	محترمہ رشمی چودھری	جون 2006	اپریل 2007
8.	ڈاکٹر علی جاوید	اپریل 2007	جنوری 2009
9.	محترمہ رشمی چودھری	جنوری 2009	اپریل 2009
10.	ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ	اپریل 2009	فروری 2012
11.	ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین	اپریل 2012	اب تک

3-7/94D مورخہ 29/03/96 کے تحت ترقی اردو بیورو کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان میں ضم کردیا گیا ہے اور قومی اردو کونسل ایک خود مختار ادارہ 20 جون 1994 کو سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ 1860 کے تحت رجسٹرڈ ہوا اور حکم نامہ مورخہ 04 اکتوبر 1994 کے تحت مذکورہ کونسل قائم ہوئی۔

قومی اردو کونسل کی ذمے داریوں میں اردو کی ترقی وترویج کے لیے پالیسیوں کا نفاذ، ان لوگوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے انھیں تعلیمی آسانیاں فراہم کرانا اور اسے جدید ٹکنالوجی اور روزگار سے جوڑنا شامل ہے۔ آج نوجوان نسل کے مسائل حل کرانے میں قومی اردو کونسل ایک اہم رول ادا کررہی ہے۔

اس کے علاوہ جن اغراض ومقاصد کے لیے قومی اردو کونسل کی بنیاد رکھی گئی ان میں اردو زبان کے فروغ اس کی ترقی وترویج کے علاوہ ایسے اقدام اُٹھانا جن سے اردو زبان میں سائنسی اور تکنیکی ترقیاتی علوم کی توسیع شامل ہو اور حکومت ہند کو اردو زبان کے بارے میں صلاح ومشورے دینا بھی اس کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔

کونسل کے وائس چیئرمین اور ڈائرکٹر

آج جس طرح قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے نئے وژن سے کام کی ابتدا کی ہے وہ اردو کے حق میں مفید ومعاون اقدام ثابت ہوئے۔ چنانچہ اس ضمن میں اردو کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور اسے ثروت مند بنانے کی کوشش بھی مفید ثابت ہوئی۔

قومی اردو کونسل کے وسیع ترین مقاصد

(1) اردو زبان کی ترقی وترویج اور اس کی تشہیر۔

(2) اردو زبان کے فروغ کے لیے ایسے اقدام کرنا جو سائنسی اور تکنیکی علوم سے جڑیں۔

(3) حکومت ہند کو اردو زبان کے متعلق مسائل سے آگاہ کرانا بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے۔

اردو زبان دیگر زبانوں کی طرح اپنی ایک علاحدہ شناخت اور اظہار خیال کا بہترین وسیلہ ہے۔ حکومت ہند کو ایک ایسی مشنری کی ضرورت تھی جو زبانوں کی پالیسی کا بخوبی نفاذ کرسکے اور اردو زبان کو نئی تکنیکی پالیسیوں سے آراستہ کرسکے۔ چنانچہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کو پہلی مرتبہ سرکاری طور پر یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ ایک نوڈل ایجنسی کے طور پر کام کرے۔ اس کے علاوہ قومی اردو کونسل اپنی نہج پر ریاستی اردو اکادمیوں اور تعلیمی اداروں کے درمیان نیٹ ورکنگ کا کام کرکے ترقیاتی امور کو آگے بڑھائے۔

قومی اردو کونسل کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے کمپیوٹر کو اردو زبان کی تعلیم وتدریس کے ساتھ جوڑ کر ملک میں اس کے مراکز قائم کیے۔ 1999-2000 تک قومی اردو کونسل کے قائم کردہ صرف 54 کمپیوٹر سنٹر تھے جن کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھ کر 425 ہوگئی ہے۔ ان مراکز میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تحت حسب ذیل ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورس چلائے جارہے ہیں۔

(1) ایک سالہ کمپیوٹر کورس (2) خطاطی اور گرافک ڈیزائننگ کورس (3) عربی فارسی ڈپلوما کورس (4) ہندی انگریزی ڈپلوما کورس (5) فاصلاتی تعلیم

Zafar Abdullah Wani, Research Scholar, Room No 119, Old Boys Hostel, Ghachchi Bowli, MANUU, Hyderabad - 500032 (AP)

▪ شمع کوثر یزدانی

اردو کونسل کی اہم اسکیمیں اور سرگرمیاں

ہندوستان کے کثیر لسانی وتہذیبی کردار کے پیش نظر حکومت ہند کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ تمام زبانیں جو آئین کے شیڈول میں شامل ہیں ان کی بقا، فروغ اور توسیع کے لیے کارگر اقدامات کیے جائیں۔اس پالیسی کے تحت ملک بھر میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ماتحت اداروں کے ذریعے ایسی اسکیمیں اور پروجیکٹس نافذ العمل ہیں جو ہندوستان کے متنوع لسانی منظرنامے کو مزید رنگ وروغن عطا کرتے ہیں۔ ایسے بے شمار ادارے اپنے اپنے دائرے کے تحت اس آئینی فریضے کو انجام دینے میں مصروف ہیں۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان بھی حکومت ہند کا ایک ایسا ادارہ ہے جو اردو زبان کے فروغ سے متعلق اپنے فرائض کو انجام دینے میں پوری مستعدی کے ساتھ روبہ عمل ہے۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی تخصیص یہ ہے کہ مرکزی حکومت کا یہ واحد ایسا ادارہ ہے جو قومی سطح پر اردو کو فروغ دینے اور اسے عہد جدید کے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے سے متعلق نو بہ نو اسکیموں اور منصوبوں کے ذریعے اپنے نشانے کو حاصل کرنے کی سمت میں گامزن ہے اور اپنی نمایاں کارکردگی کے ذریعے ملک گیر سطح پر اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

گزشتہ دہائیوں میں جس تیزی کے ساتھ سائنس اور تکنالوجی کی سطح پر انقلابات رونما ہوئے ہیں، وہ جہاں تجدید کاری کے نقطۂ نظر سے خوش آئند ہیں وہیں یہ انقلابات ہمارے لیے چیلنج بھی ہیں کہ کس طرح ہم اپنی تہذیب وثقافت اور زبان وادب کو ان نئے بدلتے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔اس لحاظ سے یہ لازم ہے کہ ہمارے ادارے ایسے چیلنجز کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی منصوبہ بندی کریں اور روایتی ڈگر سے ہٹ کر innovative اسکیموں کے ذریعے مستقبل میں نہ صرف زبان وادب کی بقا اور توسیع کو ضمانت عطا کریں بلکہ اس کے رشتے کو روزمرہ کی ضروریات اور روزی روٹی کے حصول کے ساتھ مربوط وہم آہنگ کرسکیں۔

قومی اردو کونسل کے حوالے سے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ ادارہ قومی سطح پر حکومت ہند کی نوڈل ایجنسی کے طور پر بدلتے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ منصوبے اور اسکیمیں وضع کرنے اور ان کے نفاذ کو یقینی بنانے کی سمت میں پوری تندہی کے ساتھ گامزن ہے۔ یوں تو اپنے قیام کے وقت سے ہی یہ ادارہ ایسی کوششوں میں مصروف رہا ہے لیکن گزشتہ چند برسوں میں عصری تقاضوں اور نئی تکنالوجی کے ساتھ اردو کو جوڑ کر اسے اہم تعلیمی وسیلہ بنانے کے ساتھ ساتھ حصول معاش کے وسیلے کے طور پر توسیع دینے کی سمت میں جو کارگر اقدامات کیے گئے ہیں اس کے خاطرخواہ نتائج برآمد ہورہے ہیں۔سردست قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تحت ایسے متعدد پروگرام اور اسکیمیں جاری ہیں جو قومی سطح پر اردو تعلیم حاصل کرنے والوں اور اردو کو اپنے کریئر کا وسیلہ بنانے والوں کے لیے نئے دروازے کھولتی ہیں۔ایسی متعدد اسکیموں میں سے چند کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

❖ **اسکیم برائے کمپیوٹر ایپلی کیشن، بزنس اکاؤنٹنگ اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی (CABA-MDTP) ڈپلومہ کورس:** اس اسکیم کے تحت طلبہ کو ایک سالہ ڈپلومہ کورس کا سرٹیفکیٹ عطا کیا جاتا ہے۔اس کورس کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ اردو کے طلبا وطالبات تیزی سے فروغ پاتے Information

Technology سے متعلق علم میں تکنیکی مہارت حاصل کر کے اپنے کریئر کو روشن بنا سکیں۔

❖National Institute of Electronics and Information Technology (NIELIT), Under Ministry of Communication & Information Technology, Govt. of India کے 'O' Level کورس پر مبنی ہونے کے علاوہ بزنس اکاؤنٹنگ (ٹیلی) اور ملٹی لنگول ڈی ٹی پی جیسے عصر حاضر میں ملازمت کے لیے ضروری مہارت والے نصاب اس کورس کے دائرے میں شامل ہیں تاکہ اس کی بنیاد پر طلبا و طالبات کو مختلف النوع سطح پر اپنی صلاحیت اور مہارت کو فروغ دینے میں مدد مل سکے اور ان کے لیے کریئر کے مختلف الجہات امکانات روشن ہو سکیں۔ اس کورس سے فارغ شدہ طلبا و طالبات کو Junior Programme, Visual Web Designer, EDP assistant, Account Assistant, Lab demonstrator, Office اور DTP Operator, Designer Assistant وغیرہ جیسی ملازمتیں حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کورس کو کرنے والے طلبا و طالبات اس کورس کے ساتھ ساتھ NIELIT کے CCC اور 'O' Level کورسز کے امتحانات بھی دے سکتے ہیں اور سرٹیفکیٹ حاصل کر سکتے ہیں۔

اس وقت ہندوستان کے 26 صوبوں کے 197 ضلعوں میں کمپیوٹر کے 425 مراکز قائم ہیں جہاں تقریباً 23000 طلبا و طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس کورس کے آغاز یعنی 1999 سے لے کر اب تک 103107 طلبا و طالبات جن میں 41243 طالبات شامل ہیں، یہ ڈپلومہ حاصل کر چکے ہیں۔ یہ اسکیم قومی سطح پر سب سے زیادہ کارگر اسکیم تسلیم کی گئی ہے۔ یہ اپنی نوعیت

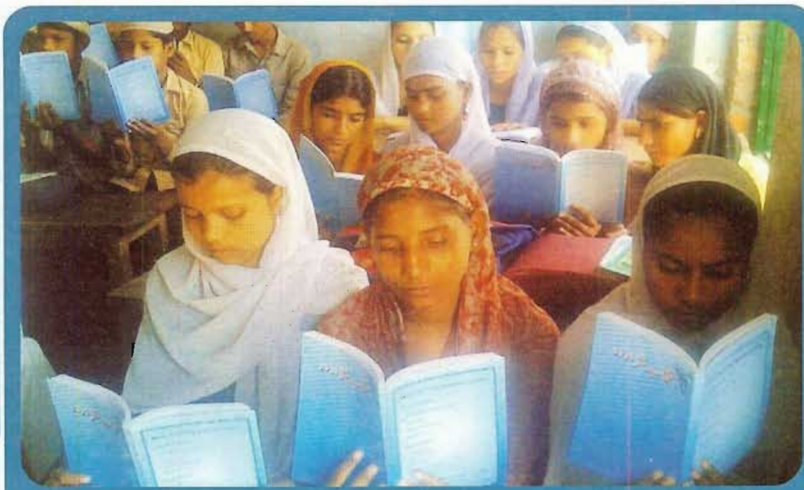

ادب اطفال اور رسائل و جرائد

قومی اردو کونسل حکومت ہند کی ایک نوڈل ایجنسی کے طور پر کام کر رہی ہے۔ اس ادارے نے اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی کے لیے کتابوں کی اشاعت میں بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور انسائیکلو پیڈیا و لغات، تاریخ، تعلیم و تدریس، حیات و خدمات، زبان و لسانیات، سائنس، تکنیک و جغرافیہ، سماجیات، سیاست، صحافت، طب و معالجات، فلسفہ، فنون لطیفہ، قانون، کتب خانہ داری و کتابیات، معاشیات، تجارت، نفسیات اور بچوں کے ادب سے متعلق موضوعات پر تقریباً 1100 کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کتابوں میں ادبیات پر 252 اور بچوں کے ادب کی 302 کتابیں شامل ہیں۔ اس تعلق سے دیکھا تو یہ ادب اطفال کی کفالت اور سرپرستی کرنے والا ملک کا سب سے بڑا اردو ادارہ ہے۔ جلد ہی یہ ادارہ بچوں کے لیے ایک رسالہ شروع کرنے جا رہا ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف دنیا کے مختلف علوم و فنون پر کتابیں شائع کر چکا ہے بلکہ بچوں کے ادب کا ایک عظیم ذخیرہ قومی اردو کونسل نے اپنی مطبوعات کے ذریعے پیش کیا ہے۔ بچوں کے ادب کے علاوہ کونسل نے این سی ای آر ٹی کی کتابوں کا ترجمہ بھی شائع کرایا ہے، ریاضی، کامرس جیسے موضوعات کی درسی کتابیں بھی کونسل کی اشاعتی پروگرام کا حصہ رہی ہیں۔

قومی اردو کونسل (ترقی اردو بیورو) نے اپنے آغاز کے کچھ برسوں بعد ہی اردو صحافت کی سمت میں بھی کافی اہم پیش رفت کی تھی اور 1989 میں ایک ششماہی ادبی و تحقیقی مجلے فکر و تحقیق کا آغاز کیا۔ فکر و تحقیق کا یہ شمارہ جنوری تا جون 1989 کا شمارہ تھا جس میں 23 مقالات شائع کیے گئے تھے یہ مقالے شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں منعقدہ سیمینار میں پڑھے گئے تھے۔ یہ جریدہ دسمبر 1992 تک ششماہی کے طور پر شائع ہوتا رہا اس کے بعد لگ بھگ تین برسوں تک اس کی اشاعت موقوف رہی اور ترقی اردو بیورو کو قومی اردو کونسل میں ضم کر دینے کے بعد فکر و تحقیق کا پہلا شمارہ جنوری 1997 میں شائع ہوا اور اس رسالے کو جولائی 1998 میں سہ ماہی کر دیا گیا۔ اس میں زیادہ تر ادبی تحقیق و تنقید سے متعلق مضامین شائع ہوتے ہیں۔

قومی اردو کونسل کا دوسرا رسالہ اردو دنیا ہے جو پہلے قومی اردو کونسل کے خبرنامے کے طور پر نکلتا تھا، شروع میں یہ رسالہ سہ ماہی تھا بعد میں اسے ماہانہ کر دیا گیا۔ اردو دنیا کا شمارہ نئے دم خم کے ساتھ پہلی بار جولائی تا ستمبر 1997 میں شائع ہوا تھا۔ اس رسالے میں اردو زبان و ادب کے حوالے سے مضامین و نگارشات شائع کی جاتی ہیں کتابوں پر تبصرے بھی شائع ہوتے ہیں۔ اردو تعلیم اور اردو کتابوں کی طباعت و تقسیم، اردو کا موجودہ منظرنامہ، اردو تحقیق و تنقید کی سمت و رفتار کے علاوہ طلبا کو تعلیم کی جانب راغب کرنے کی کوششوں میں مصروف یہ رسالہ اپنے منفرد اسلوب کے لیے جانا جاتا ہے۔ رسالے میں خصوصاً طلبا کی دلچسپیوں کی چیزیں زیادہ ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ ادب اور صحافت سے متعلق مواد بھی مل جاتے ہیں۔ اگست 2011 سے اس رسالے کو بڑے سائز میں پورے رنگین صفحات پر شائع کیا جانے لگا ہے۔ یہ رسالہ اپنی منفرد پیش کش، بہترین طباعت اور خوبصورت و دیدہ زیب گیٹ اپ اور نئے نئے موضوعات پر مبنی مضامین کے لیے جانا جاتا ہے۔

کا واحد ایسا کورس ہے جو Information Technology, Business Systems, Web Application, Programming through C Language, Financial Accounting, ICT Resource اور Multilingual DTP کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کورس میں اردو سافٹ ویئر کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی ہے تاکہ طلبا و طالبات انگریزی و ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کی ٹائپنگ میں بھی مہارت حاصل کرسکیں۔ اس کورس کے طلبا و طالبات کو کونسل کا ایک سالہ اردو ڈپلومہ کورس کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اس کورس کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے IT کے ساتھ ساتھ اردو سافٹ ویئر اور اردو ڈپلومہ میں علیحدہ طور پر پاس ہونا ضروری ہوتا ہے۔ کونسل کی جانب سے اس کورس کو ڈیزائن کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں کمپیوٹر سے متعلق مہارت اور ملازمت کے لیے اردو طلبا و طالبات کو ہر طرح سے لیس کیا جاسکے تاکہ اس کورس کی تعلیم حاصل کرکے وہ خود کو باروزگار بنانے میں کامیابی حاصل کرسکیں۔ اس کورس کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کے وسیع و عریض خطے میں پھیلے قومی کونسل کے کمپیوٹر مراکز سے فارغ شدہ طلبا و طالبات کی کثیر تعداد مختلف حیثیتوں سے سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں برسرِ روزگار ہیں۔

❖ **اسکیم برائے کیلی گرافی و گرافک ڈیزائننگ:** کیلی گرافی یا خطاطی کا فن اردو زبان سے وابستہ ایک ایسا فن ہے جو اسے دیگر ہندوستانی زبانوں میں امتیازی شان عطا کرتا ہے۔ اردو میں یہ فن وراثت کے طور پر عربی اور فارسی زبانوں سے در آیا ہے۔ اس فن کی بدولت اردو زبان نے تحریری طور پر ہر عہد میں حسن و جاذبیت کے عنصر کو اپنے اندر سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس فن کی بدولت ورق سازی وطغرا سازی سے لے کر کتابوں و رسالوں کی تزئین و ڈیزائننگ اور مختلف نوعیتوں کی تقاریب کے مواقع پر شائع ہونے والے دعوت نامے، بینر، پوسٹر سے متعلق تحریروں میں زینت و حسن پیدا ہوتا ہے۔

گرچہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ یہ فن بے توجہی کا شکار ہوتا گیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ اس فن کے ماہرین ہندوستان میں خال خال ہی بچ گئے۔ قومی اردو کونسل نے اس فن کی وقعت اور قدر کو تسلیم کرتے ہوئے ملک کے 11 صوبوں کے 33 ضلعوں میں 45 مراکز قائم کیے ہیں جہاں کیلی گرافی و گرافک ڈیزائن کے دو سالہ کورس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کورس کے ذریعے نہ صرف اس فن کو نئی زندگی ملی ہے بلکہ لوگوں میں اس فن کی قدردانی کا جذبہ بھی پروان چڑھا ہے۔ آج نئی نسل کی ایک کثیر تعداد یعنی (1125) طلبا و طالبات کونسل کے 45 مراکز میں اس فن میں مہارت حاصل کررہے ہیں۔ خطاطی کے فن کی نہ صرف تاریخی اہمیت اور وقعت ہے بلکہ عصر جدید میں بھی نئی تکنالوجی کے ساتھ اس فن کو ہم آہنگ کرکے اسے بے حد کارآمد اور روزگار فراہم کرنے والا فن بنایا جاسکتا ہے۔ بالخصوص گرافک ڈیزائن کے ساتھ اس فن کی ہم آہنگی خطاطی کے نئے پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ لہٰذا قومی اردو کونسل نے خطاطی کو گرافک ڈیزائن کے ساتھ جوڑ کر اس میں نئے امکانات روشن کیے ہیں۔ مستقبل میں اس فن کو کمپیوٹر کے ساتھ جوڑ کر اسے مزید وسعت دینے کا پروگرام ہے تاکہ روزگار کے مواقع زیادہ سے زیادہ فراہم ہوسکیں۔ اس کورس سے فارغ شدہ طلبا و طالبات اردو اخبارات، رسالے، کتب انڈسٹری اور ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے علاوہ دعوت نامے، بینر، پوسٹر وغیرہ تیار کرنے والے شعبوں میں ملازمت حاصل کرتے ہیں یا خود اپنا نجی کاروبار شروع کرتے ہیں۔

❖ **اسکیم برائے فروغ روایتی صنعت و حرفت:** ترقی انسانی وسائل کی اسکیم National Vocational Education Qualification Framework(NVEQF) کے تحت قومی اردو کونسل نے اردو آبادی والے علاقوں میں ایسے کورسز شروع کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے جن سے روایتی صنعت و حرفت سے وابستہ افراد کو جدید تکنیکی وسائل کے استعمال کی تربیت دی جاسکے تاکہ ختم ہوتی ایسی صنعت و حرفت کو بقا و تحفظ عطا کیا جاسکے۔ تاکہ نئی تکنیک کے استعمال کے ذریعے ایسی صنعت و حرفت سے وابستہ افراد کے لیے روزگار کے بہتر مواقع فراہم کیے جاسکیں۔ اس اسکیم کے تحت قومی اردو کونسل نے پیتل دست کاری کا کورس (مرادآباد)، پیپر ماشی کا کورس (کشمیر)، چینی مٹی کے برتن بنانے کا کورس (خورجہ)، زری زردوزی کا کورس (بریلی) وغیرہ سے متعلق صنعت و حرفت والے علاقوں کی شناخت کرکے ایسے تربیتی مراکز کھولنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے جن سے ان صنعت و حرفت کو نئی زندگی عطا کی جاسکے گی اور اردو بولنے والی آبادی کو روزگار کے بہتر مواقع حاصل ہوسکیں گے۔ ان کورسز کے علاوہ کونسل ٹورزم اور ٹریویل اور (Creative Writing) کا کورس اور ترجمہ کا کورس وغیرہ شروع کرنے کے منصوبے بھی تیار کررہی ہے۔ یہ تمام کورسز اردو میڈیم کے ذریعہ چلائے جائیں گے۔ کونسل کی یہ کوشش ہے جولائی 2013 سے ان میں سے چند منصوبے مثلاً پیپر ماشی کا کورس اور پیتل دستکاری وغیرہ کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

قومی اردو کونسل نے مذکورہ کورسز کے ساتھ اردو

ڈپلومہ کورس کو بھی لازمی طور پر منسلک کیا ہے تاکہ اس طرح کی صنعت و حرفت سے وابستہ افراد اردو تعلیم بھی حاصل کرسکیں اور تعلیم کی کمی کی وجہ سے ان صنعت و حرفت میں آنے والی دشواریوں کو دور کرسکیں۔ اس منصوبے کے نفاذ سے اردو آبادی اور روایتی صنعت و حرفت سے وابستہ افراد کے روشن مستقبل کو ضمانت دی جاسکے گی۔

❖ **اسکیم برائے اکیڈمک پروجیکٹس:** کونسل کے مقاصد میں اردو زبان اور ادب کا فروغ چونکہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا کونسل اردو زبان و ادب کی توسیع و تشہیر اور اس کے فروغ کی سمت میں دیگر اہم اقدامات کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں کتابوں کی اشاعت بالخصوص اردو زبان و ادب کی تاریخ، معیاری ادبی متون، نادر کلاسیکی ادب پارے، نصابی کتب سے متعلق متون اور لسانیات وغیرہ سے متعلق اہم اور ضروری کتابوں کی اشاعت کو ترجیح دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو لغات، مختلف جدید علوم سے متعلق اصطلاحی فرہنگ، ذولسانی و سہ لسانی ڈکشنری، انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کو بھی کونسل اپنی اشاعتی ترجیحات میں شامل رکھتی ہے تاکہ اردو والوں کی ضرورتیں پوری کی جاسکیں۔ علاوہ ازیں کونسل اپنی اشاعتی ترجیحات میں زبان و ادب کی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ اردو میں طب بالخصوص طب یونانی، قانون، سماجی علوم اور سائنس و تکنالوجی سے متعلق کتابوں کی اشاعت کو بھی اپنی اشاعتی ترجیحات کا اہم حصہ گردانتی ہے، کیونکہ ایسی کثیرالعلوم کتابوں کی اردو میں اشاعت اردو طلبا و طالبات اور ریسرچ اسکالرس کی نصابی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اردو قارئین کو دیگر علوم سے واقف کرانے کا اہم وسیلہ بنتی ہے۔ اس ضمن میں طبع زاد کتابوں کے علاوہ دوسری زبانوں کی اہم کتابوں کے ترجمے اور ترتیب و تالیف وغیرہ کی سطح پر اس اسکیم کا نفاذ ہوتا ہے۔

قومی اردو کونسل نے مذکورہ بالا اسکیم سے متعلق کتابوں کے انتخاب اور اشاعت کے لیے متعدد پینل کی تشکیل کر رکھی ہے جن میں متعلقہ علوم اور شعبے سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات اور ماہرین شامل ہوتے ہیں۔ مختلف پینل سے متعلق ماہرین ان کتابوں کا انتخاب اور نشان دہی کرتے ہیں جن کی اشاعت اہم تصور کی جاتی ہے۔ پینل میں شامل ماہرین کی سفارشات کے مطابق ہی کونسل ایسی کتابیں شائع کرتی ہے۔ کونسل نئی نسل خصوصاً بچوں کے ادب کو بھی اپنی اشاعتی ترجیحات میں اہمیت دیتی ہے اور پینل کے ماہرین کی سفارشات پر بچوں کے لیے بھی ہر سال خاطرخواہ تعداد میں کتابیں شائع کرتی ہے۔ اس طرح کونسل اپنے مقاصد کے تحت حتی الامکان کوشش کرتی ہے کہ اردو کے طلبا و طالبات، ریسرچ اسکالر اور قارئین ملک کی دوسری زبان کے شانہ بشانہ جدید تر علوم سے آگہی حاصل کرسکیں اور تعلیم کی مسابقتی دوڑ میں بہتر مقام حاصل کرسکیں۔

درج بالا اشاعتی پروگرام کے علاوہ کونسل اردو بولنے والی آبادی کے لیے پیشہ ورانہ کورسز اور کاروباری زبان کے فروغ کے لیے بھی اسکیمیں اور پروجیکٹس چلاتی ہے، اور ان سے متعلق کتابوں کی اشاعت کو اہمیت دیتی ہے جن سے اردو تعلیم حاصل کرنے والے طلبا و ریسرچ اسکالرس کو روزگار کے حصول میں آسانیاں پیدا ہوسکیں۔

درج بالا اسکیم اور پروجیکٹس کے تحت کونسل اب تک اردو زبان و ادب اور دیگر سماجی، سائنسی اور تکنیکی علوم سے متعلق تقریباً 1115 کتابیں شائع کرچکی ہے۔ سال رواں (2012-13) میں کونسل نے مختلف علوم سے متعلق اب تک 25 کتابیں شائع کی ہیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

(i) معاصر تنقیدی رویے، مصنف: ابوالکلام قاسمی
(ii) کلیات رشید احمد صدیقی (جلد v تا viii): ابوالکلام قاسمی
(iii) تاریخ ادب اردو (جلد ix اور x): پروفیسر انصاراللہ
(iv) کلیات عبدالعلیم (جلد i اور ii): عابد سہیل
(v) کلیات سرور جہان آبادی: کلدیپ گوہر
(vi) کلیات بلونت سنگھ (جلد viii): جمیل اختر
(vii) ہندوستانی نظام قانون: خواجہ عبدالمنتقم
(viii) طلسم لکھنؤ: اقبال حسین
(ix) اردو میڈیا: قومی اردو کونسل
(x) منظرنامہ 'معصوم' اور 'اجازت': گلزار
(xi) ڈیوڈ کاپرفیلڈ (جلد ii): چارلس ڈکن/فضل حسنین
(xii) 'نیکی کا انعام' اور 'ماجد کی عقلمندی': فیروز بخت
(xiii) کلیات سجاد ظہیر (جلد i): نجمہ علی باقر
(xiv) کلیات شکیل الرحمٰن جلد i,ii اور iii): عمر رضا
(xv) کلیات کمار پاشی: چندر بھان خیال

غرض کہ کونسل اپنے مقاصد اور نشانے کے حصول کی سمت میں نہ صرف پوری مستعدی اور تندہی کے ساتھ مصروف ہے بلکہ سال بہ سال نئے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اردو اور اردو بولنے والوں کو ہم آہنگ کرنے کے لیے نئی نئی اسکیموں اور پروجیکٹس کو روبہ عمل لانے میں پورے جوش اور خلوص کے ساتھ مصروف ہے۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ کونسل مرکزی حکومت کی نوڈل ایجنسی کے طور پر اپنی کارکردگی کے لحاظ سے مستقل کامیابی کی راہ پر گامزن ہے۔

■

Shama Kausar Yazdani, 594-D, 3d Floor
Pachchimabad, JNU, New Delhi - 110067

محمد احسن

فاصلاتی نظام تعلیم اور اردو کونسل کے کورسز

ہمارا ملک دنیا کا سب سے بڑا کثیر اللسان ملک ہے۔ کسی ملک کی لسانی تکثیریت بعض اوقات کئی پیچیدگیاں پیدا کرتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک کی پہچان اس کی کثرت میں وحدت ہے۔ دنیا کی تقریباً 17 فیصد آبادی ہندوستان میں رہتی ہے۔ آبادی کے حساب سے بھی چین کے بعد ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ جہاں اس جمّ غفیر آبادی کی غذا فراہمی کو یقینی بنانا ہمارے لیے ایک چیلنج ہے وہیں اس آبادی کو یکساں تعلیم کے مواقع فراہم کرنا بھی ہماری ایک بڑی ذمے داری ہے۔ دراصل اس موقف کو حاصل کرنے کے لیے بجٹ کو کئی گنا بڑھانے کی ضرورت ہے۔ یہ کمی گزشتہ کئی دہائیوں سے محسوس کی جا رہی ہے یہی وجہ ہے کے جہاں ہندوستان میں ایک طرف انفارمیشن ٹکنالوجی، ایٹمی سائنس، بایوٹکنالوجی، انجینئرنگ اور دیگر تعلیمی شعبے میں نمایاں کارکردگی حاصل کی ہے تو دوسری طرف گلوب کی 34 فیصد ناخواندہ آبادی ہمارے ملک میں مقیم ہے۔ یعنی ناخواندگی کے لحاظ سے ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔

ہم اپنی اس کمی پر کیسے قابو پا سکتے ہیں؟ کیا ہم روایتی نظام تعلیم کے ذریعے سبھی کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرسکتے ہیں؟۔ یہ ایک مشکل اور توجہ طلب مسئلہ ہے۔ اس صورت حال میں اوپن و فاصلاتی نظام تعلیم ان لوگوں کے لیے تعلیم کے مواقع فراہم کرتی ہے جو مزید تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں یا جو کسی سبب سے اپنی تعلیم مکمل نہیں کر سکے یا وقت اور مواقع کی عدم دستیابی کے سبب وہ اپنی خواہش کے مطابق تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ تعلیمی منصوبہ سازوں اور ماہرین کے درمیان اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ فاصلاتی تعلیم ترقی پذیر ممالک کے بہت سے تعلیمی و تربیتی مسائل کا حل ہے۔ ہمارے سامنے فاصلاتی نظام تعلیم ایک متبادل کے طور پر ابھر رہا ہے اور آج اس مقام پر ہے کہ یہ بدلتے ہوئے تکنیکی منظر نامے کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اس طرح موجودہ دور کے ترقی پذیر سماج میں فاصلاتی نظام تعلیم ایک بہت ہی عمدہ آلہ کار کے طور پر سامنے آیا ہے جو ہمہ گیر مساوات سماج (Egalitarian Society) کو وسیع کرنے میں ایک اہم رول ادا کر رہا ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم ہندوستان میں فاصلاتی نظام تعلیم کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ایک درخشاں مستقبل دکھائی پڑتا ہے۔ فی الوقت ہندوستان میں 14 یونیورسٹیاں ایسی ہیں جو صرف فاصلاتی طرز پر تعلیم فراہم کرتی ہیں۔ ان میں ایک قومی سطح کی اور 13 ریاستی سطح کی یونیورسٹیاں ہیں جن کا نام، اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی، وردھمان مہاویر اوپن یونیورسٹی نالندہ اوپن یونیورسٹی، یشونت راؤ چوہان مہاراشٹر اوپن یونیورسٹی مدھیہ پردیش بھوج اوپن یونیورسٹی، کرناٹک اسٹیٹ اوپن یونیورسٹی نیتا جی سبھاش اوپن یونیورسٹی، یوپی راجرشی ٹنڈن اوپن یونیورسٹی، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر اوپن یونیورسٹی احمد اباد، تمل ناڈو اوپن یونیورسٹی، پنڈت سندر لال شرما اوپن یونیورسٹی، اترانچل اوپن یونیورسٹی اور کے کے ہانڈیک اسٹیٹ یونیورسٹی ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً 150 سے زیادہ روایتی یونیورسٹیوں میں نظامت فاصلاتی تعلیم کے خصوصی شعبے ہیں، جہاں فاصلاتی طرز پر مختلف اقسام کے پیشہ ورانہ اور غیر پیشہ ورانہ کورسیز فراہم کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہائر سیکنڈری سطح کی تعلیم کے لیے، نیشنل اوپن انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ (NIOS) ہے جو مختلف النوع پیشہ ورانہ اور غیر پیشہ ورانہ کورسیز فراہم کرتی ہے۔ ان 14 اوپن یونیورسٹیوں کے علاوہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی بھی فاصلاتی تعلیم کے میدان میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔ قومی اردو کونسل اردو میڈیم کے ذریعے فاصلاتی طرز پر مختلف ڈپلوما سرٹیفکٹ کورسیز پورے ملک میں اپنے تقریباً 1000 مراکز (اسٹڈی سنٹر) کے ذریعے فراہم کر رہی ہے۔ نیز مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ان اوپن و فاصلاتی یونیورسٹیوں کے علاوہ متعدد پرائیوٹ تعلیمی ادارے مثلاً سمبوسس یونیورسٹی؛ ICFAI اور سکم منی پال یونیورسٹی بھی ہیں جو فاصلاتی طرز کو اپناتے ہوئے مختلف پیشہ ورانہ اکیڈمک پروگرام فراہم کر رہی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم و پیشہ ورانہ اور غیر پیشہ ورانہ تعلیم کے فروغ میں فاصلاتی نظام طرز کے ان ادروں کا بہت اہم کردار ہے۔ لیکن یہ تمام ادارے اردو ذریعہ تعلیم کی سہولت فراہم نہیں کرتے البتہ ان میں سے کچھ ادارے اردو یا تو مضمون کی حیثیت سے یا کچھ چنندہ پروگرام / کورس اردو میڈیم کے ذریعہ فراہم کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل میں فاصلاتی طرز تعلیم کے تعلق سے قومی اردو کونسل کی کارکردگی کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ای لرننگ کی دنیا میں ایک قدم 'آن لائن اردو لرننگ کورس'

تعلیم سب کا حق ہے اور ہر انسان چاہتا ہے کہ آج کی ترقی یافتہ اور برقی انقلاب کی دنیا میں وہ آسانی کے ساتھ وہ سب سیکھ لے جس کی وجہ سے اس کو سماج میں عزت ملے اور آگے بڑھنے کے مواقع ملتے رہیں۔ اسی وجہ سے آج کی گلوبل گاؤں کہی جانے والی اس دنیا میں لوگ اپنی تعلیم کو گھر اور آفس میں رہتے ہوئے بڑھانا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں رہ کر امریکہ کی ڈگری حاصل کریں اور انہی تقاضوں کے مدنظر معرض وجود میں آئی ای لرننگ کی دنیا، تو بھلا اردو کونسل جس نے اردو کی ترقی و ترویج میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے اس سنہرے موقعے کا کا فائدہ کیوں نہ اٹھائے اور اس نے اردو سے محبت کرنے والے دنیا بھر کے لوگوں کے لیے شروع کیا دنیا کا نمبر ون 'آن لائن اردو لرننگ کورس' جس کو ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ امریکہ، کناڈا، فرانس، پاکستان اور برطانیہ وغیرہ میں بھی پسند کیا گیا اور تھوڑی سی ہی مدت میں ساری دنیا سے **1837** لوگوں نے اس کورس میں رجسٹریشن کرایا جن سے کونسل کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اب کونسل اس کورس کو ہندوستان کے ساتھ ساتھ دنیا کے دیگر ممالک غیر اردو داں طبقے کے ہر گھر میں ان کی محبت کو دیکھتے ہوئے پہنچانے کی کوشش میں لگ گئی ہے اور ان سب لوگوں کا شکریہ ادا کرتی ہے جنھوں نے اس کورس میں دنیا بھر سے رجسٹریشن کیا اور اردو سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) کا قیام 1996 میں عمل میں آیا۔ اندورنِ ملک میں قومی کونسل کو فروغِ اردو کے لیے قومی نوڈل ایجنسی قرار دیا گیا۔ اس کی شناخت اردو زبان کے فروغ اور اردو تعلیم کو مرکزی دھارے میں لانے کے لیے وزارتِ ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند کے ایک اہم خود مختار ادارے کی حیثیت سے قائم ہوئی۔ اپنی ذمے داریوں کے عملی مدت کار میں کونسل پر فارسی اور عربی زبانوں کے فروغ کی اضافی ذمے داری بھی عائد کی گئی، جس نے ہندوستان کے مشترکہ کلچر کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ قومی اردو کونسل کے مقاصد میں اردو زبان کی ترقی، فروغ اور اس کی اشاعت، سائنسی علوم اور تکنیکی ترقی کے ساتھ عصری تناظر میں پنپنے والے افکار ونظریات کی معلومات کو اردو زبان میں مہیا کرانے کے لیے عملی اقدام کے علاوہ اردو ذریعہ تعلیم کے توسط سے فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی فراہمی پر خصوصی توجہ مرکوز کرنا بھی شامل ہے۔ ان مقاصد کے پیش نظر کونسل کے تعلیم کا نیٹورک سارے ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔

قومی اردو کونسل اردو کا واحد خود مختار ادارہ ہے جو اردو زبان کے فروغ اور ہندوستان میں اردو ذریعہ تعلیم کے تعلق سے مؤثر پالیسیوں کو وضع کرنے کے ساتھ فاصلاتی تعلیم کی وسعت میں بھی اہم کردار نبھا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاصلاتی تعلیم کی سطح پر اس ادارے کی جو کار کردگی رہی ہے اور جتنی تیزی سے عوام میں مقبول ہوئی اتنی کم مدّت میں بہت کم اداروں کو یہ مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی۔ اس کا اندازہ صرف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بروقت کونسل کے مختلف اکیڈمک پروگرام جو فاصلاتی طرز پر چلائے جا رہے ہیں ان میں 70622 طلبہ کا اندراج ہے جو ملک گیر پیمانے پر تقریباً 235 اضلاع میں 1707 اسٹڈی سینٹرز کے مابین پھیلے ہوئے ہیں۔ اردو عربی لینگوج ٹیچنگ کا یہ ایک بہت بڑا نیٹورک ہے۔ بڑی تعداد میں اردو سیکھنے والوں کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اردو کی اسکرپٹ کو ملک بھر میں مقبول بنانے کے لیے کونسل نے انگریزی اور ہندی میڈیم کے ذریعے فاصلاتی نظام طرز پر ایک سالہ ڈپلومہ کورس شروع کیا ہے۔ اس کورس کو ملک بھر میں مقبولیت حاصل ہے۔ کونسل کے یہ منظور شدہ سینٹر کی تعداد تقریباً 1000 کے قریب ہے۔ سال 12-2011 میں ان سینٹرز میں 42151 طلبہ بشمول 19336 طالبہ اردو ڈپلومہ کورس میں انرولڈ تھے۔ اس کے علاوہ کونسل غیر سرکاری تنظیموں کے اسٹڈی سینٹر کے ذریعے عربی زبان میں دو سالہ ڈپلومہ کورس اور ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس بھی ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد وشمار سے کونسل کے فاصلاتی کورس کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

نمبر	کورسز کے نام	سیشنز (Sessions)	انرولمنٹ کی تعداد	فارغین کی تعداد
.1	دوسالہ فنکشنل عربک ڈپلومہ	2002-2012 (9 تعلیمی سیشنز)	72,000	36,477
.2	ایک سالہ سرٹیفکیٹ عربک کورس	2007-2012 (5 تعلیمی سیشنز)	38,500	28,880
.3	ایک سالہ اردو کورس	2004-2012 (8 تعلیمی سیشنز)	1,58,200	1,21,210
		کل تعداد	2,68,700	1,86,567
.4	آن لائن اردو لرننگ کورس		1837	

جدول میں دیے گئے اعداد وشمار کے مطابق کونسل کے مختلف فاصلاتی کورسز میں اب تک داخلہ لینے والوں کی تعداد 2.7 لاکھ اور سند یافتہ لوگوں کی تعداد 1.9 لاکھ ہے۔ فاصلاتی تعلیم کے میدان میں کونسل کی یہ نمایاں کار کردگی ہے۔ کونسل کے نئے ڈائرکٹر خواجہ اکرام اردو کے ایک اسکالر ہونے کے ساتھ کمپیوٹر، ڈیجیٹل لرنگ اور ای لرنگ کے جُز (Aspects) سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ اس موضوع پر ملک و بیرونِ ملک میں کئی پرزنٹیشن بھی دے چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس مہارت (Experties) کا استعمال کرتے ہوئے آن لائن لرنگ یا ڈیجیٹل لرنگ کو کونسل میں نہ صرف متعارف کیا بلکہ آن لائن اردو ڈیجیٹل لرنگ اور آن لائن ڈیجیٹل کمپیوٹر لرنگ جیسے نئے کورسز کی شروعات کی۔ آج ہزاروں لوگ ان کورسز سے مستفید ہو رہے ہیں۔ انٹرنیٹ اور کمپیوٹر اب ہماری زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ لیکن آج بھی اردو میں کمپیوٹر اور نیٹ کا استعمال دوسری زبانوں کے مقابلے اردو میں کم ہو رہا ہے۔ اس سمت میں کونسل کا یہ قدم قابل تعریف ہے۔

قومی اردو کونسل کی سالانہ رپورٹ کے مطابق کونسل کے اہم ترین اقدامات میں سے ایک قدم، اردو بولنے والی آبادی کو ابھرتی ہوئی انفارمیشن تکنیکی افق میں قابلِ روزگار تکنیکی قوت میں تبدیل کرنا اور ان میں زمینی سطح پر کمپیوٹر کی تعلیم کے لیے نفوذ کی راہ پیدا کرنی ہیں، اس کے لیے کونسل نے ایک سال کا کمپیوٹر کورس و ڈپلومہ ان کمپیوٹر اپلیکیشن، بزنس اکاؤنٹنگ اور ملٹی لنگول DTP، کا کورس بھی روایتی طرز پر شروع کیا ہے جو کئی برسوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اردو زبان میں انفارمیشن ٹکنالوجی اور اردو بولنے والے طلبہ اور طالبات کو ہندوستان کے قابلِ روزگار تکنیکی قوت میں شامل کرنے کے لیے ملک بھر میں کونسل نے ڈپلومہ ان کمپیوٹر اپلیکیشن بزنس اکاؤنٹنگ اور ملٹی لنگول DTP سینٹرس قائم کیے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت اب تک 94526 طلبہ بشمول 38284 طالبات کو ڈپلومہ کی ڈگری دی جا چکی ہے جو ایک خوش آئند بات ہے۔

اردو پڑھنے والے یا اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں اکثریت غریب اور پسماندہ طبقات کی ہے (البتہ کچھ ریاستیں مثلاً مہاراشٹر، آندھرا پردیش اور کرناٹک مستثنٰی قرار دی جاسکتی ہیں)۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مڈل کلاس طبقہ بھی اپنے آپ کو اردو سے جوڑنے یا وابستہ کرنے میں جھجھک محسوس کرتا ہے۔ صحیح معنوں میں دینی مدارس نے اردو کی شمع روشن کر رکھی ہے۔ فارغینِ مدارس، اور اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ہی کونسل کے Clientele ہیں جن میں بیشتر طلبہ انگریزی میں کمزور ہوتے ہیں نتیجتاً ان کی کمیونی کیشن اسکلس بھی کمزور ہوتی ہے اس سے ان کی شخصیت پر منفی اثر ہوتا ہے۔ میری رائے میں کونسل چونکہ حکومت کا ایک سنجیدہ اور فعال ادارہ ہے، اور نئے ڈائرکٹر وسیع سوچ رکھتے ہیں۔ کیا خوب اچھا ہوتا اگر کونسل اردو میڈیم طلبہ اور فارغینِ مدارس کے کمیونیکیشن اسکلس اور پرسنالٹی ڈیولپمنٹ کے لیے انگریزی میں فنکشنل ڈپلومہ جیسا کورس شروع کرتی۔ اس سے اردو میڈیم اور مدارس کے طلبہ کو فائدہ ہوسکتا ہے اور ان کا مستقبل بھی سنور سکتا ہے۔ کونسل کا یہ قدم اردو کو روایتی طور پر ہی نہیں بلکہ اسے نئے مواقع اور نئے چیلنجوں کے ساتھ جوڑنے اور اس کے ساتھ کام کرنے لیے بھی ہوگا۔ موجودہ دور میں وہی زبانیں اپنا وجود بنائے ہوئے رکھ سکتی ہیں جو بازار کی طاقتوں سے مقابلہ اور مانگ کو پورا کرسکیں۔ چونکہ اردو صرف برِّصغیر تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ عالمی سطح پر اس کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو میڈیم کے طلبہ کو بھی موجودہ چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لائق بنایا جائے جس کی بدولت عالمی مارکیٹ میں اردو والے بھی اپنا حصہ حاصل کرسکیں۔

■

Dr. Mohd Ahsan, Regional Director, Regional Centre, Maulana Azad National Urdu University- (Bhopal)

شمیم ارشاد اعظمی

قومی اردو کونسل کی طبی مطبوعات

ایک جائزہ

قومی اردو کونسل پورے ہندستان میں اردو کا سب سے بڑا سرکاری ادارہ ہے۔کونسل نے اردو کی ترویج و اشاعت اور فروغ کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں طبی و سائنسی علوم کی ترقی وفروغ میں بھی اہم حصہ لیا ہے۔ان علوم پر سمینار اور ورکشاپ کا انعقاد کیا ہے۔طب یونانی کے تعلق سے کونسل کی خدمات آب زر سے لکھی جانے کے قابل ہے۔کونسل نے طبی کتب کی ترویج اشاعت میں اہم رول ادا کیا ہے۔ایک زمانہ تھا کہ طب کی نصابی ضروریات کی کتابیں عنقا تھیں کونسل نے اس سمت مثبت اور ٹھوس قدم اٹھایا اور طبی ماہرین سے نصابی ضروریات کے مطابق مفید کتابیں لکھوائیں۔کونسل نے ایک طبی پینل بنایا جس میں ملک کے مشہور صاحب علم وقلم اطبا اور طبیہ کالجوں سے وابستہ اساتذہ کرام کو شامل کیا گیا تھا۔1989 میں طب یونانی کی درسی کتابوں کی تیاری اور تعلیم کے مسائل پر کونسل کرنول، آندھرا پردیش میں ایک سہ روزہ سمینار منعقد کیا تھا۔اس سمینار میں طبیہ کالجوں کے اساتذہ اور طلبا نے شرکت کی تھی۔اسی وقت طبی پینل کی میٹنگ بھی ہوئی تھی جس میں مختلف طبی موضوعات جیسے معالجات، علم الجراحت، علم الادویہ، امراض قلب، امراض عفونیہ، دوائی پودے، جدید فارماکولوجی وغیرہ پر کتابیں تیار کرنے کا فیصلہ لیا گیا تھا۔اور مختلف مضامین کے ماہرین کے ذمے متعلقہ مضامین لکھنے کا کام بھی سپرد کیا گیا تھا لیکن جنوری 1991 تک اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ یہی نہیں مذکورہ سمینار میں آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتے ہوئے مزید تین سمینار کے انعقاد کا فیصلہ بھی لیا گیا۔اس کے موضوعات تھے طب یونانی کی تعلیم میں جدید سائنس کا حصہ، طب یونانی کی کتابوں کے ترجمے کے مسائل اور طب یونانی اور عصری تقاضے۔سیمینار 23 تا25 جنوری 1991 سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن اور ترقی اردو بیورو کے اشتراک سے پونہ یونانی میڈیکل کالج میں منعقد ہوا۔سیمینار میں طبی نصاب تعلیم کے مسائل پر مفید مباحثے ہوئے اور سفارشات اور تجاویز پیش ہوئیں۔ 2011 میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی نے دوبارہ طب یونانی کی درسی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت کا ایک وسیع منصوبہ بنایا۔طب کے تمام موضوعات (علم الادویہ، معالجات، تاریخ طب، نسائیات و قبالیات، علم الامراض، کلیات طب) پر ماہرین کی ایک جماعت بلائی گئی۔اور موضوع کے اعتبار سے علاحدہ طبی پینل بنائے گئے۔ہر موضوع کا ایک آبزرور (Obsrver) متعین کیا گیا۔اور مضامین کی تقسیم عمل میں آئی۔ امید کہ یہ پروجکٹ جلد ہی پورا ہوجائے گا کونسل کا یہ کارنامہ ہندستان کی طبی تاریخ میں جلی حروف سے لکھا جائے گا۔

کونسل نے اب تک طب کے دیگر موضوعات پر نصاب تعلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے، چالیس سے زائد اہم طبی کتابوں کوماہرین سے لکھوا کر شائع کیاھے۔ان میں ادویہ ،معالجات، امراض نسواں و قبالہ،تاریخ طب،تشریح، وعلم الامراض قابل ذکر ھیں ۔ان موضوعات کے علاوہ عام طبی کتب کی اشاعت بھی افادہ عام کی غرض سے عمل میں آئی ھے۔بھتر معموم ھوتا ھے که موضوعات کے لحاظ سے ان کا تذکرہ کیا جائے۔اس کے علاوہ قومی اردو کونسل نے ھر سال طبی کتابوں پر مالی تعاون فراھم کرکے ایک مفید قدم اٹھایا ھے۔ھر سال کو نسل Bulk Purchasing کے تحت طبی کتب اور رسائل کی خریداری کرکے طبی اکیڈمی اور ادارہ کو مفت تقسیم کر تا ھے۔

کونسل نے اب تک طب کے دیگر موضوعات پر نصاب تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے، چالیس سے زائد اہم طبی کتابوں کو ماہرین سے لکھوا کر شائع کیا ہے۔ان میں ادویہ، معالجات، امراض نسواں وقبالہ، تاریخ طب، تشریح، وعلم الامراض قابل ذکر ہیں۔ان موضوعات کے علاوہ عام طبی کتب کی اشاعت بھی افادہ عام کی غرض سے عمل میں آئی ہے۔بہتر معموم ہوتا ہے کہ موضوعات کے لحاظ سے ان کا تذکرہ کیا جائے۔اس کے علاوہ قومی اردو کونسل نے ہر سال طبی کتابوں پر مالی تعاون فراہم کرکے ایک مفید قدم اٹھایا ہے۔ہر سال کونسل Bulk Purchasing کے تحت طبی کتب اور رسائل کی خریداری کرکے طبی اکیڈمی اور ادارہ کو مفت تقسیم کرتا ہے۔

علم الادویہ و علم الاغذیہ

علم الادویہ سے متعلق کونسل نے دو اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ایک کا تعلق ادویہ مفردہ سے ہے اوردوسری صیدلہ سے ہے۔ یونانی ادویہ مفردہ حکیم صفی الدین کی ایک اہم کتاب ہے۔اس کتاب میں ادویہ کی ماہیت کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے نیز ادویہ مفردہ سے متعلق جدید طبی تحقیقات کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔علم الادویہ یونانی دواسازی علم الصیدلہ پر حکیم محمد مستان علی کی ایک مفید کتاب ہے۔دواسازی سے متعلق حکیم مستان نے اپنے تجربے کو شامل کر کے کتاب کو مزید وقیع بنا دیا ہے۔اس کتاب میں جدید آلات اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کی بھر پور ترغیب دی گئی ہے۔ان کے علاوہ غذا سے متعلق بھی دو اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ان میں حکیم احتشام الحق قریشی کی 'علاج بذریعہ غذا' اور شکیل احمد کی 'ہماری غذا' قابل ذکر ہیں۔

تشریح

کونسل نے علم تشریح سے متعلق کئی اہم کتابیں سلیس اردو زبان میں شائع کی ہیں۔ان میں حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی کی لکھی ہوئی تشریح الاحشا اور تشریح الہیکل قابل ذکر ہیں۔اول الذکر کی پہلی اشاعت 1984 میں عمل میں آئی جبکہ دوسری کتاب 1980 میں شائع ہوئی ہے۔اس کے علاوہ حکیم محمد کبیر الدین مرحوم کی 'تشریح تصاویر اشکال عظام' اور ڈاکٹر شبیر احمد کی 'تشریح العضلات' کونسل کی طبی اشاعت میں اہمیت کی حامل ہیں۔

علاج و معالجہ

معالجات کی نصابی ضروریات کے تحت کونسل نے ایک بڑا پروجکٹ تیار کیا۔اس عظیم کام کے لیے حکیم وسیم احمد اعظمی کا انتخاب عمل میں آیا۔آپ نے نہایت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ کام چار جلدوں میں مکمل کیا۔اس کتاب میں طب قدیم کے ساتھ طب جدید کے انکشافات اور اضافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معالجات کی کتاب کو وقیع بنایا گیا ہے۔اس سلسلے کی سب سے پہلی کوشش معالجات حصہ اول کے نام سے 1992 میں منظر عام پر آئی۔اس حصے میں امراض نظام اعصاب و دوران خون و تنفس کو بیان کیا گیا ہے۔اس کتاب کی دیگر جلدیں

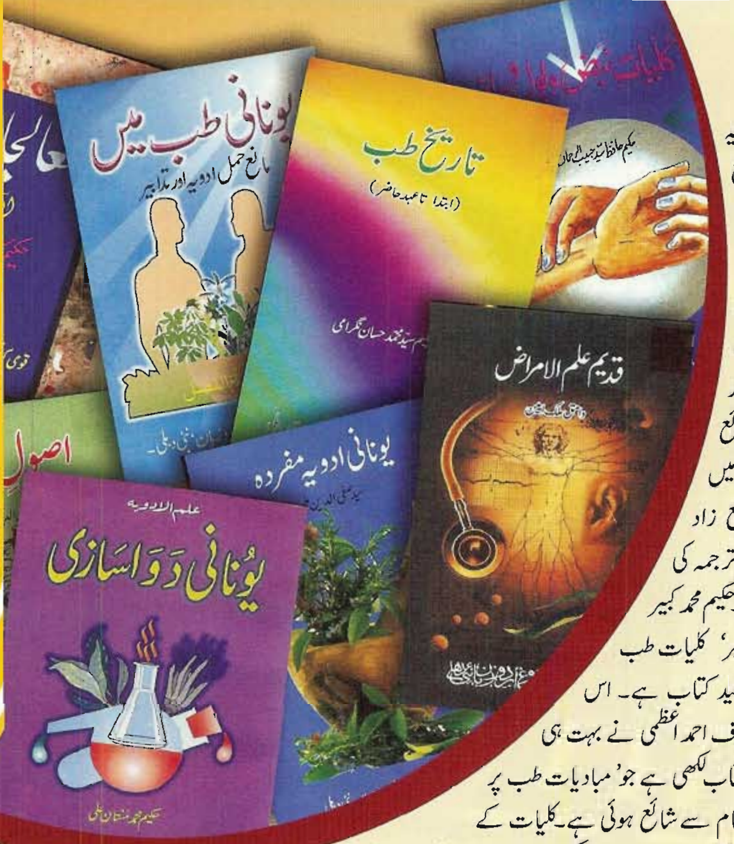

1992، 1997 اور 1997 میں یکے بعد دیگرے منظر عام پر آئیں۔ اس کے علاوہ حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی نے بچوں کے علاج و معالجہ سے متعلق 'امراض الاطفال' کے نام سے ایک اہم کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں امراض اطفال سے متعلق طب یونانی کے قدیم سرمایے کو بنیاد بنا کر مغربی طب کی جدید معلومات سے فائدہ اٹھا کر دونوں طبوں کے درمیان کامیاب تطبیق کی گئی ہے۔ اس طرح قدیم سرمایہ جدید معلومات سے ہم آہنگ ہو کر زیادہ سے زیادہ معلومات آفریں اور مفید ہو گیا ہے۔ یہ کتاب 1998 میں پہلی بار شائع ہوئی ہے اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ حسین فاروقی کی 'چند عام بیماریاں' اور مس ستیہ گپتا، شمیم نکہت کی 'بچے کی صحت' بھی اس سلسلے کی اہم اور مفید کتابیں ہیں۔

تاریخ طب

قومی اردو کونسل کی جانب سے تاریخ طب سے متعلق اہم لٹریچر کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ حکیم سید محمد حسان نگرامی نے CCIM کے مجوزہ نصاب کے مطابق طبی تاریخ پر' تاریخ طب۔ ابتدا تا عصر حاضر' ایک مبسوط کتاب تحریر کی ہے۔ 539 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی پہلی اشاعت 1989 میں عمل میں آئی۔ یہ کتاب کونسل کی مقبول کتابوں میں شامل ہے۔ عہد مامون میں طبی سرگرمیوں سے متعلق عشرت اللہ خاں نے 'عہد مامون کے طبی و فلسفیانہ کتب کا تحقیقی مطالعہ' کے نام سے ایک تحقیقی کتاب سپرد قلم کی ہے۔ اسی طرح حکیم محمد حبیب الرحمٰن نے ہندستان کے چند ممتاز اطبا کو اپنی کتاب کا حصہ بنایا ہے۔ یہ کتاب 'ہندستان کے مشہور اطبا' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

امراض نسواں و قبالت

امراض نسواں پر 'امراض النسا' اردو زبان میں پہلی تصنیف ہے جو اس قدر مبسوط ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا سہرا بھی کونسل کو گیا ہے۔ اس کتاب میں طبِ قدیم و جدید کی تطبیق اس خوبی سے کی گئی ہے کہ تنازع (Controversy) کے بجائے طبِّ یونانی کا حسن بن گیا ہے۔ 835 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 1978 میں پہلی بار ترقی اردو بورڈ سے شائع ہوئی تھی۔ 2010 تک اس کتاب کے پانچ ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔ حکیم محمد عباس رضوی کی 'قبالیات' اور 'نسائیات' بھی نصابی ضروریات کو بخوبی پورا کر رہی ہیں۔ ان کے علاوہ طبیبہ ام الفضل نے مانع حمل ادویات اور تدابیر پر مشتمل 'یونانی طب میں مانع حمل ادویہ اور تدابیر' کے عنوان سے ایک مفید کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد کوشش ہے۔

کلیات طب

کلیات طب سے متعلق کونسل سے نہایت مفید اور مستند کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں زیادہ تر کتابیں طبع زاد ہیں۔ چند کتابیں ترجمہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حکیم محمد کبیر الدین کی' افادہ کبیر' کلیات طب سے متعلق ایک مفید کتاب ہے۔ اس موضوع پر حکیم الطاف احمد اعظمی نے بہت ہی تحقیقی اور عالمانہ کتاب لکھی ہے جو' مبادیات طب پر ایک تحقیقی نظر' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ کلیات کے بعض اہم پہلو جیسے نبض، بول و براز پر حکیم سید حبیب الرحمٰن نے' کلیات نبض و بول و براز' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ کتاب المرشد اور موجز القانون کی حیثیت ترجمہ کی ہے۔ اول الذکر رازی کا ایک رسالہ تھا جسے رضی الاسلام ندوی نے سلیس زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ دوسری موجز القانون دراصل علاء الدین قرشی کی مشہور و معروف کتاب کا اردو ترجمہ ہے جسے حکیم کوثر چاندپوری نے بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔

ماہیت الامراض

اس موضوع پر محمد ہشام صدیقی نے اپنے تدریسی تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' امراض اور ان کی حقیقت' کے نام سے ایک اچھی کتاب لکھی ہے۔ قدیم علم الامراض کے نام سے حکیم ملک محمد وامق امین کی سادہ زبان میں ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پیتھالوجی پر جدید نقطہ نظر سے حکیم سید اسعد رضا زیدی نے' ماہیت الامراض' کے نام سے نصابی ضروریات کے تحت ایک کتاب لکھی ہے۔

طب کی عام کتب

قومی اردو کونسل نے طب کے عام موضوعات پر بھی کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں بھی کچھ کتابیں ترجمہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ محمد برہان حسین کی کتاب' سرطان کیا ہے؟' متعلقہ موضوع پر اردو زبان میں اولین کوشش ہے۔ حسین فاروقی کی' تیمارداری' نرسنگ کے موضوع پر ایک مفید کتاب ہے۔ چینی طریقہ علاج پر محمد ظہیر الدین کی کتاب' چائنیز طب ایکوپنکچر اور موکسی بوشن کے بنیادی اصول' مذکورہ موضوع سے متعلق عمدہ مواد فراہم کرتی ہے۔ حکیم ابوسعد خالد جاوید کی درد۔ علامت اور علاج پر مشہور کتاب ہے۔ 'منشیات' از محمد رفیق اے۔ ایس نور' شراب نوشی اور منشیات کی لت' بقلم حسین فاروقی کی متعلقہ موضوع پر تفصیلی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ اسی طرح 'پیٹ کے کیڑے' بھی محمد رفیق اے۔ ایس کی اہم کتاب ہے۔ حسن الدین احمد اور غلام احمد کی فطری علاج اور قیصر سرمست کی کتاب' ہمارے جسم کا معجزاتی نظام' اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ سید کمال الدین حسین ہمدانی کی' اصول طب' ایک طبی کتاب ہے۔ یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ باب اول میں کلیات امور طبیعیہ، باب دوم میں کلیات امراض واسباب واعراض، باب سوم میں کلیات نبض، بول و براز، باب چہارم میں کلیات ادویہ اور باب پنجم میں کلیات علاج و نسخہ نویسی شامل ہے۔ اصول طب کونسل کی مقبول کتابوں میں شامل ہے۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔

□

Shamim Irshad Azmi, Jamia Tibbiya Deoband, GT Road, Deoband, Dist. Shahranpur - 247554 (UP)

ادارہ

لوگ کہتے ہیں...

سید محمد اشرف

اردو کے فروغ سے متعلق سرکاری اور نیم سرکاری تنظیموں میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان فی الوقت سب سے زیادہ فعال اور مفید ہے۔ اردو خواندگی سے متعلق بامعنی کوششوں سے لے کر دلچسپ، معلوماتی، خوب صورت اور تحقیقی مجلّے پابندی سے شائع کرنا، کمپیوٹر کو اردو سے جوڑنا اور ان دونوں کو روزگار سے وابستہ کرنا بلاشبہ ایسے کام ہیں جنھیں تحسین کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے امداد فراہم کرنا اور شائع شدہ کتابوں کو خریدنا اس پر مستزاد— اردو کمپیوٹر کے مراکز کا شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک ایک جال سا بچھ گیا ہے۔ یہ تمام کام کسی ایک سال یا کسی ایک مخصوص دورانیے میں وجود پزیر نہیں ہوئے ہیں۔ موجودہ کونسل اور اس کے پیش رو ترقی اردو بورڈ کو اکثر صاحبِ فکر و عمل سربراہ نصیب ہوئے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ کونسل کے کارنامے ان سب کی مساعی کا مشترکہ نتیجہ ہیں۔ امیدِ قوی ہے کہ کونسل کے موجودہ سربراہ کی باوقار اور فعال شخصیت اور وسیع تعلقاتِ عامہ کے دوش بدوش موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد خواجہ اکرام الدین کی اردو وسائل سے زمینی سطح پر واقفیت، کمپیوٹر کے تعلق سے ماہرانہ معلومات شخصیت دیانت، کردار کی صلابت اور محنتِ شاقہ کونسل کے منصوبوں کو مزید وسعت اور طاقت عطا کریں گے اور عمل کا دائرہ ان دور دراز پس ماندہ علاقوں تک بھی جائے گا جہاں اردو سے محبت کرنے والے تو بہت ہیں لیکن وسائل یا تو نہیں ہیں یا بہت کم ہیں۔ کونسل کے دفتری نظام میں مزید تیز گامی کی ضرورت ہے۔ فیصلوں اور ان کے نفاذ کے درمیانی وقفے کو کم سے کم کرنا بھی لازی ہے۔ صحیح اور صائب فیصلے دور و نزدیک سے دیکھنے والوں کو مزید شفاف نظر آئیں تو یہ امر مزید مسرت کا باعث ہوگا۔ کونسل کی دن دونی رات چوگنی ترقی کے لیے نیک تمنائیں اور دلی دعائیں۔

(ساہتیہ اکادمی کے ایوارڈ یافتہ مشہور اردو افسانہ نگار، دہلی)

سلام بن رزاق

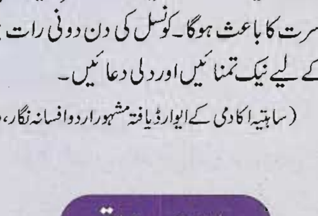

یوں تو ہمارے ملک میں اردو زبان کی ترقی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے کئی بڑے ادارے اپنے اپنے

طور پر کام کررہے ہیں۔ مختلف ریاستوں کی اردو اکادمیاں بھی بساط بھر اردو کی خدمت انجام دے رہی ہیں مگر ان سب میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی کو جو امتیاز حاصل ہے وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ادبی اور ثقافتی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے۔ کونسل نے ملک کے طول وعرض میں اردو کمپیوٹر کلاسز، خطاطی اور طغرانویسی کے مراکز کا جال سا پھیلا دیا ہے، ہر سال سینکڑوں ادیبوں اور شاعروں کے مسودوں پر مالی امداد کے علاوہ کتابوں کی خریداری کی صورت میں بھی قلم کاروں کی مالی اعانت کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کونسل ہر سال اپنے طور پر بھی کتابیں شائع کرتی رہتی ہے۔ جب سے کونسل کا قیام عمل میں آیا ہے تب سے کونسل کے زیر اہتمام سہ ماہی فکر وتحقیق جیسا باوقار ادبی مجلّہ اور اردو دنیا جیسا مقبولِ عام رسالہ باقاعدگی سے شائع ہورہے ہیں، ماہنامہ اردو دنیا تو اس وقت اردو کا سب سے کثیرالاشاعت اور ہردلعزیز رسالہ بن چکا ہے، اس کے علاوہ کونسل ہر سال مختلف شہروں میں اردو میلے کا بھی انعقاد کرتی ہے جس میں لاکھوں روپے کی کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اپنے نام کی مناسبت سے واقعتاً فروغ اردو کا کام کررہی ہے۔

(ساہتیہ اکادمی ایوارڈ یافتہ مشہور اردو افسانہ نگار اور صحافی، تھانے مہاراشٹر)

پروفیسر احمد سجاد

قومی اردو کونسل نے جدید ٹکنالوجی اور علم وادب کے تعلق سے اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ کونسل نے اردو کو انفارمیشن ٹکنالوجی سے عملی اور نظری اعتبار سے جوڑا ہے۔ اردو آبادی کو فکری وذہنی طور پر اور عملاً روزگار کے مواقع فراہم کیے ہیں۔ اردو زبان وادب جسے فلم کے نغموں اور تفریح تک محدود کردیا گیا تھا قومی اردو کونسل نے اردو کے فروغ کی کوشش کرتے ہوئے اس زبان میں مختلف علوم وفنون پر کتابیں شائع کی ہیں۔ اردو دنیا جو کونسل کا رسالہ ہے اس کا معیار کافی بہتر ہے اور اسے ملک اور بیرون ملک کے کسی بھی عمدہ رسالے کے مقابل رکھا جاسکتا ہے۔ بالخصوص دو چار ماہ کے اندر ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نے کونسل کو انفارمیشن ٹکنالوجی کے ایڈوانسڈ اسپیکٹ سے جوڑنے کی کوشش کی۔ وہ ایک نمائشی ڈائرکٹر نہیں ہیں بلکہ کونسل کے فکری وعملی مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ وہ ایک محقق مدبر اور مفکر ہیں۔ جس کی جھلک ان کی تصانیف اور اردو دنیا میں مل رہی ہے۔ ہر سال بیسوں ہزار طلبا اردو اور آئی ٹی کے فن سے آراستہ ہوکر مستفید ہورہے ہیں۔ یہ بذات خود ایک بے مثال کارنامہ ہے جس کی تحسین وستائش بھی ہونی چاہیے اور قدر افزائی بھی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کونسل کے اغراض ومقاصد کی اردو آبادی میں زیادہ سے زیادہ تبلیغ وتشہیر کی جائے۔ قومی اردو کونسل کو مزید توسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ ابھی بھی بہت ساری اردو آبادی اس سے محروم ہیں۔ اردو آبادی کے روزگار اور ٹکنالوجی سے متعلق ضروریات کی تکمیل کے لیے قومی اردو کونسل کو چاہیے کہ اردو آبادی میں اپنے مراکز قائم کرے۔

(فاؤنڈر چیئرمین مرکز ادب وسائنس، رانچی)

حسن کمال

قومی اردو کونسل برائے فروغ زبان سے میرا تعلق اسی طرح رہا، جس طرح ایک عام اردو داں کا ہونا چاہیے۔ میں ایک عام اردو داں کی حیثیت سے ہمیشہ کونسل کے کاموں کا معترف اور مداح رہا ہوں۔ میرے نزدیک قومی اردو کونسل کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان اردو کتابوں کو دوبارہ قابل دسترس بنادیا، جو اردو کا نہایت قیمتی ادبی سرمایہ تھیں، لیکن جن کا وجود صرف حوالوں اور تذکروں تک سمٹ کر رہ گیا تھا۔ اس کے علاوہ کونسل نے کئی بار ممبئی جیسے شہر میں اردو کتابی میلے کا بھی انعقاد کیا، جن کی افادیت ناقابل تعدید تھی۔ یہ میلے اردو کتابوں کی فروخت کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئے، میرے خیال میں یہ میلے بار بار اور جگہ جگہ ہونے چاہئیں۔ یہ ایک بہت مثبت قدم ہوگا۔ ان میلوں نے اردو کی مقبولیت غیر اردو داں طبقے تک بھی پہنچائی ہے۔ میں کونسل کی مزید کامیابیوں کا متمنی ہوں۔

(مشہور شاعر، صحافی اور ایڈیٹوریل ایڈوائزر روزنامہ راشٹریہ سہارا، ممبئی)

سید فیصل علی

قومی اردو کونسل کو میں ایک ایسے سرکاری ادارے کے طور پر دیکھتا ہوں جس نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں شاید سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ بہت سی ایسی نایاب کتابیں دوبارہ چھاپی ہیں، جنھیں کوئی تجارتی ادارہ چھاپنے کو تیار نہیں تھا۔ اردو کے ان مصنفین کی کتابیں شائع کرائی ہیں جو اپنے مالی وسائل سے انھیں شائع نہیں کراسکتے تھے۔ ایک بڑا اہم کام اردو کونسل نے یہ کیا ہے کہ بچوں کی اردو کتابیں بہت بڑی تعداد میں چھاپی ہیں جس سے ہمارے بچوں کو بچپن سے اس شیریں زبان اور اس کے ادب کی طرف راغب کرانے میں مدد مل سکتی ہے۔ حالیہ مہینوں میں قومی کونسل نے جس طرح اردو کو انٹرنیٹ سے جوڑنے کے معاملے میں پہل کی ہے وہ بھی لائق ستائش ہے۔ میری نیک تمنائیں اردو کونسل اور اس کے ذمہ داران کے ساتھ ہیں۔

(گروپ ہیڈ سہارا اردو پبلی کیشنز وعالمی سہارا ٹی وی چینل)

پروفیسر علی احمد فاطمی

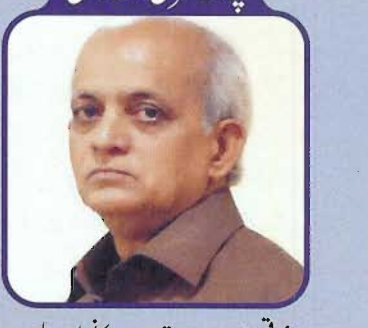

خوش قسمتی سے میں قومی اردو کونسل دہلی سے پرانی وابستگی رکھتا ہوں۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی اس ادارے سے کچھ اس طرح جڑا اور اس سے وابستہ بعض مقتدر حضرات مثلاً حیات اللہ انصاری، عبدالعلیم، گوپی چند نارنگ، شمس الرحمن فاروقی، شارب ردولوی وغیرہ سے راست طور پر شفقتیں ملتی رہیں۔ چنانچہ اس ادارے سے بھی اسی نوع کا فیض ملتا رہا۔ جس قدر قریب سے میں اس ادارے کو جان سکا ہوں، اس اعتبار سے میرا خیال ہے کہ یہ اردو کا واحد سرکاری ادارہ ہے جو بڑے پیمانے پر اردو زبان وادب کی غیر معمولی خدمات میں گزشتہ چار دہائیوں سے مصروف عمل ہے۔ چونکہ یہ کل ہند سطح کا ادارہ ہے اس لیے اس سے ملکی سطح کے دانشوران اور پروفیسران کل بھی وابستہ تھے اور آج بھی وابستہ ہیں۔ ان ذہین دماغوں نے اجتماعی طور پر اس ادارے کے توسط سے زبان وادب، صحافت وثقافت کی بے مثال ولازوال خدمات انجام دی ہیں۔ نادر ونایاب کتابیں شائع کی ہیں، کلاسیکی ادب کو از سر نو زندہ کیا ہے۔ قدیم وجدید علوم، سماجی وثقافتی فنون کو بھی شامل اشاعت کیا ہے۔ اساتذہ کے کلیات، یادگار تحقیقی مقالات، تاریخی نوعیت کی تقریبات، نشر واشاعت میں حمایت، سیمیناروں اور مذاکروں کے انعقاد میں تعاون اور اب تو سائنس، کمپیوٹر، سماجیات،، ماحولیات وغیرہ سے رشتہ جوڑ کر اس ادارے کو ایک علمی، ادبی، تحقیقی، تنقیدی مرکز نے اس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے، جہاں اس کے فکر وعمل پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ ان دنوں 'اردو دنیا' اور 'فکر وتحقیق' کا جو معیار ہو گیا ہے اس کے لیے بھی موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اور ان کے رفقا مبارکباد کے مستحق ہیں۔ چونکہ کسی نہ کسی شکل میں میں بھی اس ادارے سے وابستہ رہا ہوں۔ کلیات، کتاب وغیرہ ترتیب دی ہے اس لیے میں اپنے آپ کو مفتخر محسوس کرتا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ مستقبل میں یہ ادارہ ترقی کرتا جائے گا اور زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں مزید تاریخی کارنامے انجام دے گا۔ میری نیک خواہشات اور خدمات ہمیشہ اس ادارے کے ساتھ ہیں۔

(شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد سے وابستہ ممتاز نقاد)

غلام نبی خیال

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان ملک کا واحد لسانی اور ثقافتی ادارہ ہے جس نے سالہا سال سے ہندوستان کی سب سے زیادہ بولنے والی زبان اردو کو مختلف طریقوں سے فروغ دینے اور اس کی ہمہ گیر تشہیر کے لیے قابلِ تحسین کام انجام دیے ہیں۔ اس ادارے نے غالباً پہلی بار اردو زبان کی وساطت سے ایسے ایسے موضوعات اور مضامین کو تحقیق اور تلاش کے دائرے میں شامل کیا ہے جن کی طرف بہت کم توجہ دی گئی تھی۔ اس کا مثبت نتیجہ یہ ہے کہ آج کونسل کی بدولت اردو داں لوگوں کے سامنے رنگارنگ اور متنوع مواد کے خزینے موجود ہیں جن میں ادبیات کے علاوہ سائنس، طب، فلکیات، ماحولیات ٹیکنولوجی، لسانیات، سیاسیات، معاشیات، تاریخ و تمدن اور اسی نوع کا بے حساب مطالعاتی سرمایہ موجود ہے۔ کونسل نے موجودہ سربراہ ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین کی رہنمائی میں اردو کی نئی بستیوں کو تلاش کرنے کا بہت بڑا منصوبہ ہاتھ میں لیا ہے جسے وہ ملک کے طول و عرض میں بطریقِ احسن سرانجام دینے کی مساعی میں لگے ہیں۔ میں یہاں یہ تجویز پیش کروں گا کہ جنوبی ہندوستان میں اردو کی ترویج کے لیے باقاعدہ سرگرمیوں کا ایک سلسلہ قائم کرنے کے علاوہ کلاسیکی یونانی، لاطینی، انگریزی، عربی، فارسی، سنسکرت اور دنیا کی دیگر قدیم زبانوں کے بالخصوص غیر ادبی شہ پارے بھی اردو میں منتقل کیے جانے کا ایک جامع منصوبہ مرتب کرکے کونسل اُسے روبہ عمل لائے۔

(قومی اردو کونسل کی مجلس عاملہ کے رکن اور کشمیر کے مایہ ناز ادیب ونقاد)

مشرف عالم ذوقی

اسے میری کم علمی تصور کیجیے کہ خواجہ اکرام سے قبل میں قومی اردو کونسل کی فتوحات اور سرگرمیوں سے آگاہ نہیں تھا۔ میں آپ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ کونسل نے ترقی اور کامیابی کا جو لمبا سفر طے کیا ہے، اس سفر کی کامیابی میں ان سب لوگوں کا حصہ ہے جو کونسل سے وابستہ ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ اکرام کے چارج سنبھالنے کے بعد پہلی بار مجھے کونسل کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ میں ان فتوحات کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا جس کی شروعات ڈاکٹر خواجہ اکرام کے، ڈائرکٹر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ہوئی۔ یہ ڈاکٹر خواجہ اکرام کی محبت تھی کہ کونسل کے 41 برسوں کے سفر میں پہلی بار مجھے کسی میٹنگ میں آنے کی دعوت دی گئی۔ میرا تعلق ادب کے علاوہ میڈیا سے بھی ہے، اس لیے میڈیا پر سنجیدہ گفتگو اور کونسل کی، میڈیا سے متعلق سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لیے مجھے بھی دعوت دی گئی تھی اور پہلی ہی میٹنگ میں مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ کتابوں کی اشاعت سے لے کر میڈیا سے دلچسپی، اردو سے والہانہ عشق اور قومی اردو کونسل کو بلندیوں پر لے جانے والے خواب کی تکمیل اس لیے بھی ممکن ہے کہ یہاں سارا معاملہ جنون کا ہے اور اردو سے عشق کا— اور ایک ایسا شخص جو ہوائی قلعے نہیں بناتا، جسے زبان وادب اور میڈیا دونوں میں عبور حاصل ہو، آج کے عہد میں وہی اردو کے خواب کو تمنا کے ہر ایک مرحلے (ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب) تک پہنچا سکتا ہے۔ یہ خوبیاں ڈاکٹر خواجہ اکرام میں موجود ہیں۔ خواجہ اکرام کے آنے کے بعد ایک بڑی اور خوشگوار تبدیلی الکٹرانک میڈیا میں دیکھنے کو ملی۔ پہلی بار الکٹرانک میڈیا کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے کسی اردو ادارے نے اردو، ہندی اور انگریزی کے تمام بڑے اخباروں میں اشتہار نکال کر ہندستان کے تمام بڑے ڈائرکٹر اور پروڈیوسر کو پروگرام بنانے کی طرف متوجہ کیا اور پہلی بار قومی اردو کونسل کی تاریخ میں D.A.V.P اور دور درشن کے طرز پر گائیڈ

لائن دی گئی۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ اب تک قومی اردو کونسل جس کی مقبولیت اردو کی حد تک محدود تھی، اس کا دائرہ کار وسیع ہوا۔ آڈیو اور وی ڈی او پروگرامس کو لے کر جو کوالٹی اب دیکھنے کو مل رہی ہے، اسے بھی ایک بڑی کامیابی کا حصہ تصور کیا جانا چاہیے۔ قومی اردو کونسل کی آج کی تاریخ میں کامیابی کا راز یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر خواجہ اکرام اردو کے حق میں کوئی بھی بڑا فیصلہ لینے سے گھبراتے نہیں ہیں اور اسی لیے ان کی نگرانی میں نہ صرف کام کی رفتار تیز ہے بلکہ تاخیر کی شکایت بھی دور ہو چکی ہے۔ میں ان اقدام کے لیے ڈاکٹر خواجہ اکرام اور قومی اردو کونسل سے وابستہ افراد کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

(مشہور ناول نگار اور ٹی وی پروڈیوسر، دہلی)

پروفیسر ظفرالدین

...ترقی اردو بورڈ اردو والوں کی دیرینہ خواب کی تعبیر کی طرح معرضِ وجود میں آیا تھا۔ بورڈ نے 'خاموشی' کے ساتھ اردو زبان و ادب کی خدمات انجام دیں۔ لیکن وقت کے ساتھ اس کی سرگرمیوں کے دائرے میں وسعت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ قومی اردو کونسل کی شکل میں اس کی تشکیل جدید ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کونسل اردو دنیا والوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ پورے ہندوستان میں اردو کا غلغلہ مچ گیا۔ ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا اور جہاں جہاں اردو تھی اردو کونسل نے وہاں پہنچ کر اس کی خدمت کی۔ کمپیوٹر سینٹر کا قیام، موبائل اردو سیل اور ایکزیبیشن وین کے دورے اور مختلف مدت میں مالی تعاون کر کے اردو کی سرگرمیوں کو عام کر دیا۔ وہ ادارے جو سیمینار اور سمپوزیم کا باقاعدہ تصور بھی نہ رکھتے تھے، کونسل کے تعاون سے فعال اور متحرک ہو گئے۔ اردو کونسل نے اردو والوں کی فکری ساخت کو بلند کیا، ان میں ذوق و جستجو پیدا کی اور ایک بڑی آبادی کو اردو سے جوڑ دیا۔ ان تمام باتوں کو عام کرنے میں کونسل کے رسالہ 'اردو دنیا' نے بھی بہت کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس کی جذباتیات، معتبریات اور ہمہ رنگی نے اسے ہندوستان میں اردو کا سب سے مقبول اور پسندیدہ میگزین بنا دیا ہے۔ میں اس ہمہ جہت اور منصوبہ بند ترقی کے لیے کونسل کے سابق و موجودہ اکابرین اور کارکنان سبھوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

(ڈین، اسکول برائے زبان، لسانیات والسنہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

ڈاکٹر معصوم شرقی

زمینی سطح پر قومی اردو کونسل نے قلیل عرصے میں اردو زبان و ادب کے فروغ تعلیمی استحکام و توسیع کی راہ میں نئی جہتوں کی تلاش اور اردو آبادی کو الیکٹرونک میڈیا اور انفارمیشن ٹکنالوجی سے جوڑنے کا جو تاریخ ساز عملی اقدامات کیے ہیں اُن کو تاریخ ادب کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ کونسل نے پورے ملک میں کمپیوٹر مراکز کا ایک جال پھیلا دیا ہے جس سے لاکھوں طلبہ و طالبات فیضیاب ہوتے ہیں۔ اردو صحافیوں کا تربیتی کورس اور اردو کمپیوٹر میں تربیت یافتہ بیشتر طلبہ اردو اخبارات میں کام حاصل کرتے ہیں جس سے اُن کا روزی روٹی کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

'فکر و تحقیق' اور 'اردو دنیا' اردو کونسل کے دو اہم ORGAN ہیں جن سے زبان ادب، سائنس، طب، تہذیب و ثقافت، فن و شخصیت، صحت و صحافت، نئی مطبوعات، قدیم معلومات، فوٹو فیچر، بچوں کی دنیا، اردو طلبہ کے عصری مسائل اور ترسیل و ابلاغ کے تقاضے کماحقہ پورے ہوتے ہیں۔

پچھلے چند برسوں میں نصابی ضرورتوں کے پیش نظر کئی اہم اور نایاب کتابیں کونسل نے شائع کیں۔ آج مجھے کالج کا وہ زمانہ یاد آ رہا ہے جب اردو کی نادر و نایاب کتب کے لیے دوسرے شہروں کے کتب خانوں کی خاک چھاننا پڑتا تھا آج یہ عالم ہے کہ کونسل نے مختلف اصنافِ ادب کی ڈھیر ساری نایاب کتابیں شائع کر کے تشنگانِ علم و ادب کے لیے گھر بیٹھے حصولیابی کا معقول انتظام کر رکھا ہے۔ اس طرح اردو ادب کا گم ہوتا، ہمارا بیش بہا ادبی سرمایہ مخزن کی شکل میں محفوظ ہو رہا ہے۔ راقم السطور قومی اردو کونسل کے جملہ فعال اراکین کی مساعیِ جمیلہ کی توصیف کے ساتھ اُن کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا ہے۔!!

(آر ایل بی لین پوسٹ آفس، شمالی 24 پرگنہ (کولکاتا شال))

ایم نصراللہ نصر

قومی اردو کونسل کی کارکردگی نا قابلِ تعریف ہے۔ اس کی تیز گامی اور مقبولیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اردو زبان کے فروغ میں اس کا حصہ نمایاں اور قابلِ تحسین ہے۔ 'اردو دنیا' اور 'فکر و تحقیق' کے حوالے سے اردو ادب کی ترقی و ترویج میں اس کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ منتخب اور معلوماتی مضامین نیز تحقیقی و تنقیدی مقالات اور معیاری تخلیقات اس کے اوراق کی زینت بنتے ہیں۔ ویژن ڈاکیومنٹ تیار کرنا اور ہزاروں نوجوانوں کو اردو زبان سے جوڑ کر روزگار حاصل کرنے کے قابل بنانا نیز کلاسیکی، لسانی، ادبی، ثقافتی، صحافتی، تاریخی اور تربیتی معلومات فراہم کرنا اس کے مشمولات میں شامل ہیں۔ عصر حاضر میں ترسیل و ابلاغ کی اہمیت کے پیش نظر اہم کارنامے انجام دینا اور معیاری ادبی رسالہ شائع کرنا اس کے وقار کو اوج ثریا عطا کرتے ہیں۔ ہم دل کی گہرائیوں سے اس ادارے کے جملہ اراکین اور معاونین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ نیز مستقبل میں اس کی مزید ترقی و ترویج کے لیے دعا گو بھی ہیں۔

(شالیمار اپارٹمنٹ، ستین بوس روڈ، دانش شیخ لین، باکل تلہ، ہوڑہ)

■

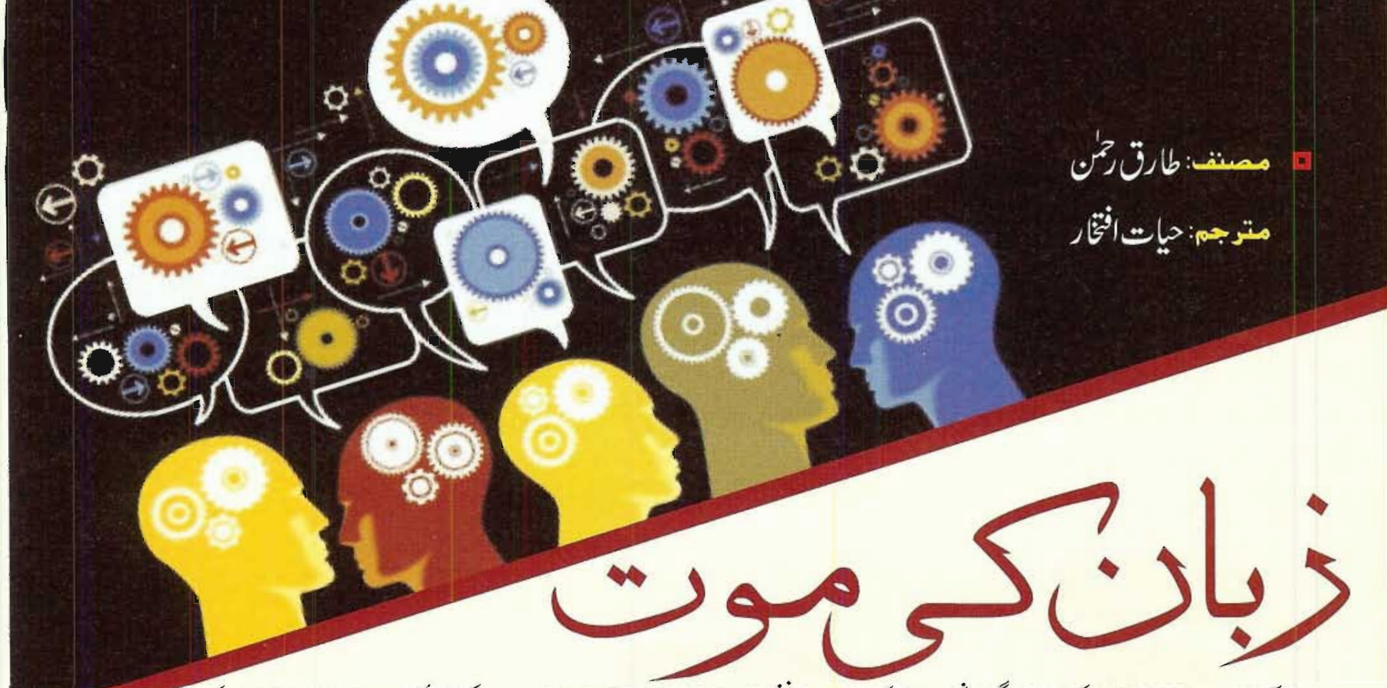

مصنف: طارق رحمٰن
مترجم: حیات افتخار

زبان کی موت

اس کرۂ زمین پر بنی نوع انسان کی اوسط زندگی پانچ اور دس ملین سال کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسان نے زبان کب ایجاد کی ویسے تمام انسانی سماجوں میں زبان کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ماقبل تاریخ کے دور میں دس ہزار سے پندرہ ہزار زبانیں رائج رہی ہیں۔ جب کسی زبان کے تمام بولنے والے مرجاتے یا وہ کوئی دوسری زبان بولنا شروع کردیتے تو وہ زبان فوت ہوجاتی۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی طاقتور زبانیں جو دنیا کے بہت بڑے علاقوں میں بولی جاتی تھیں وہ معدوم ہوچکی ہیں۔ مثال کے طور پر آئرلینڈ کی زبان آئرش گیلک (Irish Gaelic)، جو اس جزیرے پر برطانوی تسلط سے قبل وہاں کی زبان تھی معدوم ہوگئی کیونکہ لوگ انگریزی کی طرف منتقل ہوگئے۔ ان زبانوں کی نشاندہی کے لیے ہمیں نکولاس آسٹلر (Nicholas Ostler) جیسے تاریخی لسانیات کے ماہرین کا شکرگزار ہونا پڑے گا جن کے ذریعے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بعض زبانوں کا عروج و زوال پیش آیا۔ (جن کی کتاب 'دنیا کی لسانی تاریخ' اس سلسلے میں معاون ثابت ہوتی ہے)۔

آج کل انسانی زبانوں کے معدوم ہونے کی رفتار بہت تیز ہوچکی ہے۔ اب بھی ہمارے درمیان چھ ہزار سے زائد زبانیں موجود ہیں لیکن ہم روز بروز انھیں کھوتے جارہے ہیں۔

آخر 'زبان کی موت' سے کیا مراد ہے؟ اس کا مطلب ہے جب کسی زبان کا آخری بولنے والا بھی نہیں رہتا تو وہ زبان مردہ قرار دے دی جاتی ہے یا کسی زبان کے بولنے والوں کا رجحان دوسری زبان کی جانب بڑھ جائے تو بھی رفتہ رفتہ وہ زبان ختم ہوجاتی ہے، اس عمل یا واقعہ کو ماہر لسانیات فش مین (Fishman) کے الفاظ میں زبان کے انتقال (Language Shift) سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض ماہرین اس نکتے پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عام طور پر لوگ اپنی مادری زبان سے دوسری زبان کی جانب اس وقت تک منتقل نہیں ہوتے جب تک کہ ان پر اس سلسلے میں کوئی دباؤ نہ پڑے یعنی ایسا کرنے پر انھیں مجبور نہ کردیا جائے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ انھیں راست طور پر انھیں اپنی زبان بولنے سے روک دیا گیا ہو یا پابندی عائد کردی گئی (حالانکہ تاریخ میں بعض زبانوں کے ساتھ ایسا بھی ہوا ہے)۔ دراصل حالات ایسے پیدا کردیے جاتے ہیں کہ کسی زبان کے بولنے والے اپنی زبان سے دور ہوتے جاتے ہیں مثلاً اس زبان میں خاطر خواہ تعلیم کا انتظام نہ ہو اور نہ انھیں کوئی روزگار ملتا ہو یا ان کی زبان کو حقارت سے دیکھا جاتا ہو اور اس کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہو۔ ایسی صورتِ حال میں اُس زبان کے بولنے والے ایسی زبان کی جانب متوجہ ہوجاتے ہیں جو ملازمتوں، تعلیمی نظام، ذرائع ابلاغ (میڈیا)، تجارت اور اشرافیہ کی زبان ہو۔

مذکورہ باتوں سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کوئی بھی زبان بذاتِ خود نہیں مرتی بلکہ اسے مار دیا جاتا ہے مثلاً ایسے حالات یا صورتِ حال پیدا کردی جاتی ہے کہ لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ انھیں اپنی زبان سیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس طرح وہ مایوسی اور احساس کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ٹواسکٹناب اور کنگس (Toveskuttnab & Kangas) نامی ماہرین لسانیات نے اس سانحے کو لسانی نسل کشی (Linguistic Genocide) سے تعبیر کیا ہے۔ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ مقتول زبان بولنے والا گروہ اُس زبان کو سیکھنے پر مائل ہوجاتا ہے جو اس کے زبان کی قاتل ہے کیونکہ اس زبان کا بول بالا ہوتا ہے اور اس زبان کا اکتساب وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر سودمند اور کارآمد سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال اصلاحات کے چکر میں نہ پڑتے ہوئے عام فہم زبان میں اس واقعہ کو زبان کی موت ہی کہا جائے گا۔

آخر زبانیں کیوں اتنی تیزی سے نابود ہوتی جارہی ہیں۔ اس کا سبب جدید کاری اور عالم کاری (Modernisation & Globalisation) بتایا جاتا ہے۔ جدید کاری نے سماج کو متحرک اور تعلیم یافتہ بنا دیا ہے۔ عوام اپنا گاؤں چھوڑ کر شہروں کا رخ کررہے ہیں اور شہروں کی آبادی میں اضافہ کررہے ہیں۔ یہاں وہ عام طور پر ملازمت کرتے ہیں جہاں انھیں قومی زبان یا کسی طاقتور زبان سے سامنا کرنا پڑتا ہے جسے وہ نئے ماحول میں نئی زندگی گزارنے کے لیے سیکھنے پر مجبور ہیں۔ عالم کاری نے ان رجحانات میں اضافہ کیا ہے۔ مواصلات کے ذرائع میں ترقی کی وجہ سے لوگ پہلے سے زیادہ متحرک ہوگئے ہیں۔ وہ غیرممالک کا سفر کرنے لگے ہیں اور پہلے سے زیادہ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ اس طرح وہ بارسوخ اور بااقتدار زبانوں کی جانب زیادہ سے زیادہ مبذول ہوکر اپنی ذاتی زبانوں کو گاؤں اور قصبے میں چھوڑ آئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں قریوں میں جدید اشیا کی اتنی بہتات ہوگئی ہے کہ گاؤں کی صورت ہی بدل گئی ہے وہ گاؤں اب باقی نہیں رہا جسے وہ چھوڑ آئے تھے اور جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی۔

جنوبی ایشیا کی اہم زبانوں میں انگریزی، ہندی اور اردو کا شمار ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ہندی اور پاکستان میں اردو کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ اس لیے ہندی کو

ہندوستان میں اور اردو کو پاکستان میں حاوی زبانوں کی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کے دیگر گوشوں میں بھی کئی ایسی زبانیں ہیں جو دیگر چھوٹی اور کمزور زبانوں کے وجود کے لیے خطرہ کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ لسانیات کے ماہرین کے لیے یہ بات تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اس لیے انھوں نے چھوٹی زبانوں کی موت یا ان کے نابود ہونے کے وجوہات پر غور وفکر کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو (Unesco) نے اس صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد 2003 میں یہ موقف اختیار کیا کہ اقلیتی زبانوں کی تعلیم پر زور دینا چاہیے اس سلسلے میں نومبر 2003 میں بنکاک کے مقام پر کثیر لسانی تعلیم کے متعلق ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس کے بعد جولائی 2008 میں بنکاک ہی میں اسی موضوع پر دوسری بڑی کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کے شرکا نے بتایا کہ چھوٹے بچوں کو کس طرح اقلیتی زبانوں میں تعلیم دی جارہی ہے۔ اس طرح نابود ہوتی ہوئی زبانوں کو بچانے کے لیے ان کی تعلیم کے ذریعے موثر طریقہ اختیار کیا جارہا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زبانوں کو کالعدم ہونے سے کیوں بچایا جائے؟ زبانوں سے دست بردار ہونے کی تائید کرنے والوں کا ایک نظریہ بھی ہے کہ بہت زیادہ زبانیں ہوں گی تو ان کی تعلیم کا انتظام کرنا اور انھیں تحفظ دینا مہنگا، غیر مفید اور تقسیم کو فروغ دینے کا باعث بھی ہوتا ہے۔ ان زبانوں کو سیکھنے اور اس کی کتابوں کو ترجمہ کرانے پر بہت اخراجات پیش آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی تدریس کے لیے مواد، اساتذہ اور ملازمتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ انھیں سیکھنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے بہتر یہی ہے کہ یک لسانی (Monolingual) بن جائیں۔ کثیر لسانی ملک میں اس قسم کے موقف کو اختیار کرنے والے عام طور پر صرف قومی زبان کی تائید کرتے ہیں۔ اس طرح وہ لسانی شناخت اور دیگر زبانوں کے وجود سے اختلاف کرتے ہیں، دوسری طرف ایک عالمی زبان کی تائید کرنے والے انگریزی کو یک لسانی پالیسی کے لیے موزوں قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ انگریزی کے سوا دیگر زبان بولنے والی لسانی روایات اور ادبیات کے خلاف معاندانہ اور مخالفانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔

زبانوں کے تحفظ سے دلچسپی رکھنے والے ماہر لسانیات ڈیوڈ کرسٹل (David Crystal) نے اپنی تصنیف "Crystal 2000" میں دنیا کی لسانی ہمہ رنگی کے تحفظ کے لیے مندرجۂ ذیل نکات پیش کیے ہیں یعنی

کیوں زبانوں کا تحفظ کریں:

1. اس لیے کہ ہم لسانی تنوع اور رنگارنگی (ہمہ رنگی) چاہتے ہیں۔
2. اس لیے کہ زبانیں شناخت کا اظہار یہ ہیں۔
3. اس لیے کہ زبانیں علم کا خزینہ ہیں۔
4. اس لیے کہ زبانیں انسانی معلومات میں اضافہ کرتی ہیں۔
5. اس لیے کہ زبانوں کا مطالعہ بذات خود ایک دلچسپ عمل ہے۔

آخر زبانیں کیوں اتنی تیزی سے نابود ہوتی جارہی ھیں۔ اس کا سبب جدید کاری اور عالم کاری (Modernisation & Globalisation) بتایا جاتا ھے۔ جدید کاری نے سماج کو متحرك اور تعلیم یافتہ بنا دیا ھے۔ عوام اپنا گاؤں چھوڑ کر شہروں کا رخ کررھے ھیں اور شہروں کی آبادی میں اضافہ کررھے ھیں۔ یہاں وہ عام طور پر ملازمت کرتے ھیں جہاں انھیں قومی زبان یا کسی طاقتور زبان سے سامنا کرنا پڑتا ھے جسے وہ نئے ماحول میں نئی زندگی گزارنے کے لیے سیکھنے پر مجبور ھیں۔ عالم کاری نے ان رجحانات میں اضافہ کیا ھے۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حکومتیں لسانی کثرت یا لسانی شناخت کے اظہار کی حوصلہ افزائی نہیں کرتیں کیونکہ انھیں اس کی وجہ سے ان کی ریاستیں ٹوٹنے اور بکھرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اندیشہ بے بنیاد ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اقلیتوں کے حقوق اور ان کی زبانوں کا استحصال ان کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ترکی میں خردش زبان (Kurdish) زبان کو دبایا گیا تو خرد عوام ترکی حکومت سے مصالحت نہ کر سکے جس کی وجہ سے ترکی تسلط کے خلاف ان کی مزاحمت بڑھتی گئی۔

آج لسانی بیداری کے نتیجے میں زبانوں کو کالعدم ہونے سے بچانے کے لیے علمی سطح پر مساعی کا آغاز ہو چکا ہے۔ جن زبانوں کی زندگی خطرے میں ہے ان کی قواعد لکھی جارہی ہے اور لغات سازی کا کام اعلیٰ پیمانے پر ہورہا ہے۔ سماجی لسانیات کے ماہر فش مین (Fishman) نے اپنی تصنیف کیا (Can Threatened Languages be saved-pub:2001) میں لکھا ہے کہ:

''یہ سوال اب غیر یقینی جواب کا متقاضی ہے۔ ہاں البتہ ماضی کی بہ نسبت زیادہ زبانوں کو معدوم ہونے سے بچایا جاسکتا ہے مگر نہایت دانشمندانہ حکمت عملی کے ذریعے اس کے تحت اس مسئلے سے منسلک تمام باتوں پر توجہ دی جائے اور اس زبان کی حقیقی، مقامی، انسانی شناخت کے علاوہ لسانی صلاحیت اور عالمی انحصار کو مکمل طور پر تسلیم کی جائے۔'' (ص 481)

زبانوں کے تحفظ کا ایک موثر طریقہ ہے بچوں کو ان زبانوں میں تعلیم دی جائے۔ اس کے ذریعے وہ تصورات کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور ان کے اندر اپنی زبان کے ساتھ وابستگی اور لسانی شناخت کے احترام کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے، اس ضمن میں اس زبان کے اساتذہ اور اس زبان کے بولنے والے بزرگوں کو بھی اپنی زبان اور تہذیب کے تئیں احترام کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ بچے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو مثالی نمونہ سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو بچے بھی ان زبانوں کو غیر ضروری اور زائد بوجھ تصور کرنے لگیں گے اس سلسلے میں لسانی پالیسی کا تعلیمی پالیسی کے ساتھ جڑنا ضروری ہے اور ان دونوں کا رشتہ سماجی نفسیات اور تدریس کے فن کے ساتھ بھی ہے، اس موقعے پر تعلیمی لسانیات معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے اور اس طرح تحفظی لسانیات ظہور میں آتی ہے۔ لسانیات کے ان شعبوں کے اشتراک سے معدوم ہونے کے خطرے سے دوچار زبانوں کی نشاندہی کے ساتھ ان کے تحفظ کے طریقہ ہائے کار پر بھی غور وخوض کیا جاسکتا ہے اور اس طرح زبانوں کو اپنی موت آپ مرنے سے بچایا جاسکتا ہے جو ایک عظیم لسانی اور علمی خدمت ثابت ہوسکتی ہے۔

(یہ مضمون طارق رحمن کی انگریزی تصنیف 'A General Introduction to Linguistics' کے ایك باب بعنوان (Language Death) کا آزاد ترجمہ ھے۔

Dr. Hayat Iftekhar, Head Dept of Urdu, Qaed, Millat College, Medavakkam, Chennai - (TM)

دکن کی ایک نایاب مثنوی 'ظفر نامۂ عشق'

محمد علی اثر

گزشتہ چالیس پچاس برسوں کے دوران دکنی اور گجری زبان وادب کے ایک قابلِ قدر سرمائے کی بازیافت واشاعت کے باعث ایک طرف تاریخ ادب اردو چھے سو(600) سال کی قدامت اختیار کرچکی ہے، یہ نیک شگون اور قابل تحسین بات ہے، تو دوسری طرف اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ اردو شعرو ادب کا ایک قابل لحاظ حصّہ ہنوز اہل اردو کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ ہمارے ادب کی تاریخ کو متمول بنانے کے لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ سولھویں صدی سے اٹھارویں صدی عیسوی تک قدیم اردو کے جونثری رسائل اور شعری تخلیقات، مخطوطات کی شکل میں برصغیر ہندوپاک کے علاوہ دنیا بھر کے عجائب گھروں اور کتب خانوں میں بکھرے پڑے ہیں، انھیں مرتب ومدوّن کرکے منظر عام پر لایا جائے۔ اس خصوص میں مختلف ذخیرہ ہائے مخطوطات کی توضیحی فہارس ہمارے لیے رہنما ثابت ہوں گی۔

اس مضمون میں ہم، آج سے تقریباً سوا تین سو سال قدیم ایک غیر مطبوعہ اور نادرو نایاب مثنوی 'ظفر نامۂ عشق' کا تعارف کروار ہے ہیں۔ اس کے مصنف کا نام سید مظفر ابن سید ایوب شاہ ہے۔ مثنوی ظفر نامۂ عشق کے اب تک چھے (6) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ دو کتب خانۂ سالار جنگ حیدر آباد کی زینت ہیں۔ [1] ایک ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد کا مخزونہ ہے۔ [2] ایک آندھرا پردیش اورینٹل مینو اسکرپٹ لائبریری اینڈ ریسرچ سنٹر (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد) میں موجود ہے۔ [3] اور دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان میں محفوظ ہیں۔ [4]

کتب خانۂ سالار جنگ کے مخزونہ نسخوں کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے۔

''مظفر تخلص، غالباً سید مظفر نام۔ اس کے حالات کسی قدیم اور جدید تذکرے میں نہیں ملتے اور اس کی مثنوی سے بھی کوئی رہبری نہیں ملتی۔''[5]

ڈاکٹر زور اس مخطوطے کا تعارف کرواتے ہوئے اطلاع دیتے ہیں کہ

''سید مظفر مازندرانی ابوالحسن قطب شاہ (1092۔1089ھ) کا پہلا دیوان تھا اور بعد کو اس سے ناراض ہوکر اورنگ زیب عالم گیر (م 1119ھ/ 1707) کی خدمت میں چلا گیا۔''[6]

اس مثنوی کا دوسرا نام 'قصۂ مہر و ماہ' بھی ہے، جسے مظفر نے فارسی سے دکنی اردو میں منتقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

مظفر توں رکھ اس حکایت کوں یاں   ظفر نامۂ عشق کا کر بیاں

لکھا ہوں یہ میں قصۂ مہر و ماہ   مطالعہ کریں تا گدا اور شاہ

بجز عشق یاں عقل کا نئیں ہے کام   رکھا تو 'ظفر نامۂ عشق' نام

'مہر و ماہ' کے نام سے فارسی میں کئی مثنویاں ملتی ہیں۔ ایک تو عاقل خاں رازی کی مثنوی مہر و ماہ ہے جو 1065ھ کی تصنیف ہے۔ اسی نام کی دوسری مثنوی منشی غلام حسین جوہر بیدری کی ہے، تیسری مثنوی نواب علی بہار علی رئیس باندہ اور چوتھی جمال دہلوی (905ھ) کی ہے۔ ڈاکٹر زور کا خیال ہے کہ مظفر کی پیش نظر مثنوی اول الذکر شاعر کی فارسی مہر و ماہ کا دکنی میں منظوم ترجمہ ہے لیکن اس نے عاقل خان کا نام تک نہیں لیا ہے۔[7]

مثنوی ظفر نامۂ عشق کی اندرونی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مظفر ایک عالم اور صوفی شاعر تھے۔ اس کے والد سید ایوب شاہ ہی اس کے پیر و مرشد تھے۔ اس مثنوی میں مظفر نے حمد ونعت اور معراج کے بیان اور مدح بادشاہ کے بعد اپنے والدین کی تعریف میں متعدد اشعار کہے ہیں۔ پہلے صفت سید ایوب شاہ کی سرخی کے تحت چند اشعار دیکھیے:

مرے تن کے من اب مرے والدین   اُنوں کی ہے خدمت سدا مجھ پو دین

مرے ہیں ولی نعمتِ نام دار   اُنوں پرسوں(1) ہے جیوں(2) میرا اثار

دو عالم میں ان سوں مجھے عز و جاہ   مرے پیر و مرشد ہیں ایوب شاہ

اُنوں کی سو خدمت ہے طاعت مری   جو ہے حکم ان کا عبادت مری

نبوت کے کھن(3) پر کا اختر ہے او(4)   ولایت کے دریا کا گوہر ہے او

کلامِ خدا کے موافق کلام   کریں کاملاں سات مل صبح و شام

ان اشعار کے بعد شاعر نے اپنے ایک پیر بھائی شیخ احمد کی تعریف میں اشعار کا سلسلہ شروع کیا ہے اور ان کو 'مولوی زماں' اور ابوالفضل سے زیادہ عالم وفاضل کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ بعدازاں مظفر نے اپنی والدہ کی تعریف 'صفت والدۂ مصنف' کے عنوان سے کی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت شاعر کے والدین بقید حیات تھے:

کہوں یاں سوں(5) میں مدح مادرے   کہ او عفت فاطمہ خوش دھرے(6)

اُنو شان و شوکت میں بلقیس ہیں   بزرگی میں جیوں کھم(7) پو برجیس ہیں

کہ او پاک دامن ہیں مریم صفت   کہ دھرتے ہیں دائم دھرم(8) ہور ست(9)

اُنو کا ہے دل آئینہ یا ہے سور(10)   جو نورِ خدا واں کیا ہے ظہور

الٰہی مناجات دن ہور رین   میں منگتا ہوں جو در حقِ والدین

توں کر مجھ مناجات کوں(11) مستجاب   کہ اے خالق ماہتاب آفتاب

فلک پر مہ و مہر ہے جب تلک   انوں کوں تو خوش حال رکھ تب تلک

اچھو(12) سر اُپر میرے او سائبان   جو ہے لگ(13) زمیں پر سدا آسمان[7]

ظفر نامۂ عشق کی زبان وبیان اور لسانی خصوصیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ

---

(1) سے (2) دل، جان (3) آسمان (4) وہ (5) سے (6) دھرنا بمعنی رکھنا (7) آسمان (8) ایمان (9) عصمت (10) سورج (11) کو (12) رہے (13) تک

بارہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، تاہم اس کے مختلف نسخوں کی کتابت بارہویں اور تیرھویں صدی کے درمیانی زمانے میں ہوئی ہے۔ اس لیے اس مثنوی کی قطعی تاریخ تصنیف کا تعین دشوار ہے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی نے کتب خانۂ سالار جنگ کے قلمی نسخے (مخطوطہ نمبر 733) کے ایک شعر کے متوازی لکھی گئی تاریخ 1120ھ سے قیاس کیا ہے کہ شاید یہی تاریخ تصنیف ہو۔ چنانچہ انھوں نے لکھا ہے ''ایک شعر کے ساتھ 1120 لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تاریخ تصنیف ہو۔[8]

ہاشمی صاحب کا یہ بیان اس لیے محل نظر ہے کہ سید مظفر نے یہ مثنوی عہد عالم گیر میں تصنیف کی ہے اور عالمگیر نے 1119ھ/ 1707 میں وفات پائی۔ شاعر نے بادشاہِ وقت کو درج ذیل الفاظ وتراکیب سے یاد کیا ہے۔

'شہِ کامراں، شاہِ ابلابلی، جہاں کے شاہاں میں ولی، قوی طالع، شاہ بلند اختر، رسول خدا کا خلاصہ، شیر خدا کا شاگرد، سخاوت اور شجاعت میں لاثانی، عالم باعمل وغیرہ۔

مخاطبت کے مذکورہ بالا تراکیب اور الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مثنوی اورنگ زیب عالم گیر کے حینِ حیات لکھی گئی ہے اور یہ شواہد اور دلائل اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ ظفر نامۂ عشق عالم گیر کی وفات 1119ھ مطابق 1707 سے قبل کی تصنیف ہے۔ مدح عالم گیر میں مظفر نے اٹھائیس شعر کہے ہیں۔ چند شعر یہ ہیں

صفت بادشاہ اورنگ زیب غازی　　شہِ کامراں شاہِ ابلابلی (14)
جہان شہاں(15) میں ہے بے شک ولی　　خدا کے جو خاصاں میں خاصہ ہے اُو
رسولِؐ خدا کا خلاصہ ہے اُو　　سو اُو کون جو شاہ اورنگ زیب
کیا فکر کوں دور اس کا نہیب　　دھریں لطف سو اس پو آلِ رسول
اچھے(16) شاخ پر سائباں جیوں(17) کہ پھول　　رہے اس کے سائے میں خلق خدا
دل و جاں سوں کرتے دعا و ثنا　　معلم ہر اک علم کا باعمل
کیا ہے سبھی علم مشکل کو حل　　ہے معلوم علم حقائق دِسے (18)
ہے مکشوف علم حقائق اُسے (19)　　قوی طالع و شاہ اختر بلند
کمندسٹ(20) پکڑتا ہے کیواں کوں بند　　نہ ہوتا اگر شاہ اے دستگیر
تو ہوتا بلا میں سکندر اسیر　　شجاعت میں رستم اُپر لاف* ہے
صفت شہ کی ازقاف تا قاف ہے　　شجاعت میں شاگرد شیر خدا
غنیم(21) اُس انگے(22) جیوں ختم کا مندا　　جہاں میں چلے فوج شہ کی، جہاں
اٹھے غلغلا لا مکاں لگ (23) وہاں　　سخاوت میں کیں(24) اس کا ثانی نہیں
ہوراس گیان(25) کا کوئی گیانی(26) نہیں　　کہوں کیوں عدالت میں نوشیرواں
اُو کافر ہے یہ شاہِ اسلامیاں　　سپر یوں دسیا (27) خلق کوں شاہ کا
کہ جیوں نون نصرٌ من اللہ کا

مظفر کی اس مدح عالم گیر کے مطالعے کے بعد ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لکھا ہے کہ:

''میر جعفر علی زٹلی نارنولی نے اورنگ زیب کی جو اردو مدح لکھی تھی وہ بھی اسی بحر اور اسی اسلوب میں لکھی ہے۔ بعض مصرعے اور ترکیبیں بھی ایسی ہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زٹلی نے قیام دکن کے زمانے میں یہ مثنوی ضرور پڑھی تھی اور اپنے خاص مزاحیہ انداز میں اس نے اسی مدح کا خاکہ اڑایا ہے۔''[9]

سید مظفر اورنگ آبادی کے دل میں ابن نشاطی گولکنڈوی مصنف 'پھول بن' کی طرح خیال آیا کہ دنیا میں کوئی ایسی عشقیہ تصنیف یادگار چھوڑی جائے، جس کے سبب شاعر کا نام تا ابد زندہ رہے۔ چناں چہ مظفر کی نظر فارسی قصۂ مہر وماہ پر پڑی اور اس نے اس مثنوی کا دکنی میں منظوم ترجمہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس سلسلے میں جب اس نے فارسی قصے کا مطالعہ کیا تو اس میں اسے بہت خامیاں نظر آئیں۔ اس لیے شاعر نے اپنے ذوق سخن سے کام لیتے ہوئے خود ہی قصے کو درست کر کے لکھا ہے:

دسیا فارسی قصۂ مہر و ماہ　　منگیا(28) کرنے دکھنی سوں میں ترجمہ
سو ویسے میں دل مجھ دیا یوں خبر　　نہ کر ترجمہ فارسی کا ظفر
لکھا ہے غلط قصۂ فارسی　　تو پڑھ دیکھ دل ہے ترا آرسی
ہوا دل سوں شاگرد میں شاد ہو　　او کہنے لگیا (29) قصہ اُستاد ہو
لکھا ہوں یہ قصہ سراپا صحیح　　ہے معنی بلیغ و عبارت فصیح

مثنوی ظفر نامہ عشق کے قصے کا خلاصہ مولوی نصیر الدین ہاشمی کے الفاظ میں یہ ہے۔

''ایک بادشاہ کو اولاد نہیں تھی۔ ایک زاہد کے پاس دعا کے لیے گیا۔ زاہد نے دروازہ نہیں کھولا۔ زاہد کو غیب سے ہدایت ہوئی کہ ایک بادشاہ تیرے پاس آتا ہے اور تو اس سے ملنے سے گریز کرتا ہے۔ ندا سن کر زاہد باہر آیا اور بادشاہ کو خوش خبری دی کہ خدا تیرا مقصد پورا کرے گا چناں چہ بادشاہ کو فرزند تولد ہوا (جس کا نام مہر رکھا گیا) جب (وہ) سترہ سال کا ہوا تو دریائی سفر پر روانہ کیا گیا۔ اس سفر میں شہزادہ (ماہ نامی ایک حسینہ کے) عشق میں مبتلا ہو گیا۔ مصیبتیں جھیلیں، آفتیں برداشت کیں۔ بالآخر کامیاب واپس آ گیا۔''[10]

ظفر نامۂ عشق میں اٹھارویں صدی عیسوی کی دکنی زبان و بیان کا بہترین نمونہ محفوظ ہو گیا ہے۔ بقول افسر صدیقی امروہوی اس میں بعض ایسے الفاظ بھی نظم ہیں جنھیں موجودہ فصحا درست نہیں سمجھتے۔ چند اشعار میں خط کشیدہ الفاظ دیکھیے:

مری راہ روشن کر اس طرح سوں　　دسیں تس(30) سے تانیک معنوں کا موں(31)
دھرو یاد اس نکتۂ پند کوں　　پھراو(32) نکو(33) اس کی رحمت سے موں
گیا بعد ازاں اس موین کے حضور　　کہاوے سلکھن(34) سماپر کے سور(35)
بزاں کاڑ (36) کر نامۂ رنج کوں　　دیے دل رباٸی سخن سنج کوں
شکاری جناور (37) سو وہ نام دار　　چرندیاں پرندیاں کو پکڑے شکار
سدا رکھ کو رکھوال (38) ماں باپ کو　　کراتا ہے ترتیب یوں چاؤ سوں

مثنوی ظفر نامۂ عشق بارہ ہزار سے زاید اشعار پر مشتمل ایک ضخیم مثنوی ہے جسے شاعر نے متعدد ابواب میں تقسیم کر کے ہر عنوان کو کہیں دکنی نثر میں، کہیں فارسی نثر میں، کہیں نصرتی کی طرح شعر کی صورت میں لکھا ہے جیسے 'درصفت سید ایوب شاہ'۔ 'شب راملاقات نمودن عاشق و معشوق مہ ومہر'

مزید برآں ہر نئے مضمون کے آغاز سے پہلے کہیں رباعی، کہیں قطعہ، کہیں فرد، غرض کوئی نہ کوئی صنف موجود ہے۔ اسی طرح مثنوی کے درمیان بھی غزلیں، قطعات، رباعیاں، دوہرے اور منظوم خطوط شامل ہیں۔[11]

سید مظفر کا ایک مرثیہ (نوحہ) کتب خانۂ انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان کی ایک قلمی بیاض میں محفوظ ہے۔ اس مرثیے کا تعارف کرواتے ہوئے مولوی افسر صدیقی امروہوی نے اطلاع دی ہے کہ ''مظفر ایک غیر معروف شاعر ہے۔ ان کا یہی مرثیہ ادارۂ ادبیات اردو کی (بیاض مراثی) نمبر 829 میں بھی موجود ہے[12] چوں کہ یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ اس لیے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

---

(14) بہت قوی (15) شاہ کی جمع (16) رہے (17) جیسے (18) دکھائی دے (10) اس کو (20) اچھال کر، پھینک کر *لعنت، ملامت) (21) دشمن (22) جس طرح (23) تک (24) کہیں (25) علم (26) عالم، فاضل (27) دکھائی دیتا ہے، معلوم ہوتا ہے (28) چاہا (29) لگا (30) جس (31) منہ (32) پھیر لینا (33) کلمۂ نفی (34) اچھے گن والا (35) سورج (36) نکال کر (37) جانور (38) محافظ

سنو عزیزاں نبیؐ کے من کوں جلائے ہائے وائے یو ظالماں[39] کیوں
علی کے گھر کے چراغ روشن بجھائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
سینے پو جس کوں رسول کے گھر گلے کوں بوسہ دیے مہر سوں
سینے پو چڑ تس گلے پو خنجر چلائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
وجود جس کا جو فاطمہ کے جگر کے لھو[40] سوں، ہوا تھا پیدا
کر اس کو زخمی لھویاں[41] سو لھو میں نھلائے[42] ہائے وائے یو ظالماں کیوں
اتھے[43] جو معصوم شیر خوارے اسے نہ دے نیر[44] تیر مارے
ہزار افسوس حیف در حیف دل دُکھائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
نبیؐ کے سائے میں رات ہور دن بدھے[45] سو اس پاک دامناں[46] کوں
کھولے[47] سراں[48] ہور پاوں ننگے چلائے ہائے وائے یوں ظالماں کیوں
ہر ایک دم پر ہزار لعنت کرے تو کم ہے
حسین مظلوم کا قبیلہ کھپائے[49] ہائے وائے یو ظالماں کیوں

ظفر نامۂ عشق کے نسخۂ ادارۂ ادبیات اردو میں مدح اورنگ زیب عالمگیر سے پہلے جو نثری عنوان لگایا گیا ہے وہ اوراق ماقبل میں دیا گیا ہے، لیکن انجمن ترقی اردو کراچی کے قلمی نسخے میں درج ذیل رباعی مدح بادشاہ سے قبل بطور عنوان موجود ہے۔[50]

کون آ سکے جس کے جس کا شمشیر — مشہور ہے جگ میں اور جگ کے چو پھیر
کہ کفر کو رد دیا ہے دین کو قوت — سو کون شہِ شہاں، شہِ عالم گیر

کتب خانۂ سالار جنگ کے مخطوطے میں مثنوی ظفر نامۂ عشق کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

سخن کے گلستاں کا عندلیب کیا[51] — اس حکایت کوں یوں کھول حبیب[52]

ڈاکٹر زور نے اطلاع دی ہے کہ ادارۂ ادبیات اردو کا نسخہ ناقص الاوّل ہے۔ افسر صدیقی امروہوی نے اس مثنوی کے ابتدائی اشعار درج ذیل قطعے کی شکل میں پیش کیے ہیں۔ 10

تجھ حسن کے دریا کو وسعت جتنا — کیوں قطرہ کہے کہ وہ ہے اِتنا اِتنا
یہ حمد کیا[53] ہوں میں یک قطرہ مثال — معلوم نہیں میں کیا ہوں مرا ہُد کتنا

جہاں تک ظفر نامۂ عشق کے اختتامی اشعار کا تعلق ہے۔ اس مثنوی کے تمام نسخوں (سوائے ناقص الآخر) میں یکسانیت نظر آتی ہے۔ جو اس طرح ہے:

یہاں قصۂ مہر و مہ ہو چکا — یمن کا جو احوال باقی رہا
سو ہے قصۂ پنجۂ آفتاب — بنی یک علاحدہ خاصی کتاب
بجلد دوم ذکر او بالتمام — مفصل ہوا ہے یہاں لا کلام[54]
دکھو دوسرے کیتیں شوق سات — کماحقہ پوری سمجھوگے بات
میں اب خامہ کوں ہات سے اپنے دھر — کیا ختم نامہ یہ صلوات پر

ان اشعار کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے ظفر نامۂ عشق کے بارہ ہزار اشعار مکمل ہونے کے بعد بھی اس مثنوی کا قصہ باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے شاعر چاہتا تھا کہ دوسری جلد میں اسے 'پنجۂ آفتاب' کے عنوان سے مکمل کر دیا جائے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مظفر کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور پھر کم و بیش ایک صدی کے بعد 1215ھ میں آرکاٹ کے نواب عبدالحسین خاں رئیس الامرا نے اپنے درباری شاعر شیخ احمد مذنب کو سید مظفر کی مثنوی ظفر نامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس میں یمن کے حالات ادھورے رہ گئے تھے جس کے لیے مظفر نے دوسری مثنوی پنجۂ آفتاب مختص کی تھی۔ لہٰذا اس مثنوی کا سلسلۂ کلام آگے بڑھاتے ہوئے تو 'پنجہ آفتاب' مکمل کر کے شتاب میرے پاس لے آ اور اس کے صلے میں مجھ سے 'در بے مول' حاصل کر لے:

کہا قصۂ پنجۂ آفتاب — تو کر نظم لے آ مجھ پاس شتاب
مظفر کہا قصۂ مہر ماہ — کہ ہے گا اس سے یہ احوال راہ
یہ حصہ ترا ہے اِسے بول تو — صلے میں لے دُر مجھ سے بے مول تو

مذنب نے پنجۂ آفتاب آٹھ ہزار اشعار میں مکمل کی داستان کا آغاز ان اشعار سے کیا ہے:

مہر، ملکِ مشرق کا جو بادشاہ — وہ کر شاہزادیِ مغرب کو بیاہ
لے باشان شوکت ساتھ فوج — چلا مثل دریا کے بس مار موج
جو سرحد میں داخل یمن کی ہوا — پڑا عام اور خاص میں غلغلہ

پنجۂ آفتاب میں مذنب نے اپنے مربی و محسن نواب عبدالحسین خاں رئیس الامرا کی مدح بھی کی ہے۔ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت نواب صاحب کی والدہ بقید حیات تھیں۔ شاعر نے نواب کے پسر اور دختران کی درازی عمر کے لیے دعا بھی کی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے عبدالحسین خاں بہادر نواب — رئیس الامرا ہے جس کا خطاب
یقیں ملک ہندوستان بیچ آج — اسی کوں سمجھتے ہیں روشن سراج
جوانی میں ہیں ایسے عابد کہاں — بھی دولت میں ہیں ایسے زاہد کہاں
رہے سایۂ والدہ اس اوپر — جیو دختراں اور اس کا پسر

حواشی:

1. مخطوطہ نمبر 617، فہرست مخطوطہ سالار جنگ، نصیرالدین ہاشمی، 1952، ص:618-61
2. ڈاکٹر زور: تذکرۂ اردو مخطوطات، جلد پنجم، ص49
3. نصیرالدین ہاشمی: کتب خانۂ آصفیہ کے اردو مخطوطات، جلد اول۔ ص107
   یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس کتب خانے کا نام ابتداً کتب خانۂ آصفیہ تھا، بعد کو
   یہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری سے موسوم ہوا اور اب اس کا نام اورینٹل مینو اسکرپٹ لائبریری ہو گیا ہے۔
4. افسر صدیقی امروہوی: مخطوطات انجمن ترقی اردو، کراچی، جلد پنجم، ص175
5. نصیرالدین ہاشمی: فہرست سالار جنگ۔ ص616
6. ڈاکٹر زور: تذکرۂ مخطوطات، جلد پنجم، ص49
7. ڈاکٹر زور: تذکرۂ مخطوطات، جلد پنجم، ص50
8. نصیرالدین ہاشمی: کتب خانۂ آصفیہ کے اردو مخطوطات، جلد اول، ص108
9. ڈاکٹر زور: تذکرہ مخطوطات جلد پنجم، ص50
10. ہاشمی: آصفیہ کے مخطوطات جلد 1، ص108
11. افسر صدیقی امروہوی: مخطوطات انجمن ترقی اردو، کراچی، جلد پنجم، ص176
12. ایضاً۔ ص175
13. ایضاً۔ ص176
14. نصیرالدین ہاشمی: فہرست مخطوطات سالار جنگ حیدرآباد، ص618

Mohd Ali Asar, Kashanay-e-Asar, 20-4-226/9, Hyderabad 500002-(AP)

(39) ظالم کی جمع (40) لہو سے (41) تلوار کی جمع (تلواوں) (42) نہلائے (43) تھے (44) پانی (45) پلے بڑھے، پرورش پائی (46) دامن کی جمع (47) کھلے (48) سر کی جمع (49) ختم کیے (50) کہا (51) زبان (52) کہا

ترقی پسند تنقید
چند اشارے

علی احمد فاطمی

یہ اعتراف تو سبھی طبقۂ فکر کے لوگ کرتے ہیں کہ تخلیق کے ساتھ ہی تنقید کی ابتدا ہوجاتی ہے اور ہر تخلیق کار کے اندر ایک نقاد چھپا بیٹھا رہتا ہے۔ تاہم ایک صنف بلکہ صنفی وحدت کے طور پر اس کی ابتدا حالی سے ہی ہوتی ہے۔ جسے آگے بڑھایا آزاد، شبلی وغیرہ نے— پھر وہ سلسلے بنے کہ بقول ایک ناقد تنقید سائنس کی طرح ناگزیر ہوگئی— لیکن احتشام حسین نے اس سے بڑھ کر بلیغ بات کہی ہے کہ ''نظامِ تنفس میں ارتقا نہیں ہے تنقیدی تصور میں ارتقا ہے جو نتیجہ ہے انسانی شعور کے ارتقا کا۔'' یہی وجہ ہے کہ جیسے انسانی سماج اور تہذیبی ارتقا ہوتا گیا، تخلیق کے نادر اور قابلِ قدر کارنامے سامنے آتے گئے۔ زمانے کے حالات بدلتے گئے۔ نئے نئے علوم وفنون آتے گئے، تنقید کی ماہیت، مقصدیت اور افادیت ایک مستحکم وحدت میں ڈھلتی گئی۔ ترقی پسند تحریک کے دورِ عروج میں بطورِ خاص— لیکن تحریک سے قبل ترقی پسندی کا آغاز ہوچکا تھا— سرسید کی تحریک نے ان کے رفقا وادبا کے اندر ایک بامعنی اور بامقصد عقل پرستی اور روشن خیالی پیدا کردی تھی۔ تعلیم وتدریس اور تنقید وتخلیق کے راستے مزید کھل گئے تھے۔ مقدمہ وموازنہ نے راہیں ہموار کردی تھیں۔ یلدرم، نیاز فتح پوری، عبدالرحمٰن بجنوری وغیرہ نے اگرچہ رومان کا دامن نہیں چھوڑا تھا تاہم ادب کو سمجھنے کے نئے نئے انداز اور رومان کے نئے ابعاد روشن ہوچکے تھے۔ پہلی جنگ عظیم نے تاریخ اور سماج کا ڈھانچہ ہی بدل دیا۔ پریم چند، اقبال، جوش تخلیقی دنیا میں تہلکہ مچائے ہوئے تھے کہ حسرت جیسا روایتی رومانی شاعر بھی حقیقی معشوق کا پیکر پیش کرنے پر مجبور ہوگیا جیسے جیسے حقیقتیں سامنے آتی گئیں زندگی کی ماڈی صورتیں بھی واضح ہونے لگیں۔ اگرچہ ایک تذبذب تھا لیکن تسلسل ہی ایک فطری عمل ہوا کرتا ہے جو ترقی اور تبدیلی کی شکل میں بہرحال رونما ہوکر رہتا ہے۔ اختر حسین رائے پوری اور مجنوں گورکھپوری اسی دور کے دو ایسے جید اور بزرگ ادیب و ناقد ہیں جنھوں نے تحریک سے قبل اپنی کتابوں اور مقالات کے ذریعے ادب اور انقلاب، ادب اور زندگی، ادب اور عوام، ادب اور تہذیب، جنگ اور اردو ادب کے جدید رجحانات وغیرہ نے راستے ہموار کردیے۔ بعد کے ترقی پسند نقادوں نے ان مضامین اور تحریک کے منشور اور دنیا کے بدلتے ہوئے افکار ونظریات اور حالات کو ملے جلے انداز میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ تنقید کا ایک دبستان بن گیا۔ ادب جو اب تک آئینۂ حیات یا تصویرِ حیات تھا تفسیرِ حیات بلکہ اور آگے بڑھ کر تعبیرِ حیات اور تنقیدِ حیات بن گیا— ادب زندگی کا جوہر ہی نہیں رہبر بھی ہے وہ صرف زندگی کی ہم رکابی ہی نہیں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ چنانچہ تنظیم و تحریک کے اغراض و مقاصد، منشور و اصول کھل کر سامنے آئے تو نقادوں نے بھی کھل کر ادب کی مقصدیت، افادیت نیز تنقید کی اہمیت وضرورت اور وسعت پر کھلی بحث کی۔ تنقید کو صرف ادب سے ہی نہیں زندگی اور سماج سے جوڑ کر دیکھا۔ مجنوں گورکھپوری جو ایک رومانی فنکار کے طور پر جانے گئے تنقید کی طرف آئے تو صاف طور پر کہا:

''انسان کے خیالات اور جذبات اس کے تمام مساعی ایک مخصوص دور کے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور جو مادی اسباب کسی ایک ماحول کی تشکیل کرتے ہیں ان میں طریقۂ پیداوار یا پیداوار کی غرض سے اقتصادی تنظیم سب سے زیادہ اہم ہے—''

وہ یہ بھی کہتے ہیں:

''مارکس اور اینگلز کی جدلیاتی مادیت (جس کا دوسرا نام تاریخی مادیت ہے) کا اصل مبحث تو اقتصادی اور معاشرتی ارتقا ہے لیکن اس سے لازمی طور پر فنکاری کا نظریہ بھی متاثر ہوتا ہے—''

مارکس نے جس طرح سماجیات اور سیاسیات کے ساتھ ساتھ ادبیات وشعریات وغیرہ کو بھی اقتصادیات سے جوڑ کر دیکھا اور تاریخی مادیت سے رشتے اُستوار کیے، ترقی پسند تنقید نے اسی اصول ونظریہ کو نہ صرف اپنایا بلکہ مختلف انداز میں اس کی توضیحات وتوجیہات بھی پیش کیں اس لیے کہ خود مارکس نے بھی کہا تھا کہ یہ ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں تو معاون بھی ہوتے ہیں لیکن اسے خالص اقتصادیات کا نتیجہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ سب وہ باتیں تھیں جو نئی تھیں اس لیے غور طلب تھیں اور بحث طلب بھی کہ ابھی تک ہم تنقید کو محض تاثر وتحسین تک دیکھنے کے عادی تھے— یہ علمی و عالمی نظریہ اتنی آسانی سے قابلِ قبول نہ تھا خاص طور پر فیوڈل مزاج سے وابستہ ایک ایسے نظامِ فکر کے لیے جو آسانی سے تبدیلی اور ترقی کو قبول نہیں کرتا ہے تبھی تو اقبال نے کہا تھا:

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اس لیے ایسی انحرافی اور انقلابی صورت میں ترقی پسند نقادوں کو اپنے موقف کی وضاحت میں خاصی دشواریاں آئیں اور قدم قدم پر بحث وتمحیص کی صورتیں پیدا ہونے لگیں لیکن اس سے ایک راستہ وا ہوا یہ تو نکلا ہی

کہ تنقید کی نہ صرف ہیئت وانفرادیت بلکہ اس کی اہمیت پر عالمانہ وناقدانہ بحثیں عام ہوئیں—اختشام حسین جو ترقی پسند تنقید کے سب سے بڑے ستون سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے ابتدائی دور اور پہلے ہی مجموعہ تنقیدی جائزے میں ادب اور اخلاق، مواد اور ہیئت، نئے ادبی رجحانات، ترقی پسندی کی روایت جیسے مضامین لکھتے ہیں اور دیباچے میں لکھتے ہیں:

''ادب، مقصد نہیں ذریعہ ہے۔ ساکن نہیں متحرک ہے۔ جامد نہیں تغیر پذیر ہے۔ اسے تنقید کے چند مقررہ اصولوں اور نظریوں کی مدد سے نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ ایک فلسفیانہ تجربہ ہی کام آسکتا ہے جس کی بنیاد تاریخ کی مادّی ترجمان اور ارتقا بالضد کے اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ ان مضامین میں ایک حکیمانہ شعور کو رہنما بنانے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ میں زندگی کو عام شعور کا ایک حصہ سمجھتا ہوں جس میں طبقاتی رجحانات سانس لیتے اور تمدن کے مظاہر اثر انداز ہوتے ہیں—''

اپنے ہر مجموعہ میں ہر دور میں اختشام حسین نے اصولِ نقد، تنقیدی تصورات، تنقید قدر و معیار وغیرہ پر گفتگو کی تاکہ ان کا تنقیدی موقف تو ظاہر ہو ہی نیز تنقید کا اصل مقصد و منصب بھی ظاہر ہوتا چلے۔ یوں بھی اُن دنوں مغرب کے نئے نئے تصورات اردو میں داخل ہو رہے تھے۔ شعر و ادب کو تاریخ، تہذیب، معاشرت، ثقافت وغیرہ کے تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے کی ابتدا ہو چلی تھی۔ اختشام حسین نے تنقید کو تحسین وتعریف کی کمزور حدوں سے نکال کر تجزیہ ونظریہ کے لامحدود ماحول میں لا کھڑا کردیا۔ اختشام حسین نے بار بار یہ کہا کہ تنقید کوئی چلتی پھرتی شے نہیں بلکہ اس میں تخلیقی ادب کی گہرائی سے جانچ پرکھ کے لیے وہ سارے علوم وفنون داخل ہونے چاہیے جن کا تعلق زندگی سے ہے۔ تاریخ اور معاشرے سے ہے۔ ان کے مضامین ملاحظہ کیجیے۔ غالب کا تفکر، نظیر اکبرآبادی، پریم چند کی ترقی پسندی، خوجی ایک مطالعہ- علی گڑھ تحریک کے اساسی پہلو اور دیگر مضامین جن میں عہد بولتا ہے۔ تاریخ بولتی ہے۔ معاشرت اور ثقافت بولتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ترقی پسند تنقید یا اختشام حسین کی تنقید نے جمالیاتی اقدار کو اہمیت نہیں دی لیکن وہ جمالاتی قدر کو بھی سماجی قدر اور تہذیبی قدر سے الگ کر کے نہیں دیکھتے ہیں۔

اختشام حسین ترقی پسند تنقید کے سرخیل بن کے سامنے آئے۔ پھر تو ترقی پسند نقادوں کی ایک کاہ کشاں اُبھر کر سامنے آئی۔ محمد حسن، سید محمد عقیل، ممتاز حسین، عبادت بریلوی، وقار عظیم، قمر رئیس، محمد علی صدیقی، شارب ردولوی اور بہت سارے، ان سبھوں نے اپنے اپنے انداز اور انفرادی علم وعمل کے ساتھ ترقی پسند تنقید کے سفر کو آگے بڑھایا۔ محمد حسن نے مارکسزم کے حوالے سے نہ صرف تہذیبی سفر کا جائزہ لیا بلکہ سماجی نقطۂ نظر کو آگے بڑھایا اور وہ مباحث جو مجنوں، اختشام نے اٹھائے تھے، اس کو مزید وضاحت و وسعت کے ساتھ تخلیقی ادب

> مارکس نے جس طرح سماجیات اور سیاسیات کے ساتھ ساتھ ادبیات و شعریات وغیرہ کو بھی اقتصادیات سے جوڑ کر دیکھا اور تاریخی مادیت سے رشتے اُستوار کیے، ترقی پسند تنقید نے اسی اصول و نظریہ کو نہ صرف اپنایا بلکہ مختلف انداز میں اس کی توضیحات و توجیہات بھی پیش کیں اس لیے کہ خود مارکس نے بھی کہا تھا کہ یہ ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں تو معاون بھی ہوتے ہیں لیکن اسے خالص اقتصادیات کا نتیجہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ سب وہ باتیں تھیں جو نئی تھیں اس لیے غور طلب تھیں اور بحث طلب بھی کہ ابھی تک ہم تنقید کو محض تاثر و تحسین تک دیکھنے کے عادی تھے— یہ علمی و عالمی نظریہ اتنی آسانی سے قابلِ قبول نہ تھا خاص طور پر فیوڈل مزاج سے وابستہ ایک ایسے نظامِ فکر کے لیے جو آسانی سے تبدیلی اور ترقی کو قبول نہیں کرتا ہے

سے راست طور پر رشتہ استوار کرتے ہوئے اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔ سید محمد عقیل نے اپنے وسیع مطالعے کے ذریعے اگرچہ مارکسی ادب وتنقید کا راستہ ضرور اپنایا لیکن اختشام حسین کے طرز پر ان کا بھی زور تہذیب پر زیادہ رہا کہ وہ زبان و ادب کو تہذیب کا مظہر مانتے ہیں۔ سماجیات پر گہری نظر ڈالتے ہیں اور مرثیہ جیسی شاعری اور نئی علامت نگاری میں بھی سماجیات تلاش کرلیتے ہیں۔ قمر رئیس نے تنقید کے ساتھ ساتھ تنظیم و تحریک سے بھی رشتے رکھے اور علم و عمل دونوں راستوں پر گامزن رہے۔ فکشن کی تنقید کے لیے خصوصاً پریم چند کے حوالے سے راہیں استوار کیں۔ مارکسی ہونے کے باوجود انھوں نے ادب کے دوسرے زاویوں پر نظر رکھی اور اپنی تنقید میں توازن قائم رکھا ان کے پہلے مجموعے کا نام ہی تلاش وتوازن ہے۔ 'پریم چند فکر وفن' میں انھوں نے سیاسیات اور معاشیات پر عالمانہ گفتگو کر کے ترقی پسند تنقید کو ایک نئی جہت دی۔ ممتاز حسین نے مارکسی فلسفے کو اتنی گہرائی و مضبوطی سے پکڑے رکھا کہ ادب و فلسفہ شیر وشکر ہو گئے۔ غالب ایک مطالعہ جیسی کتاب ایک اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ نام اور کام اور بھی ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ مجنوں گورکھپوری، اختر حسین رائے پوری، سجاد ظہیر، اعجاز حسین وغیرہ کی تحریریں ترقی پسند تنقید کا پہلا دور ہے۔ اختشام حسین، آل احمد سرور، ممتاز حسین وغیرہ نے اسے ایسی پختگی و بالیدگی عطا کی کہ اس کو ترقی پسند تنقید کا دورِ زریں کہا جاسکتا ہے۔ تیسرے دور میں محمد حسن، سید محمد عقیل اور قمر رئیس وغیرہ نے اسے مزید وسعت اور جہت دی۔ اس کی توسیع کی۔ بحیثیت مجموعی کہا جاسکتا ہے کہ اردو کی ترقی پسند تنقید کا ڈھانچہ حقیقت وعقلیت پر ہی کھڑا ہے۔ وہ جمالیات کو بھی انھیں افکار واقدار کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور رومان، عشق و جمال کو بھی۔ ان کا خیال ہے کہ ان سب کا تعلق زندگی کی سمت و رفتار سے ہے۔ تاریخ کے جدلیات سے اور انسان کے پیچ وخم اور رنج وغم سے، کہ غم اور خوشی، ترقی وتبدیلی صرف انسانی نفسیات کے ہی نہیں فطرت کے بھی تقاضے ہیں۔ انھیں تقاضوں کے ٹکراؤ اور بدلاؤ سے ہی زندگی کا ارتقا ہوتا ہے اور وہ تمام عناصر کو بھی متاثر کرتا ہے جو مزاج زندگی کا ہوتا ہے کم وبیش وہی ادب کا بھی— لیکن کچھ لوگ اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے اسی لیے اس دبستانِ فکر سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور جواب میں انفرادی جدیدی اور تجریدی تنقید بھی سامنے آئی— لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہوسکا کہ ترقی پسند تحریک نے اگر کسی صنف میں سب سے زیادہ روشنی، گرمی اور ترقی دکھائی تو وہ تنقید ہی ہے۔ تحریک نے اسے محض تاثر سے آگے بہت آگے بڑھا کر باقاعدہ ایک دبستانِ فکر بنا دیا۔ ایک مکمل صنف— یہی وجہ ہے کہ آج ترقی پسند تنقید ادب کی تاریخ کا ناگزیر حصہ بن چکی ہے۔ ایک نظریہ اور ایک فلسفہ جس نے ایک تاریخ رقم کردی۔ اس تاریخ وتفکیر سے آپ اختلاف تو کرسکتے ہیں لیکن نظر انداز نہیں کرسکتے۔

■

Prof. Ali Ahmad Fatmi, Dept of Urdu, Allahabad University, Allahabad-211002 (UP)

محمد عبدالحفیظ صدیقی

ذکر مولوی مسعود علی ندوی کا!

مولانا شبلی نعمانی نے 1914 میں جب دارالمصنفین قائم کرنے کا اپنے ذہن میں خاکہ تیار کیا تو ان کی مردم شناس نگاہ نے ندوۃ العلما کے اپنے دو شاگردوں کو منتخب کیا۔ ایک مولانا سلیمان ندوی جو اس وقت پونے کے ایک مشہور اور تاریخی ادارے 'ڈکن کالج' میں لکچرر تھے اور دوسرے مولانا مسعود علی ندوی جو ندوۃ العلما کی مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب 'پرانے چراغ' حصہ دوم (ص 106) میں لکھا ہے کہ مولانا (مسعود علی ندوی) فنِ تعمیر میں یدِطولی رکھتے تھے اور پیدائشی انجینئر تھے۔ اعظم گڑھ کی جامع مسجد، شبلی منزل کی چھوٹی سی خوبصورت مسجد ان کے لطافتِ ذوق اور دینی خدمت کی بہترین مظہر ہیں۔ دارالمصنفین کی سب عمارتیں بھی اُنھی کے دماغ اور تعمیری قابلیت کا نمونہ ہیں۔ دارالعلوم (ندوۃ) اپنے ابتدائی قیام سے لے کر مسجد سے محروم تھا۔ اس کے وسیع ہال میں نماز باجماعت ہوتی تھی۔ برادرِ محترم مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی نظامت کے زمانے میں مسجد کی تعمیر کا فیصلہ ہوا۔ مولانا مسعود علی صاحب سے زیادہ کوئی اس کام کے لیے موزوں نہیں تھا۔ تعمیر کی نگرانی کا بھی مسئلہ تھا اور مالیات کی فراہمی کا بھی۔ وہ دونوں کے مردِ مسلمان تھے۔ وہ اپنے کو سب کاموں سے یکسو کر کے وہاں آکر بیٹھ گئے۔ خود ہی نقشہ بنایا، معمار و مزدور فراہم کیے اور اپنی نگرانی میں کھڑے ہو کر اس کا کام شروع کرایا۔ چندہ ختم ہو جاتا اور اگلے دن کا حساب چکانے کے لیے پیسے نہ ہوتے تو وہ بھائی صاحب (ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب) یا جس کو مناسب سمجھتے اپنے ساتھ لیتے اور شہر کا ایک گشت

> برادر محترم مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی نظامت کے زمانے میں مسجد کی تعمیر کا فیصلہ ہوا۔ مولانا مسعود علی صاحب سے زیادہ کوئی اس کام کے لیے موزوں نہیں تھا۔ تعمیر کی نگرانی کا بھی مسئلہ تھا اور مالیات کی فراہمی کا بھی۔ وہ دونوں کے مردِ مسلمان تھے۔ وہ اپنے کو سب کاموں سے یکسو کرکے وہاں آکر بیٹھ گئے۔ خود ھی نقشہ بنایا، معمار و مزدور فراھم کیے اور اپنی نگرانی میں کھڑے ھوکر اس کا کام شروع کرایا۔

کر لیتے اور چند دنوں کا سامان ہو جاتا۔ ان کی وجاہت اور شیریں گفتاری ایسی تھی کہ جہاں جاتے خالی ہاتھ نہ آتے۔ فنی طور پر مددگار کی حیثیت سے ان کو ایک دیندار مسلمان عبدالمجید خاں صاحب مل گئے تھے۔ تھوڑے عرصے میں مسجد تیار ہو گئی اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اُس دن جمعہ کی نماز پڑھا کر اور نماز کے بعد ایک موثر وعظ کہہ کر اس کا افتتاح کیا۔'' مولانا ابوالحسن علی ندوی نے صفحہ 111 پر یہ بھی لکھا ہے کہ ''مولانا مسعود علی صاحب پنڈت جواہر لال نہرو سے بڑے بے تکلف تھے۔ پنڈت جی بھی اس بنا پر کہ ان کے تعلقات ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو سے براہِ راست تھے اور پنڈت جی میں یہ وضع داری اور شرافت تھی کہ وہ قدیم تعلقات کا احترام کرتے تھے ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے تھے۔ جنگ آزادی میں جب لوگ پنڈت جواہر لال نہرو کو ٹھہرانے اور ان سے ربط و ضبط رکھنے میں احتیاط برتتے تھے۔ مولانا اعظم گڑھ میں ان کی آمد پر بے تکلف ملتے تھے اور کھلے طریقے پر تعلق کا اظہار کرتے تھے۔ پنڈت جی شبلی منزل آتے اور پرانے تعلقات کی یاد تازہ کرتے۔ (ص 113)۔ علامہ شبلی کی

خصوصی نگاہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس نوجوان سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے۔ مولانا کے خطوط میں جابجا اس کا تذکرہ ہے۔ وہ (مولانا مسعود علی) بہت جلد ان کے معتمد خاص بن گئے۔ پھر جب دارالمصنفین کے ادارے کا قیام عمل میں آیا تو اس کی نظامت بلا اختلاف انھی کے سپرد ہوئی اور انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسے بہت جلد منظم اور مستحکم ادارہ بنا دیا جس میدان میں علامہ شبلی کا ایک موروثی باغ اور چھوٹا سا بنگلہ تھا اور اس سے ملحق کئی ایکڑ زمین تھی اُسی میدان میں خوش اسلوب اور خوش وضع عمارتیں کھڑی ہوگئیں۔ کتب خانے کی عمارت، رفقا کے کمرے، مہمان خانہ، خوبصورت مسجد تعمیر ہوگئی۔ چمن اور خوبصورت روشیں نکل آئیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی جس طرح اس ادارے کے علمی وفکری روح رواں تھے۔ اس کی علمی ساکھ اور علمی دنیا میں اس کی آبرو اُن سے قائم تھی ادارے کا نظم ونسق اس کا پرسکون اور باوقار ماحول، طباعت کا معیار، رسالہ معارف کا وقت پر نکلنا، صفائی، شائستگی، باہر اس کا تجارتی اعتبار یہ سب مولانا (مسعود علی) کے دم سے قائم اور ان کی بیدار مغزی، مستعدی اور رعب و داب کا رہین منت تھا۔‘‘

راقم الحروف کے طالب علمی کے زمانے میں لکھنؤ کے امین الدولہ پارک میں جواہر لال نہرو کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔ پنڈت گووند بلبھ پنت وزیراعلیٰ تھے۔ یکا یک مائیکروفون خراب ہونے کی وجہ سے دور کے حصوں میں آواز نہیں پہنچ رہی تھی تو سامعین نے شور مچانا شروع کیا۔ جواہر لال نہرو کو غصہ آگیا اور انھوں نے پہلے تو پنت جی سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ وہ وزیراعظم کے جلسے کے لیے بھی معقول مائیکروفون کا انتظام نہیں کرسکے اور پھر وہ ان سامعین سے مخاطب ہوئے جو شور وغل مچا رہے تھے اور کہا کہ ڈسپلن بہرحال برقرار رکھنا چاہیے۔ اگر آپ کو سیکھنا ہے تو آپ کے شہر سے تھوڑے فاصلے پر ایک شہر اعظم گڑھ ہے، جہاں ایک شخص ہے مولانا مسعود علی، ان کے منظم کیے ہوئے ایک جلسے میں کہیں سے ایک سانپ نکل آیا مگر عوام خاموشی سے بیٹھے رہے اور کوئی ہنگامہ نہیں مچایا کہ مولانا ناراض ہوجائیں گے اور آپ لوگ ذرا آواز نہ پہنچنے پر ہنگامہ مچا رہے ہیں۔

1956 میں راقم الحروف کا شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ میں جغرافیہ کے لکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا اور حسنِ اتفاق سے دارالمصنّفین میں مولانا عبدالسلام ندوی کے کمرے میں قیام ہوا کیونکہ ان کا انتقال میرے تقرر سے ایک ہفتے قبل ہوگیا تھا۔ انٹرویو میں شرکت کے لیے محترم ہاشم قدوائی صاحب کا تعارفی خط شاہ معین الدین ندوی صاحب کے نام لے کر اسٹیشن سے سیدھا شبلی منزل کے لیے روانہ ہوا تو چارمیل کے راستے میں کھیت ہی کھیت نظر آئے۔ طرح طرح کے خیالات ذہن میں آنے لگے کہ کیا کالج ہوگا اور کیسی قیام گاہ ہوگی۔ بہرحال رکشہ جب شبلی منزل کے احاطے میں داخل ہوا تو نقشہ ہی بدل گیا۔ بہت خوبصورت عمارت اور باغیچہ اور روشیں وغیرہ جن کا ذکر مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب کے اقتباس میں مندرجہ بالا سطور میں درج ہے نظر آیا۔ حسنِ اتفاق سے اُسی روز دارالمصنّفین کی سالانہ میٹنگ ہورہی تھی اور پولیس بھی کافی نظر آرہی تھی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کے

دارالمصنّفین، اعظم گڑھ کا باہری منظر

وزیرمملکت خارجہ ڈاکٹر سید محمود صاحب بحیثیت صدر انتظامیہ کمیٹی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں سوائے ان کے کسی کو پہچانتا نہیں تھا۔ اُن سے علی گڑھ میگزین کے سرسید نمبر کے سلسلے میں کئی دفعہ نیاز حاصل کرچکا تھا۔ میں نے بعد سلام عرض کیا کہ میں شاہ معین الدین ندوی صاحب کے نام خط لایا ہوں۔ شاہ صاحب خط پڑھتے ہی مجھے ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف لے گئے اور اپنے ملازم کو ہدایت دی کہ انھیں نہانے کا پانی لاکر دو اور مجھے کہا کہ کھانا آپ مہمان خانے میں سب کے ساتھ کھائیں گے۔ کھانے پر ندوۃ العلما کے پرنسپل مولانا عمران خاں، مولوی مسعود علی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی سے ملاقات ہوئی۔ سب سے کم عمر مولانا ابوالحسن ندوی تھے۔ کھانے کے بعد ڈاکٹر سید محمود صاحب دہلی واپس چلے گئے مغرب کی نماز میں پھر سب سے ملاقات ہوئی۔ نماز کے بعد مولوی مسعود علی نے مجھے اشارہ کیا کہ میں ان کا انتظار کروں۔ پھر مجھ سے کہا کہ میرا اندازہ ہے کہ آپ کا انتخاب ہوجائے گا۔ نئی جگہ ہے۔ یہاں مکان ڈھونڈنے میں وقت لگے گا۔ فی الحال مولانا عبدالسلام ندوی صاحب کا کمرہ خالی ہے آپ اس میں ٹھہر جائیں اور کھانے کے سلسلے میں آپ شاہ صاحب (معین الدین ندوی) کے شریکِ دسترخوان ہوجائیں۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔

دارالمصنّفین میں قیام کی بدولت اور شاہ صاحب کا شریک دسترخوان بن جانے کی وجہ سے اعظم گڑھ کے چیدہ حضرات سے واقفیت نصیب رہی۔ ایک صاحب حاجی خستہ کے نام سے مشہور تھے وہ شہر میں ایک ہوٹل کے مالک تھے مگر صبح کا ناشتہ وہ شاہ صاحب کے ساتھ ہی کرتے تھے۔ بقول شاہ صاحب وہ لوکل اخبار تھے۔ شہر کی تازہ خبریں ان سے مل جایا کرتی تھیں۔ وہ تک بندی بھی کرتے تھے۔ رشید احمد صدیقی نے اُن پر ایک مضمون ’حاجی خستہ‘ کے نام سے لکھ کر ’گنجہائے گرانمایہ‘ میں شامل کیا۔ شاہ معین الدین صاحب کے عزیز خورشید نعمانی بھی شریک دسترخوان تھے۔ وہ شبلی کالج میں بی ایڈ کر رہے تھے بعد میں وہ بمبئی چلے گئے اور اردو میں ایم اے، پی ایچ ڈی کرنے کے بعد بمبئی یونیورسٹی میں شعبہ اردو میں پروفیسر ہوگئے۔ شاہ صاحب ان کی لیاقت اور ادبی ذوق کے بہت معترف تھے۔

مولوی مسعود علی صبح وشام چہل قدمی کے پابند تھے اور کبھی کبھی وہ شاہ صاحب کی محفل میں شریک ہوجاتے تھے اور سب لوگ ان کی شیریں گفتاری سے محظوظ ہوتے تھے اور وہ کہے اور سنا کرے کوئی والا منظر ہوتا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اعظم گڑھ کے ڈسٹرکٹ ٹینس کلب کے بھی ممبر رہ چکے تھے اور ان کی ایک شاٹ اتنی غضب کی تھی کہ ٹینس کا بال پھٹ گیا تھا۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ مولوی صاحب غیرمعمولی خوبیوں کی حامل شخصیت تھے اور دارالمصنّفین پر ان کی چھاپ ہمیشہ تابندہ اور درخشاں رہے گی:

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

■

Dr. Mohd Abdul Hafeez Siddiqui, Rtd. Prof. National Defence Akademy, Kharkwasala, 603, Oxford Elenx, Wanori, Pune - 411040 (MS)

ادارہ

طلسمی حقیقتوں کا شاعر
منیر احمد نیازی

منیر نیازی اردو کے اُن معدودے چند شعرا میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جنھوں نے اردو اور پنجابی، دونوں زبانوں کے شعری ادب میں نہ صرف اپنی الگ پہچان بنائی بلکہ اعلیٰ مقام بھی حاصل کیا۔ اردو غزل کا ایک منفرد لہجہ منیر نیازی کے نام سے منسوب ہے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ ان کی مختصر نظمیں بھی انفرادی لہجہ اور اسلوب رکھتی ہیں۔

پورا نام ان کا، منیر احمد نیازی تھا اور وہ 19 اپریل 1928 کو ضلع ہوشیار پور پنجاب کے قصبہ خانپور میں پیدا ہوئے۔ تقسیم وطن کے بعد 1949 میں ان کا خاندان ساہیوال (پاکستان) میں جا بسا۔ وہ مشہور پختون نیازی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور اسی نسبت سے لفظ نیازی ان کے نام کا حصہ تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم خانپور میں ہوئی لیکن دسویں انھوں نے ساہیوال میں مکمل کی اس کے بعد بہاول پور کے ایس ای کالج سے انٹر کیا اور لاہور کے دیال سنگھ کالج سے بی اے کی سند حاصل کی۔ اس دوران کچھ عرصے کے لیے منیر نیازی برطانوی بحریہ میں بھی ملازم رہے۔ گریجویشن کے بعد ان کی زندگی صحافت کی طرف مڑ گئی۔ 1949 میں انھوں نے ساہیوال سے ہفتہ وار پرچے 'سات رنگ' کا اجرا کیا۔ ان ہی دنوں وہ مشہور شاعر مجید امجد کے رابطے میں آئے اور لاہور کی فلمی دنیا میں قسمت آزمائی کرنے لگے۔ تب تک اردو اور پنجابی میں ان کی شاعری کو لوگ پہچاننے اور سراہنے لگے تھے۔ 1950 کے عشرے میں انھیں فلموں میں گانے لکھنے کا موقع ملنے لگا۔ فلم سسرال کے لیے مہدی حسن کی آواز میں ریکارڈ ہونے والا ان کا لکھا ہوا نغمہ 'جس نے مرے دل کو درد دیا' بے حد مشہور ہوا۔ 1962 کی فلم 'شہید' کے لیے ان کی تحریر کردہ غزل 'اُس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو' نے بھی دھوم مچائی اور اُن کا شمار پاکستانی فلم انڈسٹری کے بہترین نغمہ نگاروں میں ہونے لگا۔

تاہم اس دوران صحافت کا شوق برقرار رکھا۔ وہ اخبارات، رسائل اور ریڈیو کے لیے باقاعدگی سے لکھتے رہے۔ 1960 میں انھوں نے اشاعتی ادارے 'المثال' کی داغ بیل ڈالی۔

'تیز ہوا اور تنہا پھول'، 'جنگل میں دھنک'، 'دشمنوں کے درمیان شام' اور 'ماہ منیر' ان کے مشہور مجموعے ہیں۔ پنجابی میں ان کا کلام سفر دی رات، چار چپ چیزاں اور راستہ دسن والے تارے کے کاموں سے تین کتابوں میں شائع ہوا اور بے حد پسند کیا گیا۔

منیر نیازی کی شاعری علامتوں کی شاعری ہے جس میں اساطیر، ناسٹلجیا، عشق اور مافوق الفطرت علائم میں اعتقاد کو ظاہر کرنے والے مضامین منفرد لفظیات و لے کاری کے ساتھ بالکل الگ سے پہچانے جانے والے اسلوب میں سامنے آتے ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں میں منیر نیازی نے ایک انوکھا اور پُر رنگ طرز ادا اختیار کیا ہے۔ ان کے تصورات کی شعری کائنات بے حد وسیع ہے جس میں پراسرار اور مسحور کن اساطیری کردار، درندوں سے بھرے ہوئے جنگل اور گہری سیاہ راتوں میں قلعوں کی حفاظت کرنے والے مشعل بردار غلام، سانس لیتے ہیں۔ گیبریل گارسیا مارکوئیز کے ناولوں جیسی اس طلسمی حقیقت نگاری کو منیر نیازی نے جدید اردو شاعری کی نئی وادیوں میں سرگرم سفر رہ کر پروان چڑھایا تھا۔ اپنی غزلوں اور نظموں میں منیر نیازی نے مرد اور عورت کی زندگیوں کے نازک لمحات کی دور اور قریب، دونوں فاصلوں سے عکاسی کی ہے، لیکن اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ اپنے اطراف کے لوگوں اور مقامات کو اور اس کائنات کو جس کا وہ حصہ ہیں، منیر نیازی ایک شاعر کی معصومیت اور استعجاب کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اس معصومیت و استعجاب میں کسی طرح کا کھوٹ یا ملاوٹ نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہی جاتی ہے کہ منیر نیازی کی شاعری دراصل لمحوں کا پورٹریٹ ہے۔

منیر نیازی کی شاعری کا انگریزی، روسی، جرمن، نارویجین اور ہندی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

26 دسمبر 2006 کو سانس کی بیماری سے لاہور (پاکستان) میں منیر نیازی کا انتقال ہوا۔

ماخذ: وکی پیڈیا، درپچھ ڈاٹ کام، بہار اردو یوتھ فورم (ویب سائٹ)

منیر نیازی

انتخابِ کلام منیر نیازی

نظمیں

جادو کا کھیل

رنگ برنگے شیشے والی کھڑکی بند پڑی ہے اب
وہ لڑکی جو اس گھر میں کھڑی لوگوں کو خواب دکھاتی ہے
کالی کالی راتوں میں ہونٹوں کی شمع جلاتی تھی
تیز نگاہوں کی بجلی سے سب کے ہوش اڑاتی تھی
دست حنائی کے شعلے سے چق میں آگ لگاتی تھی
اب وہ دلوں سے کھیلنے والی لڑکی تو بیاہی گئی
سنتے ہیں وہ لڑکی جاتے وقت بہت ہی روئی تھی
یوں لگتا ہے اس کی کوئی قیمتی سی شے کھوئی تھی

اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو

اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اشک رواں کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو
یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو
لائی ہے اب اڑا کے گئے موسموں کی باس
برکھا کی رت کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو
پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو
شام الم ڈھلی تو چلی درد کی ہوا
راتوں کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو
آنکھوں میں اڑ رہی ہے لٹی محفلوں کی دھول
عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو

تجھ سے بچھڑ کر کیا ہوں میں...

تجھ سے بچھڑ کر کیا ہوں میں، اب باہر آ کر دیکھ
ہمت ہے تو میری حالت، آنکھ ملا کر دیکھ
شام ہے گہری، تیز ہوا ہے، سر پہ کھڑی ہے رات
رستہ گئے مسافر کا اب دیا جلا کر دیکھ
دروازے کے پاس آ آ کر واپس مڑتی چاپ
کون ہے اس سنسان گلی میں، پاس بلا کر دیکھ
شاید کوئی دیکھنے والا ہوجائے حیران
کمرے کی دیواروں پر کوئی نقش بنا کر دیکھ
تو بھی منیر اب بھرے جہاں میں مل کر رہنا سیکھ
باہر سے تو دیکھ لیا اب اندر جا کر دیکھ

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر، اس کو بسر اس نے کیا
میں بہت کمزور تھا اس ملک میں ہجرت کے بعد
پر مجھے اس ملک میں کمزور تر اس نے کیا
راہبر میرا بنا گمراہ کرنے کے لیے
مجھ کو سیدھے راستے سے دربدر اس نے کیا
شہر میں وہ معتبر میری گواہی سے ہوا
پھر مجھے اس شہر میں نامعتبر اس نے کیا
شہر کو برباد کرکے رکھ دیا اس نے منیر
شہر پر یہ ظلم میرے نام پر اس نے کیا

سایہ قصر یار میں بیٹھا

سایہ قصر یار میں بیٹھا
میں تھا اپنے خمار میں بیٹھا
اس کا آنا تھا خواب میں آنا
میں عبث انتظار میں بیٹھا
کوئی صورت نہیں ہے اس جیسی
اس کو دیکھو ہزار میں بیٹھا
اس کو خوشیوں سے خوف آتا ہے
وہم کیا ذہنِ یار میں بیٹھا
ہم بھی رستوں میں پھر رہے تھے منیر
وہ بھی تھا رہ گزار میں بیٹھا

کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے

کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے؟
سوال سارے غلط تھے جواب کیا دیتے؟
خراب صدیوں کی بے خوابیاں تھیں آنکھوں میں
اب ان بے انت خلاؤں میں خواب کیا دیتے؟
ہوا کی طرح مسافر تھے دلبروں کے دل
انھیں بس ایک ہی گھر کا عذاب کیا دیتے؟
شراب دل کی طلب تھی شرع کے پہرے میں
ہم اتنی تنگی میں اس کو شراب کیا دیتے؟
منیر دشت شروع سے سراب آسا تھا
اس آئینے کو تمنا کی آب کیا دیتے؟

پھول تھا بادل بھی تھا

پھول تھا بادل بھی تھا اور وہ حسین صورت بھی تھی
دل میں لیکن اور ہی اک شکل کی حسرت بھی تھا
جو ہوا میں گھر بنائے کا کوئی دیکھتا
دشت میں رہتے تھے پر تعمیر کی عادت بھی تھی
کہہ گیا میں سامنے اس کے جو دل کا مدعا
کچھ تو موسم بھی عجب تھا، کچھ مری ہمت بھی تھی
اجنبی شہروں میں رہتے عمر ساری کٹ گئی
گو ذرا سے فاصلے پر گھر کی ہر راحت بھی تھی
کیا قیامت ہے منیر اب یاد بھی آتے نہیں
وہ پرانے آشنا، جن سے ہمیں الفت بھی تھی

دل جل رہا تھا غم سے مگر نغمہ گر رہا

دل جل رہا تھا غم سے مگر نغمہ گر رہا
جب تک رہا میں، ساتھ میرے یہ ہنر رہا
صبح سفر کی رات تھی، تارے تھے اور ہوا
سائے سا ایک دیر تلک بام پر رہا
میری صدا ہوا میں بہت دور تک گئی
پر میں بلا رہا تھا جسے، بے خبر رہا
گزری ہے کیا مزے سے خیالوں میں زندگی
دوری کا یہ طلسم بڑا کارگر رہا
خوف آسماں کے ساتھ تھا سر پر جھکا ہوا
کوئی ہے بھی یا نہیں ہے، یہی دل میں ڈر رہا
اس آخری نظر میں عجب درد تھا منیر
جانے کا اس کے رنج مجھے عمر بھر رہا

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں
ضروری بات کہنی ہو
کوئی وعدہ نبھانا ہو
اسے آواز دینی ہو
اسے واپس بلانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں
مدد کرنی ہو اس کی
یار کی ڈھارس بندھانا ہو
بہت دیرینہ رستوں پر
کسی سے ملنے جانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں
بدلتے موسموں کی سیر میں
دل کو لگانا ہو
کسی کو یاد رکھنا ہو
کسی کو بھول جانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں
کسی کو موت سے پہلے
کسی غم سے بچانا ہو
حقیقت اور تھی کچھ
اس کو جا کے یہ بتانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں

رشتہ خیال

کبھی کسی بام کے کنارے
اُگے ہوئے پیڑ کے سہارے
مجھے ملی ہیں وہ مست آنکھیں
جو دل کے پاتال میں اُتر کر
گئے دنوں کی گپھا میں جھانکیں

کبھی کسی اجنبی نگر میں
کسی اکیلے، اداس گھر میں
پری رخوں کی حسین سبھا میں
کسی بہار گریز پا میں

کبھی سر رہ کبھی سر کو
کبھی پس در، کبھی لب جو
مجھے ملی ہیں وہی نگاہیں
جو ایک لمحے کی دوستی میں
ہزار باتوں کو کہنا چاہیں

محبت اب نہیں ہوگی...

ستارے جو دمکتے ہیں
کسی کی چشم حیراں میں
ملاقاتیں جو ہوتی ہیں
جمالِ ابر و باراں میں
یہ نا آباد وقتوں میں
دلِ ناشاد میں ہوگی
محبت اب نہیں ہوگی
یہ کچھ دن بعد میں ہوگی
گزر جائیں گے جب یہ دن
یہ اُن کی یاد میں ہوگی

پت جھڑ

وہ دن بھی آنے والا ہے
جب تیری ان کالی آنکھوں میں ہر جذبہ مٹ جائے گا

تیرے بال جنھیں دیکھیں... تو
ساون کی گنگھور گھٹائیں، آنکھوں میں لہرتی آئیں
ہونٹ رسیلے
دھیان میں لاکھوں پہلوؤں کے مہکار جگائیں
وہ دن دور نہیں جب ان پر
پت جھڑ کی رت چھا جائے گی
اور اس پت جھڑ کے موسم کی
کسی اکیلی شام کی چپ میں
گئے دنوں کی یاد آئے گی
جیسے کوئی کسی جنگل میں گیت سہانے گاتا ہے
... تجھ کو پاس بلاتا ہے

خزاں

ہوا کی آواز
خشک پتوں کی سرسراہٹ سے بھر گئی ہے
روش روش پر فتادہ پھولوں نے
لاکھوں نوحے جگا دیے ہیں

سلیٹی شامیں بلند پیڑوں پہ غل مچاتے
سیہ کوؤں کی قافلوں سے اٹی ہوئی ہیں
ہراک جانب خزاں کے قاصد لپک رہے ہیں
ہراک جانب خزاں کی آواز گونجتی ہے
ہراک بستی کشاکشِ مرگ وزندگی سے نڈھال ہو جو
مسافروں کو پکارتی ہے کہ ''آؤ
مجھ کو خزاں کے بے مہر تلخ احساس سے بچاؤ''

خلشِ ہجرِ دائمی نہ گئی

خلشِ ہجر دائمی نہ گئی
تیرے رخ سے یہ بے رخی نہ گئی
پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا دل کو
حسن والوں کی سادگی نہ گئی
سر سے سودا گیا محبت کا
دل سے پر اس کی بے کلی نہ گئی
اور سب کی حکاتیں کہہ دیں
بات اپنی کبھی کہی نہ گئی
ہم بھی گھر سے منیر تب . . .

غزلیں

✪

غم کی بارش نے بھی تیرے نقش کو دھویا نہیں
تو نے مجھ کو کھودیا، میں نے تجھے کھویا نہیں
نیند کا ہلکا گلابی سا خمار آنکھوں میں تھا
یوں لگا جیسے وہ شب کو دیر تک سویا نہیں
ہر طرف دیوار و دَر اور ان میں آنکھوں کے ہجوم
کہہ سکے جو دل کی حالت وہ لبِ گویا نہیں
جرم آدم نے کیا اور نسلِ آدم کو سزا
کاٹتا ہوں زندگی بھر میں نے جو بویا نہیں
جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیر
غم سے پتھر ہوگیا لیکن کبھی رویا نہیں

✪

وہ جو میرے پاس سے ہوکر کسی کے گھر گیا
ریشمی ملبوس کی خوشبو سے جادو کرگیا
اک جھلک دیکھی تھی اُس روئے دلآرا کی کبھی
پھر نہ آنکھوں سے وہ ایسا دلربا منظر گیا
شہر کی گلیوں میں گہری تیرگی گریاں رہی
رات بادل اس طرح آئے کہ میں تو ڈر گیا
تھی وطن میں منتظر جس کی کوئی چشمِ حسیں
وہ مسافر جانے کس صحرا میں جل کر مرگیا
صبحِ کاذب کی ہوا میں درد تھا کتنا منیر
ریل کی سیٹی بجی تو دل لہو سے بھر گیا

✪

چمن میں رنگِ بہار اُترا تو میں نے دیکھا
نظر سے دل کا غبار اُترا تو میں نے دیکھا
میں نیم شب آسماں کی وسعت کو دیکھتا تھا
زمیں پہ وہ حسن زار اُترا تو میں نے دیکھا
گلی کے باہر تمام منظر بدل گئے تھے
جو سایۂ کوئے یار اُترا تو میں نے دیکھا
خمارِ مے میں وہ چہرہ کچھ اور لگ رہا تھا
دمِ سحر جب خمار اُترا تو میں نے دیکھا
اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

✪

ہنسی چھپا بھی گیا اور نظر ملا بھی گیا
یہ اک جھلک کا تماشا جگر جلا بھی گیا
اٹھا، تو جا بھی چکا تھا، عجیب مہماں تھا
صدائیں دے کے مجھے نیند سے جگا بھی گیا
غضب ہوا جو اندھیرے میں جل اٹھی بجلی
بدن کسی کا طلسمات کچھ دکھا بھی گیا
نہ آیا کوئی لب بام، شام ڈھلنے لگی
وفورِ شوق سے آنکھوں میں خون آ بھی گیا
ہوا تھی، گہری گھٹا تھی، حنا کی خوشبو تھی
یہ ایک رات کا قصہ لہو رلا بھی گیا
چلو منیر چلیں، اب یہاں رہیں بھی تو کیا
وہ سنگ دل تو یہاں سے کہیں چلا بھی گیا

✪

بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوئے رہنا
اک آگ سی جذبوں کی دہکائے ہوئے رہنا
چھلکائے ہوئے چلنا خوشبو لب لعلیں کی
اک باغ سا ساتھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا
اُس حسن کا شیوہ ہے، جب عشق نظر آئے
پردے میں چلے جانا، شرمائے ہوئے رہنا
اک شام سی کر رکھنا کاجل کے کرشمے سے
اک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا
عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا، اکتائے ہوئے رہنا

✪

اُگا سبزہ در و دیوار پر آہستہ آہستہ
ہوا خالی صداؤں سے نگر آہستہ آہستہ
گھِرا بادل خموشی سے خزاں آثار باغوں پر
ہلے ٹھنڈی ہواؤں میں شجر آہستہ آہستہ
بہت ہی سست تھا منظر لہو کے رنگ لانے کا
نشاں آخر ہوا یہ سرخ تر آہستہ آہستہ
چمک زر کی اُسے آخر مکانِ خاک میں لائی
بنایا ناگ نے جسموں میں گھر آہستہ آہستہ
مرے باہر فصیلیں تھیں غبارِ خاک و باراں کی
ملی مجھ کو ترے غم کی خبر آہستہ آہستہ
منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

✪

ہم زباں میرے تھے ان کے دل مگر اچھے نہ تھے
منزلیں اچھی تھیں میرے ہم سفر اچھے نہ تھے
جو خبر پہنچی یہاں تک اصل صورت میں نہ تھی
تھی خبر اچھی مگر اہل خبر اچھے نہ تھے
بستیوں کی زندگی میں بے زری کا ظلم تھا
لوگ اچھے تھے وہاں کہ اہلِ زر اچھے نہ تھے
ہم کو خوباں میں نظر آتی تھیں کتنی خوبیاں
جس قدر اچھے لگے تھے اس قدر اچھے نہ تھے
اس لیے آئی نہیں گھر میں محبت کی ہوا
اس محبت کی ہوا کے منتظر اچھے نہ تھے
اک خیالِ خام ہی مرشد تھا ان کا اے منیر
یعنی اپنے شہر میں اہل نظر اچھے نہ تھے

اسلم پرویز

مرزا فرحت اللہ بیگ

مرزا فرحت اللہ بیگ چہرے مہرے کے اعتبار سے ٹھیٹھ مغل تھے۔ اُن کے جگری دوست غلام یزدانی نے، جنھیں وہ پیار سے دانی کہا کرتے تھے، ان کے چہرے کا نقشا ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''رنگ نہایت سرخ و سپید، جلد صاف، ہونٹ، پتلے پتلے، دانت چھوٹے اور پیوست، چہرہ نہ لمبا نہ زیادہ گول، آنکھیں البتہ چھوٹی چھوٹی اور ایک آنکھ کو دبا کر دیکھتے تھے۔''

مرزا فرحت اللہ بیگ کا خاندان شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ترکستان سے ہندوستان آیا تھا۔ خواجہ امان، مرزا فرحت اللہ بیگ کے پرنانا تھے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی پیدائش کا ہجری سال 1300 اور عیسوی مہینہ اور سال ستمبر 1883 تھا۔ وہ دلی کے محلّہ چوڑی والان کے رہنے والے تھے۔ اُن کی ولادت ڈپٹی سلطان خاں کے مکان میں ہوئی تھی جو ان کے حقیقی پھپا تھے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے والد مرزا حشمت اللہ بیگ بھی ایک خوب صورت انسان تھے۔ مرزا کے دادا کا نام مرزا عبداللہ بیگ تھا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی والدہ مشرف جہاں بیگم تھیں اور ان کی نانی کا نام انجمن آرا بیگم تھا۔

مرزا فرحت اللہ بیگ نے قرآن اور دین کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ اس کے بعد انھیں شاہ جی کے چھتے کے مدرسے میں داخل کر دیا گیا۔ اس مدرسے سے فارغ ہو کر وہ کشمیری دروازے والے مدرسے میں داخل ہوئے۔ یہ وہی عمارت تھی جہاں کبھی رزیڈنسی ہوا کرتی تھی اور 1857 سے پہلے دلی کالج بھی اسی عمارت میں آباد تھا۔

1903 میں انھوں نے سینٹ اسٹیفنز میں داخلہ لیا اور 1905 میں اچھے نمبروں سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ 1905 کے بعد اسی کالج میں انھوں نے ایم اے کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

1907 میں مرزا فرحت اللہ بیگ ملازمت کی غرض سے حیدرآباد چلے آئے اور پھر تادمِ حیات وہ یہیں رہے۔ حیدرآباد میں ان کی ملازمت کا سلسلہ ہیڈ ماسٹری سے شروع ہوا اور پھر وہ ترقی کرتے کرتے سشن جج کے عہدے تک پہنچے۔ سشن جج کی حیثیت سے ان کا تقرر گلبرگہ میں ہوا تھا۔ گلبرگہ کے ہی دورانِ قیام ان پر مذہبی رنگ غالب آیا اور وہ پکے نمازی ہو گئے۔ یہ سلسلہ مرتے دم تک جاری رہا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا انتقال اچانک دل کی حرکت بند ہو جانے سے 27 اپریل 1947 کو ہوا وہ چونسٹھ سال زندہ رہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کی تصانیف میں ان کے مضامین کے سات مجموعے اور چند متفرق چیزیں شامل ہیں۔ یہ سب ان کی زندگی میں شائع ہو چکے تھے۔ ان کے مقربین کا کہنا ہے کہ ان کے پاس اپنے غیر مطبوعہ مضامین کا کم از کم اتنا ذخیرہ اور موجود تھا جس سے ان کے مضامین کا آٹھواں مجموعہ تیار ہو جاتا لیکن اب وہ غیر مطبوعہ مضامین کہاں ہیں کوئی نہیں جانتا۔ ان مضامین کے علاوہ ان کے انتقال کے تیس سال بعد یعنی 1977 میں ان کی ایک اور کتاب 'میری داستان' شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے ناشر مرزا فرحت اللہ بیگ کے بڑے بیٹے مرزا شرافت اللہ بیگ ہیں۔ 1951 میں فرحت میموریل کمیٹی کی جانب سے 'یادگار فرحت' شائع ہوئی۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی ایک غیر مطبوعہ کتاب 'میری داستان' کے نام سے بھی موجود ہے 'میری داستان' دراصل حیدرآباد میں مرزا فرحت اللہ بیگ کے چونتیس سالہ دورِ ملازمت کی روداد ہے۔

رسالہ 'نمائش' کے اجرا سے پہلے مرزا فرحت اللہ بیگ کا ایک مضمون 'ہم اور ہمارا امتحان' 1919 یا 1920 میں رسالہ 'افادہ' میں بھی شائع ہو چکا تھا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنے نام سے نہیں بلکہ مرزا الم نشرح کے نام سے شائع کرایا تھا۔ ان کے مضامین کے تفصیلی مطالعے سے پتا چلتا ہے وہ بیک وقت ایک طنز و مزاح نگار، قصہ نویس، خاکہ نگار، ادبی محقق اور نقاد، ڈراما نگار، سماجی مصلح، شاعر اور مصور بھی کچھ تھے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کی تمام تحریروں میں ان کے تین مضامین کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ یہ مضامین ہیں 'نذیر احمد کی کہانی، کچھ میری کچھ ان کی زبانی'، 1261 ہجری میں دہلی کا ایک مشاعرہ' اور 'پھول والوں کی سیر'۔ 'نذیر احمد کی کہانی' ان کا سب سے عمدہ مضمون ہے جس کے بارے میں بیشتر نقادوں کا یہ قول ہے کہ مرزا فرحت اللہ بیگ اگر کچھ اور نہ لکھتے تو بھی اس مضمون کی بدولت وہ زندہ رہتے۔

'نذیر احمد کی کہانی' پہلی بار رسالہ اردو کے جولائی 1927 کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا دوسرا اہم مضمون '1261 ہجری میں دہلی کا ایک مشاعرہ'، ہے یہ مضمون اپنے نام کے تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ 'دہلی کی آخری شمع'، 'دہلی کا آخری یادگار مشاعرہ'، 'دہلی کا آخری مشاعرہ' وغیرہ ناموں سے متعدد بار کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا تیسرا شاہکار 'پھول والوں کی سیر' ہے، اس مضمون کی حیثیت ایک ثقافتی دستاویز کی سی ہے۔ پھول والوں کی سیر کا میلا دلی میں ہر سال بھادوں کے مہینے میں مہرولی میں لگا کرتا ہے اس میلے میں شہر کے ہندو اور مسلمان بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ میلا بہادر شاہ ظفر کے والد اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں شروع ہوا تھا لیکن اسے زیادہ دھوم دھام سے منانے کا رواج بہادر شاہ کے زمانے میں عام ہوا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ایک مزاح نگار کی حیثیت سے کیا تھا ان کے قلمی نام مرزا اُلم نشرح میں بھی بجائے خود ایک لطیف مزاح موجود ہے۔ لیکن جیسے جیسے وہ لکھتے گئے ان کے ہاں نئی نئی جہتیں پیدا ہوتی گئیں۔ اس اعتبار سے ان کے مذکورہ بالا تین مضامین کی اہمیت یہ ہے کہ یہ مضامین مرزا فرحت اللہ بیگ کی تمام نہیں تو بیشتر جہات کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ 'نذیر احمد کی کہانی' میں انھوں نے صرف بہترین مزاح نگار ہونے کا ثبوت بہم نہیں پہنچایا ہے بلکہ وہ ایک کامیاب خاکہ نگار کی صورت میں بھی ہمارے سامنے آتے ہیں اسی طرح 'دہلی کا ایک مشاعرہ' میں انھوں نے ادبی تحقیق کے جوہر دکھانے کے ساتھ ساتھ ڈراما نگاری کے فن کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ پھول والوں کی سیر میں ثقافت، انشاپردازی اور قصہ نویسی یہ تینوں چیزیں موجود ہیں۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کی بہت سی تحریریں ایسی ہیں جن میں انھوں نے خوش طبعی اور ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً ان کے مضامین 'نذیر احمد کی کہانی'، 'کل کا گھوڑا' اور 'ایک نواب صاحب کی ڈائری'۔ ان کا مضمون 'کل کا گھوڑا' یا 'ایک نواب صاحب کی ڈائری' بنیادی طور پر طنزیہ مضامین ہیں۔ سائنسی ایجادات کو اخبارات کس طرح رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں اور خبروں کو اپنے اخبار کی فروخت کے لیے کیا سے کیا رنگ دیتے ہیں اور سائنس پڑھ لینے کے بعد لوگ کس طرح فطرت کو چھوڑ کر میکانیکیت کے غلام ہو جاتے ہیں 'کل کا گھوڑا' انھی تمام باتوں پر کاری طنز ہے لیکن

اس مضمون میں اسی قدر بھرپور ظرافت بھی ہے کہ پڑھنے میں لطف آجاتا ہے۔ اس طرح 'ایک نواب صاحب کی ڈائری' والے مضمون میں برٹش راج کے عدالتی نظام پر کتوں کے وسیلے سے جو پھبتیاں کسی گئی ہیں وہ مرزا فرحت اللہ بیگ ہی کا حصہ ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کو خاکہ نگاری کے فن پر بھی بھرپور قدرت حاصل ہے۔ خاکوں کے علاوہ ادبی تحقیق کے تعلق سے انھوں نے ماضی کی چند اہم ہستیوں کے مرقعے بھی تیار کیے ہیں اس اعتبار سے نظیر اکبرآبادی، سید انشا، خواجہ امان، حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان اور انعام اللہ خاں یقین وغیرہ پر انھوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ادبی تحقیق اور تنقید کے نمونے ہیں۔

اپنے بعض مضامین کی شکل میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے خودنوشت سوانح کے فن کا مظاہرہ کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس اعتبار سے 'یاد ایام عشرت فانی' ان کا ایک دل چسپ مضمون ہے جو دو حصوں پر پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے مرزا فرحت اللہ بیگ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ مبسوط انداز میں اپنے خودنوشت سوانح ترتیب دیں گے لیکن اپنی زندگی میں وہ یہ منصوبہ پورا نہیں کر سکے۔

پروفیسر سید محی الدین قادری زور نے مرزا فرحت اللہ بیگ کی ادبی تحقیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات بالکل بجا کہی ہے کہ اردو میں ادبی تحقیق کی روایت محمد حسین آزاد سے شروع ہوتی ہے اور آزاد کے بعد اس میں دوسرا نام مرزا فرحت اللہ بیگ کا ہی آتا ہے۔

انشاپردازی اور طنز و مزاح میں ایک فرق یہ ہے کہ انشاپردازی کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں جاکے رومانیت سے ضرور مل سکتے ہیں جب کہ طنز و مزاح حقیقت کو کریدتا ہوا چلتا ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کوئی باقاعدہ محقق نہیں تھے اور اردو میں اس وقت تک تحقیق کی وہ روایت بھی قائم نہیں ہوئی تھی جس نے تھوڑا آگے چل کر محمود شیرانی، قاضی عبدالودود اور مولانا امتیاز علی عرشی جیسے لوگ پیدا کیے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کا اسلوب نگارش انتہائی دلکش تھا۔ وہ دلی والے تھے اس لیے دلی کی ٹکسالی زبان لکھتے تھے لیکن ایسی ٹکسالی زبان نہیں جس میں محاوروں کی ٹھونس ٹھانس ہو۔ انھوں نے دراصل دلی کے روزمرہ کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا تھا۔ ان کے وہ مضامین تو خاص طور پر بہت ہی دلچسپ ہیں جس میں انھوں نے دلی کے رہن سہن کو دلی کے طور طریقوں کو اور دلی والوں کے مشاغل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔

روزمرہ کے علاوہ آسان زبان لکھنا کسی بھی ادیب کے لیے ایک مشکل کام ہے بہت سے لوگ اس مشکل کو عبور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور مرزا فرحت اللہ بیگ میں یہ صلاحیت تھی۔

□

ماخذ: مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین، مرتبہ: ڈاکٹر اسلم پرویز، سن اشاعت: 1969، 1992، 1997، 2009، ناشر: اردو اکادمی، دہلی سی پی او بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی 6

مصنف: فرحت اللہ بیگ   مرتبہ: اسلم پرویز

دیارِ عشق

سب ہی جانتے ہیں کہ شہید میرا دوست اور بڑا پکا دوست تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ امیر تھا اور میں غریب۔ مگر دوستی میں نہ اس نے اس بات کا کبھی خیال کیا اور نہ میں نے کبھی خدانخواستہ اس کے روپے سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ بلکہ میں تو یوں کہوں گا اس کی دوستی سے میں ہی کچھ نقصان میں رہتا تھا۔ بورڈنگ سے شام کو ہم دونوں ٹہلنے نکلے ہیں۔ شہید کو پیاس لگی کہنے لگا ''چلو بھئی کچھ پییں۔'' کسی دکان پر ٹھیرے۔ دو بوتلیں لیمونیڈ کی کھلوائیں۔ ایک اس نے پی، ایک میں نے پی۔ پینے کے بعد میں نے پیسے نکال، دکان والے کو دیے۔ شہید ''نہیں نہیں'' کرتا رہا۔ مگر میں نے ایک نہ سنی۔ آپ یقین مانیے کہ اگر کوئی میرے برابر والا ہوتا تو آدھے دام ضرور دھروا لیتا۔ مگر محض اس کی امارت کی وجہ سے میں خود دام دیتا کہ کہیں کسی کو یہ کہنے کی جگہ نہ ہو کہ ''امیر کا بیٹا سمجھ کر میں نے شہید سے دوستی کی ہے۔''

بہرحال طالب علمی کے زمانے میں میرا اور اس کا خوب ساتھ رہا۔ میں نے بی اے کیا۔ اس نے بھی بی اے کیا۔ میں امتحان وکالت کی تیاری کرنے لگا اور وہ پڑھنا لکھنا چھوڑ اپنے گھر چلا گیا۔ وکالت کا امتحان دینے کے بعد، میں تھوڑے دن کے لیے اس کے ہاں گیا۔ ماشاءاللہ بڑا زبردست کارخانہ تھا۔ نوکر چاکر، گاڑی، گھوڑا، مکان، باغ، غرض خدا کا دیا سب کچھ موجود تھا۔ مجھ سے بڑی محبت سے ملا۔ اپنے والد سے مجھ کو ملوایا۔ خط نہ لکھنے کی شکایت کرتا رہا۔ ہر پھر کر یہی کہتا تھا کہ ''بھائی میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ گاؤں کا کام مجھ سے نہیں چل سکتا اور والد صاحب قبلہ زبردستی مجھے اس میں ٹھونسے دیتے ہیں۔

''شام کو گاڑی میں بیٹھا مجھے سیر کرانے لے گیا۔ یہ قصبہ بہت آباد ہے۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ ندی کے بیچوں بیچ جزیرے کی شکل میں بسا ہوا ہے۔ اس کی باتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ندی کی طغیانی اکثر قصبے کو نقصان پہنچا چکی ہے۔ مگر لوگوں کو یہ جگہ کچھ ایسی پسند آئی ہے کہ چھوڑنے کا نام نہیں لیتے۔ غرض اسی طرح چند روز گزار کر میں اپنے گھر چلا آیا۔ وکالت شروع کی اور خدا کے فضل سے اچھی چلی۔ کوئی دو برس گزرے ہوں گے کہ شہید کا تار آیا، لکھا تھا کہ ''آج شام کی گاڑی سے پہنچوں گا۔ اسٹیشن پر سواری بھیج دینا۔'' شام کو میں خود اپنی موٹر لے کر اسٹیشن پہنچا۔ شہید ہنستا ہوا ریل سے اترا اور کہنے لگا ''ارے بھئی مرزا۔ میں تو زندگی سے تنگ آگیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ گاؤں کے حساب کتاب نے مجھے تو مار ڈالا۔ سوچا کہ چلو۔ تھوڑے دنوں یار کے ہاں رہ آؤ، شاید کچھ طبیعت بہل جائے۔ خیال آنا تھا کہ کھڑا ہوا— والد صاحب قبلہ روکتے بھی رہے مگر جب انھوں نے تمھارا نام سنا تو خاموش ہوگئے۔ دوسرے اُگھائی کا زمانہ نہیں تھا۔ اس لیے بھی انھوں نے مجھے روکنا بے ضرورت سمجھا۔''

شہید کی وجہ سے میں نے بھی اپنا پلنگ مردانہ میں منگوا لیا۔ رات کو اس ظالم نے وہ الٹے سیدھے قصے چھیڑے کہ نیند حرام کر دی۔ معلوم نہیں کہ کیوں اس زمانے میں میرے افسانے بہت پسند کیے جاتے تھے۔ شہید رہ رہ کر یہی سوال کرتا تھا کہ ''یار یہ بتاؤ کہ ایسے مضمون تم لکھتے کیسے ہو۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں مگر جب خود مجھے اپنا مضمون پسند نہیں آتا تو بھلا دوسرے اس کو کیوں پسند کرنے لگے۔ بھئی ہم تم کو ایسا نہیں سمجھے تھے۔ تم تو چھپے رستم نکلے۔ قسم خدا کی۔ میں اگر ایسے مضمون لکھنے لگوں تو بیڑا پار ہے۔ ایک صفحہ لکھ کر سارے دن کی کلفت دور ہو جائے۔'' میں نے کہا ''میاں شہید'' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے خود نہیں معلوم کہ میں یہ مضمون کیوں کر لکھ لیتا ہوں۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ لوگ اسے کیوں پسند کرتے ہیں۔ اگر ہماری بات مانو تو ایک صلاح دیں۔ تم شادی کر ڈالو۔ پھر گھرداری کے جھگڑوں میں پڑ کر یہ ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی اور مضمون لکھنے کو مواد بھی بہت کچھ مل جائے گا۔'' شہید نے میرے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا ''میاں مرزا، خدا کے لیے ایسی فال زبان تو منھ سے مت نکالو۔ میں اور شادی کروں۔ یوں ہی کیا کم جھگڑے میرے پیچھے لگے ہیں۔ جو بیوی کا دُم چھلا بھی اپنے ساتھ لگا لوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ آزاد بھی رہوں اور دل بھی بہل جائے۔'' میں نے کہا ''حضرت یہ ذرا مشکل کام ہے۔ یہ بات تو صرف دو ہی طرح کے آدمیوں کو حاصل ہے یا دیوانوں کو یا عاشقوں کو۔ خیر دیوانہ بننا تو تمھارے بس کی بات نہیں ہے۔ ہاں عاشق ہو سکتے ہو۔ پھر کیا ہے کہ میرے دونوں میٹھے ہیں۔ آزادی الگ ملے گی اور مضمون نگار الگ ہو جاؤ گے۔ اور مضمون نگاری بھی کیسے کہ رہے نام سائیں کا۔ اگر سارا

ہندوستان نہ چیخ اٹھے تو میرا ذمہ۔'' میں نے تو یہ بات ہنسی ہنسی میں کہی تھی۔ مگر خدا معلوم۔ شہید کیوں سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے بات بدلنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن اس کو جو چپ لگی تو پھر میری کسی بات کا اس نے جواب نہ دیا۔ آخر باتیں کرتے کرتے مجھے بھی نیند آ گئی۔ صبح جو سو کر اٹھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ شہید کا پلنگ خالی پڑا ہے۔ اس آدمی کو بلا کر دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ حضرت چار بجے کی گاڑی سے چل دیے۔ میں نے سب نوکروں کو ڈانٹا کہ مجھے کیوں نہ جگا لیا۔ مگر وہ بچارے کیا کرتے۔ میاں شہید نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میں بھائی سے اجازت لے کر جا رہا ہوں۔ کیوں خواہ مخواہ جگا کر انھیں حیران کرتے ہو۔

میں صبح کو ہاتھ منھ دھو، ناشتہ کر دفتر میں آیا۔ کچھ موکل آ گئے تھے۔ ان سے مقدمات سمجھتا رہا۔ نو بجے کے قریب ڈاک آئی۔ خطوں کو دیکھا۔ اخبار اٹھا کر ادھر اُدھر الٹا پلٹا۔ ایک جگہ موٹے موٹے حرفوں میں لکھا تھا ''ایک قصبہ کی تباہی'' معلوم نہیں کہ کیوں اس خبر کے پڑھنے کو جی چاہا۔ دو چار سطریں پڑھی ہوں گی کہ جی گھبرانے لگا اور آنکھوں کے سامنے سے حرف بھاگنے لگے۔ ہائے شہید کا سارا خاندان تباہ ہو گیا۔ سارے کا سارا قصبہ بہہ گیا۔ بھلا وہ بھی کوئی ندی میں ندی تھی جس نے یہ آفت بپا کر دی۔ اور یہ طغیانی ہی کا کون سا موسم تھا۔ بس یہ کہو کہ ان سب بچاروں کی موت ہی آ گئی تھی یا خدا بے چارے شہید پر رحم کرے۔ کہیں غریب اس صدمے سے دیوانہ نہ ہو جائے۔ میں نے اسی وقت شہید کے نام تار دیا۔ لیکن دو ہی گھنٹے کے بعد جواب آیا کہ ''قصبہ بالکل تباہ ہو گیا۔ وہاں کوئی نہیں ہے جس کو تار دیا جائے۔'' انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر چپ ہو گیا۔ لیکن دل پر ایسا دھچکا لگا کہ کئی روز تک کھانا پینا حرام ہو گیا۔ رات ہے۔ تو یہی فکر ہے۔ دن ہے تو یہی فکر ہے کہ اس قصبہ والوں پر کیا گزری ہو گی اور بچارے شہید پر کیا گزرے گی۔

اس واقعہ کو کچھ اوپر ایک سال ہو گیا ہے۔ آج کوئی دو بجے مجھے ایک خط ملا۔ خط ضرور شہید کا ہے۔ طرز تحریر بھی اس کی ہے۔ طریقہ مخاطبت بھی اسی کا ہے۔ املا بھی اسی کی ہے۔ انشا بھی اسی کی ہے لیکن مضمون اس کا نہیں معلوم ہوتا۔ اب خدا کو خبر ہے کہ شہید دیوانہ ہو گیا ہے یا کوئی اور راز ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ خط نقل کیے دیتا ہوں۔ کوئی بھلے آدمی مجھے بتائیں کہ آخر یہ ہے کیا معاملہ یکم اپریل سے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میرے یار نے مذاق کیا ہے لیکن واقعات کا تسلسل اور عبارت کی نشست کہتی ہے کہ نہیں۔ اس میں اصلیت ہے اور ضرور، اصلی ہے۔ خواہ ہم اس کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔ بہر حال ملاحظہ ہو۔

از مسحورا

یکم اپریل سنہ رواں

یار عزیز۔ خدا تم سے سمجھے۔ تم نے بیٹھے بٹھائے مجھے عشق کی مصیبت میں پھنسا دیا۔ نہ اس روز تمھارے پاس آتا اور نہ ان مشکلات میں گرفتار ہوتا۔ گھر والے بہے تھے۔ ان کے ساتھ میں بھی بہہ جاتا۔ نہ جیتا رہتا اور نہ اس عشق کے جنجال میں پڑتا۔ تو، خیر سنو۔ تم تو اس روز باتیں کرتے کرتے غین ہو گئے اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ مرزا کی ترکیب بہت ''چوکھی'' ہے۔ چلو کہیں چل کر عاشق ہی کیوں نہ ہو جاؤ۔ اگر سچا عاشق ہوا تو پھر کہنا ہی کیا ہے۔ اگر یوں ہی کچھ لگاؤ ہوا تو مضمون نگار ہو جاؤ گے۔ یہ بھی قسمت آزمائی ہے۔ اس کو بھی کر دیکھو۔ غرض یہی سوچتے سوچتے تین بج گئے۔ چار بجے ریل جاتی تھی۔ میں نے اٹھ کر چپکے چپکے بستر باندھنا شروع کیا۔ خبر نہیں تمھارا نوکر برہان کیوں کر جاگ اٹھا۔ اس نے پہلے تو مجھے چور سمجھا اور کیا عجیب کہ وہ مجھ پر آ کر لکڑی کا وار کرتا۔ کیوں کہ اس کا دبے پاؤں آنا خالی از علت نہ تھا۔ مگر جب اس نے مجھے پہچانا تو وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ میں نے اس کو یقین دلایا کہ میں تمھاری اجازت سے جا رہا ہوں۔ صرف ایک مقدمے میں مشورہ لینے آیا تھا۔ کل پیشی ہے۔ اگر چار بجے کی گاڑی سے نہ گیا تو نقصان ہو جائے گا۔ یہ سن کر وہ بھی اسباب سمیٹنے میں میرا شریک ہو گیا۔ اس کے سر پر سامان رکھوا کر اسٹیشن پہنچا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی آ گئی۔ میں نے ٹکٹ لیا اور سوار ہو گیا۔ خدا کے لیے برہان کو کچھ نہ کہنا۔ اس میں اس بچارے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ جنکشن پر اخبار خریدا۔ اس میں جو کچھ لکھا تھا وہ تم نے بھی پڑھا ہو گا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جب گھر بار رہا نہ ماں باپ۔ بھائی بہن رہے نہ مکان اندوختہ رہا نہ زمین تو پھر میں گھر جا کر کیا کرتا۔ میں اسی خیال میں حیران و پریشان بیٹھا تھا کہ مرغوب آباد سے ایک بڑے میاں سوار ہوئے۔ ایسے باتونی تھے کہ خدا کی پناہ۔ بیٹھنے کے ساتھ ہی انھوں نے میرے سگریٹ کے بکس پر قبضہ کیا اور تڑاتڑ اس طرح سگریٹ پینے شروع کیے کہ تھوڑی ہی دیر میں نو سگریٹوں کا خون کر دیا۔ ان کی باتیں کچھ ایسے مزے کی تھیں کہ میں نے بھی ان کے سامنے سے بکس اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے کہ ''ہمارے مرغوب آباد سے تھوڑے فاصلے پر پہاڑوں کے بیچ میں ایک بستی ہے۔ وہاں کی آب و ہوا میں کچھ اس بلا کا اثر ہے کہ جہاں کسی نے وہاں قدم رکھا اور عاشق ہوا۔ اور مزا یہ ہے کہ جو وہاں جاتا ہے آنے کا نام نہیں لیتا۔ پہلے تو جانے والوں کا بڑا زور تھا۔ آج یہ گیا کل وہ گیا۔ مگر تھوڑے دنوں سے سرکار نے وہاں جانے کی ممانعت کر دی ہے اور لوگ خود بھی وہاں جانے سے گھبراتے ہیں۔ اس لیے عاشقوں کے قافلے اب ذرا ادھر کم جاتے ہیں۔ بھئی ہمارے خیال میں تو وہاں پریاں آباد ہیں۔ وہ انسانوں پر کچھ جادو کر کے اس طرح پھانس لیتی ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ واپس آنے کا نام نہیں لیتا۔ اسی وجہ سے سب لوگ اس کو مسحورا کہتے ہیں۔'' یہ مضمون کچھ ایسا دل چسپ تھا کہ میں سارا غم بھول گیا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ بڈھا یوں ہی غپیں مار رہا ہے۔ لیکن جب اس بھلے مانس نے قسمیں کھائیں اور اُتے پتے کی باتیں بیان کیں اس وقت مجھے بھی کچھ یقین سا آ گیا سوچا کہ ''میاں شہید جب زندگی گزارنے کا بس یہی ایک رستہ رہ گیا ہے۔ اگر بڈھے کی بات صحیح نکلی تو اچھی گزر جائے گی۔'' غرض یہ سوچ کر میں دوسرے اسٹیشن پر اتر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاؤن ٹرین بھی مل گئی۔ اس میں سوار ہو مرغوب آباد پہنچا۔ ریل سے اترا۔ سامان اسٹیشن ماسٹر کی تحویل میں دیا۔ صبح ہو چکی۔ اسٹیشن پر تانگے والے کھڑے تھے۔ میں نے ایک سے کہا ''میاں تانگے والے مجھے مسحورا لے چلو گے۔'' یہ سن کر وہ میرا منھ دیکھنے لگا۔ میں نے کہا ''کیوں آخر مسحورا جانا کوئی جرم ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اجی جائیے۔ پرے ہٹیے۔ آپ ہمیں پولیس میں گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ اب کہا تو کہا۔ آئندہ یہ لفظ منھ سے نہ نکالنا ورنہ پکڑے جاؤ گے۔'' خیر ان باتوں سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ بڈھے کی باتوں میں کچھ اصلیت ضرور تھی۔ سارا دن میں نے اِدھر اُدھر گھوم کر کاٹا اور چپکے چپکے یکے والوں، تانگہ والوں، گاڑی بانوں اور چھکڑے والوں سے مسحورا چلنے کو کہتا رہا۔ مگر کسی نے بھی چلنے کی حامی نہ بھری۔ آخر شام کو ایک بڈھے گاڑی بان نے کہا ''میاں میں لے تو چلوں گا مگر ایک شرط ہے کہ مسحورا سے پانچ میل ادھر چھوڑ دوں گا۔ آگے آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔ رات اندھیری ہے۔ آپ نو بجے مجھ سے گاؤں کے باہر ملیے۔ میں گاڑی جھاڑیوں میں چھپا دوں گا۔ جب گاؤں کے سب لوگ سو جائیں گے۔ اس وقت ہم دونوں پہاڑوں کی طرف نکل کھڑے ہوں گے۔ مگر میاں میں پچاس روپے لوں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی کو ذرا بھی خبر ہو گئی کہ میں کسی مسافر کو مسحورے کی طرف لے گیا ہوں تو پھر میری خیر نہیں۔''

بہر حال۔ بڑے میاں سے سب کچھ ٹھہرا، میں اسٹیشن گیا۔ تھوڑا سا سامان لے۔ مختصر سے بچھونے میں

لپیٹا۔ ٹرانک اور باقی سامان کرایہ دے اسٹیشن ماسٹر کے سپرد کردیا۔ ہوٹل میں کچھ کھانا کھایا۔ کچھ ساتھ رکھا اور نو بجے گاؤں کے باہر پہنچ گیا۔ یہاں گاڑی بان صاحب میرا انتظار کررہے تھے۔ انھوں نے پہلے تو پورے پچاس روپے مجھ سے گنوا لیے۔ اس کے بعد میرا سامان اپنی کمر پر لاد ایک طرف کو چلے۔ میں بھی ساتھ ہوگیا۔ کوئی ایک میل کے فاصلے پر جھاڑیاں شروع ہوئیں۔ انھی جھاڑیوں میں ایک طرف اُن کے بیل بندھے تھے اور بہلی کھڑی تھی۔ کوئی دس ساڑھے دس بجے تک میں بہلی میں بستر بچھا لیٹا رہا اور گاڑی بان صاحب کمبل اوڑھے دم سادھے ایک طرف پڑے رہے۔ گیارہ کا عمل ہوگا کہ انھوں نے آکر مجھ سے کہا ''میاں چلیے وقت ہوگیا ہے۔'' میں نے کہا ''چلو میں تو پہلے سے تیار ہوں۔'' انھوں نے بہلی میں بیل لگائے۔ چارہ وغیرہ سمیٹ کر سانگی میں بھرا۔ بہلی کو پگ ڈنڈی پر ڈالا اور سنسان رات میں یہ دو آدمیوں کا قافلہ خدا معلوم کس طرف روانہ ہوا۔

رات کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ ہری ہری گھانس کی خوشبو اور بہلی کے نرم نرم ہچکولوں سے میری آنکھ لگ گئی۔ میں مزے کی نیند سو رہا تھا کہ گاڑی بان نے مجھے جھنجھوڑ کر اٹھایا اور کہا ''لیجیے میاں۔ اتریے۔ اب اس سے آگے ہم نہیں جاتے۔ دیکھیے اب بھی موقع ہے۔ واپس چلے چلیے۔ پھر یہ نہ کہیے گا کہ اس بڈھے نے میری مٹی خراب کی۔'' میں نے بہت کہا کہ ''بڑے میاں ذرا اور آگے لے چلو مجھے راستہ معلوم نہیں۔ اندھیری رات ہے۔ خدا معلوم کدھر کا کدھر نکل جاؤں۔ کچھ اور لے لینا۔ مگر وہ بڈھا کب ماننے والا تھا۔ کہنے لگا ''اجی اب اترتے ہو یا نہیں۔ مجھے صبح ہونے سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔ کیا اپنے ساتھ مجھے بھی تباہ کرنے کا ارادہ ہے۔ اگر نہیں اُترتے تو میں گاڑی پھیرتا ہوں۔ قہر درویش بر جان درویش۔ بہلی سے اترا۔ سامان پوٹلی کندھے پر رکھی۔ بڑے میاں سے راستہ پوچھا اور عاشق ہونے کے لیے اس شان سے روانہ ہوگیا۔ گاڑی بان گاڑی پھیر، اس زناٹے سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا کہ تھوڑی ہی دیر میں نظروں سے غائب ہوگیا۔ کچھ دیر تک تو گاڑی کی کھڑ کھڑ سنائی بھی دی۔ اس کے بعد بالکل سناٹا ہوگیا۔

جہاں گاڑی بان نے مجھے چھوڑا تھا، وہاں سے پہاڑ کی چڑھائی ختم ہوکر اتار شروع ہوتا تھا۔ چاروں طرف ایسا اندھیرا گھپ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ لمبی لمبی گھانس اونچے اونچے درخت اور کالی کالی چٹانوں نے ایک عجیب وحشت ناک منظر پیدا کردیا تھا۔ میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ کئی دفعہ خیال آیا کہ میاں شہید واپس چلو۔ بھئی۔ تم خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ پھر سوچا کیا کہ یار یہاں تو نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' کی صورت ہے واپس جاتے ہو تو مرغوب آباد ہی کا راستہ تمھیں کون سا معلوم ہے۔ اب پڑی ہے تو اٹھاؤ یہ ساری مصیبت تم نے اپنے ہی ہاتھوں مول لی ہے۔ غرض سوچتا تھا اور قدم اٹھائے چلا جاتا تھا۔ خدا معلوم اسی کش مکش خیال میں کتنی دور نکل گیا۔ کوئی دو ڈھائی گھنٹے بعد صبح ہونی شروع ہوئی۔ دھیمی دھیمی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلی۔ آہستہ آہستہ درختوں نے جھومنا اور بیٹھے بیٹھے سروں میں پرندوں نے گانا شروع کیا۔ دور کی چیزوں نے رفتہ رفتہ صورت اختیار کی۔ مشرق کی طرف کالے کالے بادلوں کے کنارے گلابی ہوئے۔ کہر نے اپنا سفید لبادہ سمیٹا۔ شبنم نے رخصت ہونے کی تیاری کی۔ سورج کا سنہرا تھال اچک کر افق پر آیا۔ لیجیے صبح ہوگئی۔

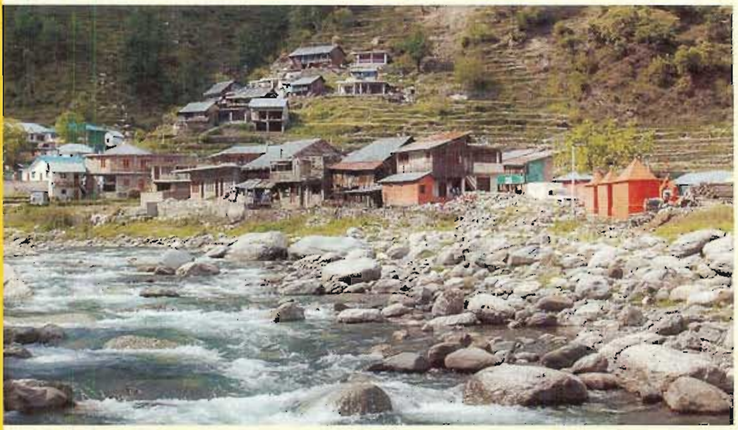

سامنے ہی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ مگر کسی خوش سلیقہ شخص نے کچھ اس طرح بسایا تھا کہ دیکھنے سے دل میں کھبا جاتا تھا۔ صبح کے سہانے وقت میں اس کے سفید سفید مکانات، ہر مکان کے سامنے چھوٹے چھوٹے بغیچے۔ صاف صاف، ستھری ستھری پگ ڈنڈیاں۔ ہرے بھرے کھیت، کھیتوں کے کنارے پر پانی سے لبریز پتلی پتلی نالیاں۔ دور فاصلے پر اُجلی ریتی اور اس میں ندی کا نیل گوں پانی کچھ ایسی بہار دے رہا تھا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ میں جہاں تھا وہیں ٹھیر گیا اور بڑی دیر تک اس دل چسپ اور دل کش منظر کو دیکھتا رہا۔ آخر بسم اللہ کہہ کر قدم اٹھایا اور تھوڑی دیر میں گاؤں میں پہنچ گیا۔ ابھی دوسرے ہی مکان تک پہنچا تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک ایسی آفت جان ہستی اس میں سے نکلی کہ جس غرض سے میں چلا تھا وہ حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد کچھ نہ پوچھو کہ کیا ہوا اور کیوں کر ہوا۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگ گئی۔ خدا اس کھوسٹ مسافر اور بڈھے گاڑی بان کا بھلا کرے کہ ان دونوں نے مجھے جنت میں پہنچا دیا۔ اب نہ یہاں سے کوئی مجھے جانے دیتا اور نہ خود جانے کو میرا جی چاہتا ہے۔ نہ مجھے یہاں کا حال بیان کرنے کا یارا ہے اور نہ تمھیں اس کے سننے اور سمجھنے کی قدرت۔ بس ہم تو یہ جانتے ہیں کہ:

اگر فردوس بروئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمین است

جاؤ یار تم ہی گھاٹے میں رہے۔ سارے دن سر مغزنی کرتے ہو اور راتوں کو بھی آرام سے نیند نہیں آتی۔

والسلام

تمھارا پرانا دوست

شہید!

مکرر۔ سال بھر کی کوشش کے بعد اس خط کو ڈاک میں ڈلوانے کی صورت نکلی ہے۔ خدا کرے ڈاک میں پڑ جائے اور تم تک پہنچ جائے۔ شہید۔

لیجیے، یہ ہے میاں شہید کا خط۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ ہے یہ کیا معاملہ۔ میں نے تمام ریلوے گائیڈ دیکھ ڈالے۔ مجھے تو کسی مرغوب آباد اسٹیشن کا پتہ نہ چلا۔ ڈاک خانوں میں دریافت کیا۔ تار گھر والوں سے پوچھا۔ خط کی بگڑی ہوئی مہر کو پڑھوانے کی کوشش کی۔ مگر میری ساری محنت اکارت گئی۔ آخر تھک تھکا کر بیٹھ رہا پھر خیال آیا کہ چلو کسی رسالے میں سارا واقعہ چھپوا دو۔ شاید کوئی اللہ کا بندہ اس معمے کو حل کرکے۔ اب دیکھیے آپ لوگ بھی اس کو حل کرسکتے ہیں یا نہیں۔ اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ میں خود مسحورا جانا چاہتا ہوں بلکہ یہ معلوم کرنا ہے کہ آخر یہ عقل مند گیا کہاں ہے اور ہے کس حال میں۔ آپ بھی غور کیجیے میں بھی غور کرتا ہوں۔ شاید کسی کی عقل لڑ جائے اور شہید کا پتا مل جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شہید کا کوئی اور خط آئے اور مسحورا کا کچھ اور اَتا پتا معلوم ہو۔ بہرحال اگر اس کا خط آیا تو وہ بھی چھپوا دوں گا تاکہ میں اور آپ دونوں اس خلجان سے نجات پائیں۔

□

ماخذ: مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین، مرتبہ: ڈاکٹر اسلم پرویز، سن اشاعت: 1989,1992,1997,2009، ناشر: اردو اکادمی، دہلی سی پی او بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی 6

سب ایڈیٹر
ایک گمنام صحافی

سید فضل اللہ مکرم

صحافت کے ابتدائی دور میں اخبار کا مالک ہی ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اخبار کے آفس کی صفائی ستھرائی کا کام بھی اسی کے ذمے ہوتا تھا کیونکہ ان دنوں صحافت صرف خدمت کے دائرے میں تھی ابھی صنعت میں تبدیل نہیں ہو پائی تھی مگر آج صحافت ایک دلکش صنعت میں تبدیل ہوگئی ہے۔اس لیے اخبار کی ترتیب واشاعت کے لیے کئی ایک تربیت یافتہ افراد وابستہ ہوتے ہیں جو اپنے اپنے شعبے میں مہارت رکھتے ہیں۔

اخبار کے مختلف شعبوں میں شعبہ ادارت کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کے بغیر اخبار کا وجود ہی ختم ہوجائے گا۔صحافتی مواد جیسے خبریں، اطلاعات، مضامین، اداریے، فیچر، کلام کی ترتیب وتہذیب کا کام شعبہ ادارت کے ذمے ہوتا ہے عموماً اس کا سربراہ ایڈیٹر یا چیف ایڈیٹر ہوتا ہے۔ بیشتر اردو اخبارات میں ایڈیٹر ہی اخبار کے مالک، پرنٹر اور پبلشر ہوتے ہیں جبکہ انگریزی اور دوسری زبانوں کے اخبارات میں ایڈیٹر خود ملازم ہوتے ہیں۔

اخبار کے دفتر میں اشاعت کے لیے بہت سا مواد حاصل ہوتا ہے جن میں خبریں، اطلاعات، رائیں، مضامین اور خطوط وغیرہ، یہ اخباری مواد حاصل ہوتے ہی فوری چھپنے کے لیے نہیں بھیجے جاتے بلکہ ان میں سے خبروں کا انتخاب کیا جاتا ہے پھر اس کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے، اس کے متن کی نوک پلک سنواری جاتی ہے۔سرخی تیار کی جاتی ہے۔ابتدائیہ لکھا جاتا ہے۔صفحہ اور کالم کا تعین ہوتا ہے۔تب کہیں وہ خبر کتابت یا کمپوزنگ شعبے کو روانہ کی جاتی ہے۔مواد کے حصول اور اشاعت سے قبل کے تمام مراحل کو ادارت کا نام دیا گیا ہے جسے Subbing بھی کہتے ہیں Subbing کی ذمے داری سب ایڈیٹر کے سپرد کی جاتی ہے۔عام طور پر Sub Editor کو Sub کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ Subbing کے عمل کو Copy reading بھی کہا جاتا ہے۔ اردو میں سب ایڈیٹر کو نائب مدیر کہتے ہیں مگر سب ایڈیٹر کی اصطلاح ہی مروج ہے۔

سب ایڈیٹر صحافتی دنیا کا ایک گمنام اور مظلوم کارکن ہوتا ہے جو دن رات اخباری صفحات پر بہتر سے بہتر مواد کو بکھیرتا ہے۔ صفحے کی ترتیب وتزئین کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے مگر اس کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ سب ایڈیٹر اس گمنام مزدور جیسا ہے جس نے نہایت کمال اور فن سے اپنے ہاتھوں سے تاج محل کی تعمیر کی مگر اس کا نام تاریخ کے صفحات میں کہیں نہیں ہے بلکہ تاج محل بنوانے والے کا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوگیا۔ سید اقبال قادری سب ایڈیٹر سے ہمدردی جتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نائب مدیروں کی یہ بدقسمتی ہے کہ نہ تو ان کے نام اخبار کے صفحات پر شائع ہوتے ہیں اور نہ ہی انھیں قارئین سے ذاتی طور پر تبادلہ خیال کا موقع ملتا ہے۔ یہ گمنام ستاروں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں حالانکہ کسی بھی اخبار کی ترتیب اور اشاعت میں نائب مدیروں کی محنت کا بڑا دخل رہتا ہے مگر علانیہ طور پر نہ تو ان کی عزت افزائی ہوتی ہے اور نہ ان کی کارکردگی پر انعامات یا اعزازات کی بارش ہوتی ہے کبھی کبھی اچھی اور اہم خبروں کی خصوصی رپورٹوں کے ساتھ نامہ نگار کے نام بھی دیے جاتے ہیں مگر کبھی یہ شائع نہیں کیا جاتا کہ فلاں مواد کی ادارت فلاں سب ایڈیٹر کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ نائب مدیر وہ سورما ہیں جن کی صلاحیت کے گن گائے نہیں جاتے اور جن کی کوئی تہنیتی تقریب منائی جاتی ہے اسمعاندانہ رویہ کے باوجود نائب مدیر پوری ایمانداری اور سنجیدگی سے اپنی ادارتی ذمے داریاں نبھاتے ہیں اور عملی صحافت کا پرچم بلند رکھتے ہیں۔

ایک اخبار میں کئی ایک سب ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں۔اخبار کے مختلف صفحات جس کی موضوعاتی تقسیم عمل میں آتی ہے۔جیسے مقامی خبروں کا صفحہ،قومی صفحہ، بین الاقوامی صفحہ، غیرملکی خبروں کا صفحہ، کھیلوں کا صفحہ، خصوصی ضمیمہ وغیرہ ہر صفحے کا ایک انچارج مقرر ہوتا ہے جسے چیف سب ایڈیٹر کہتے ہیں۔بعض اخبارات میں چیف سب ایڈیٹر دو یا دو سے زائد صفحات کا انچارج ہوتا ہے۔ ہر چیف سب ایڈیٹر کے پاس کم از کم ایک سب ایڈیٹر ضرورت ہوتا ہے۔ بڑے اخبارات میں کئی سب ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں۔

موجودہ دور ابلاغیات کا دور ہے۔اس لیے آج ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین کی سخت ضرورت ہے۔ اخباری دفتر میں بھی مختلف علوم یا میدان میں مہارت رکھنے والے افراد کا بحیثیت سب ایڈیٹر تقرر کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مخصوص میدان سے متعلق خبروں اور مضامین کی بہتر طور پر ادارت کا فریضہ انجام دے سکے۔

اخبار نویسی کے ابتدائی دور میں ایک ہی فرد اخبار کے جملہ امور طے کرتا تھا وہی اخبار کا مالک وہی ایڈیٹر وہی رپورٹر یا سب ایڈیٹر بلکہ طابع وناشر بھی وہی ہوا کرتا تھا۔ان دنوں دراصل خبروں کے حصول کے ذرائع کافی محدود تھے۔ایک شہر کی خبر دوسرے شہر پہنچنے تک دنوں بلکہ

ہفتوں مہینوں درکار ہوتے تھے اس طرح سے اخبار میں ایک آدھ خبر اور اس پر رائے بلکہ ایک بھر پور مضمون شامل ہوا کرتا تھا۔ اخبار پڑھنے والوں کی تعداد کافی کم تھی۔ اخبار کی ترتیب و تزئین پر کوئی دھیان نہیں دیا جاتا تھا، لیکن زمانے نے ترقی کی، علم کا شعور اور مسابقتی دوڑ نے صحافت کی کایا پلٹ دی۔ آج بے شمار ذرائع سے خبریں وصول ہوتی ہیں۔ اخبار کا اپنا نیٹ ورک ہوتا ہے۔ قارئین تازہ تازہ خبریں پڑھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ بہتر مواد اور خوبصورت پیشکش میں گویا ایک مسابقت شروع ہوگئی۔ ہر اخبار یہی چاہتا ہے کہ وہ قارئین کی پسند کا خیال رکھے۔ خبروں میں صداقت اور اس کی پیشکش اتنی دلکش ہو کہ قارئین کو اخبار پڑھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

آج اخبار کے دفتر کو بے شمار خبریں، اطلاعات، مضامین اور قارئین کے خطوط موصول ہوتے ہیں۔ اخبار کے اپنے نامہ نگار بھی رپورٹنگ کرتے ہیں۔ بے شمار صحافتی مواد ہوتا ہے لیکن اخبار کے صفحات کم ہوتے ہیں۔ موصول شدہ مواد میں سے قابل اشاعت مواد کو منتخب کرنا، کاٹ چھانٹ کرنا، نوک پلک سنوارنا، عنوانات طے کرنا اور صفحے میں جگہ کا تعین کرنا غرض کئی ایک مراحل ایسے ہیں، جس کی تکمیل میں وقت اور افراد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اخبارات میں عموماً یہ تمام مراحل و مسائل کو حل کرنے میں ایک فرد نا کافی ہوتا ہے۔ ایسے میں اخبار کے ایڈیٹر کو اپنے لیے معاونین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ہی تربیت یافتہ افراد سب ایڈیٹر کہلاتے ہیں۔ ابتدا میں سب ایڈیٹر کا کوئی رواج نہیں تھا لیکن آج کوئی بھی اخبار بغیر سب ایڈیٹرز کے وقت مقررہ پر شائع نہیں ہوسکتا۔ اخبار جتنا بڑا ہوتا ہے وہاں سب ایڈیٹر کی ذمے داری بھی وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔ Subbing کا عمل ایک فن ہے جس میں اہلیت اور قابلیت کے ساتھ ساتھ مہارت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

جب بھی کوئی مواد اخبار کے دفتر کو برائے اشاعت موصول ہوتا ہے تو سب سے پہلے نیوز ایڈیٹر مواد کو جانچتا ہے اور اس کے معیار کا تعین کرتا ہے اور یہ بھی فیصلہ کرتا ہے کہ یہ مواد قابل اشاعت ہے یا نہیں؟ اگر موصولہ مواد قابل اشاعت ہو تو مواد کے موضوع اور تنوع کے لحاظ سے اسے متعلقہ چیف سب ایڈیٹر کے حوالے کرتا ہے۔ یہیں سے سب ایڈیٹر کا کام شروع ہوتا ہے۔ مواد کی نوک پلک سنوارنا سب ایڈیٹر کا کام ہے۔ ابتدائیہ لکھنا، سرخی تجویز کرنا، پیراگرافوں کی تقسیم، لہجے درست کرنا تعقید لفظی کو دور کرنا، ناموں کی صحت پر توجہ دینا، زبان اور قواعد کی رو سے عبارت کی تصحیح کرنا، طویل خبر کو مختصر کرنا، خبر کے اہم اجزا کو جلی کرنا وغیرہ ایڈیٹر کے فرائض میں شامل ہیں۔ خبر کی اہمیت کے لحاظ سے اس کی تزئین و آرائش کا لے آؤٹ بنانا بھی سب ایڈیٹر کا کام ہے۔ بعض اخبارات میں خبر کی اہمیت کے لحاظ سے صفحات کا تعین کرنا بھی سب ایڈیٹر کی ذمے داری میں شامل ہے۔ عام طور سے سب ایڈیٹر اپنے کام میں نیلی روشنائی یا نیلا قلم استعمال کرتے ہیں اسی لے سب ایڈیٹنگ کی کارروائی کو Bule Pencelling بھی کہا جاتا ہے۔

سب ایڈیٹر کا کام دودھ کا دودھ، پانی کا پانی جیسا ہوتا ہے کیونکہ وہ موصولہ مواد میں سے غیر ضروری الفاظ اور کردار یا واقعات کو کاٹ دیتا ہے صرف وہی چیزیں لیتا ہے جو اخبار کے صفحات کی زینت بننے کے قابل ہوں بعض اخباروں میں اداریے بھی سب ایڈیٹر لکھا کرتے ہیں اور ترجمہ کا کام بھی سب ایڈیٹر انجام دیتے ہیں۔

> وسیع النظری خوش ذوقی کے اوصاف سب ایڈیٹر کے لیے بہت ضروری ہیں۔ خبر اور مضمون کی اہمیت اور خوبی کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے صاف ستھرے اور سلجھے ہوئے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ حالات و واقعات کی سطحی اور ظاہری صورت سے متاثر نہ ہو بلکہ ہر بات اور ہر واقعہ کی اہمیت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے اس کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

سید اقبال قادری نے اپنی تصنیف رہبر اخبار نویسی میں سب ایڈیٹر کی اہمیت پر یوں رائے دی ہے۔ ''نائب مدیر ایک تیز مبلغ صحافی ہوتا ہے جسے ہر فن مولا ہونا ضروری ہے۔ اس کے ہر روپے میں جولانی ادارت کے فرائض سے اس کا میلان ہونا ضروری ہے۔ کبھی وہ معماروں کی کانفرنس کی تفصیلات پڑھ رہا ہوتا ہے تو کبھی پہلوانوں کے مسائل، آئی ہوئی خبروں کو وضع قطع بخش رہا ہوتا ہے۔ کبھی امریکہ کے صدر کی تقریر کو دلچسپ طریقے پر پیش کرنے کی کوشش میں مگن ہے تو کبھی کسی اسپورٹس انجمن کے انتخابات کے نتائج کو جگہ دینے کے لیے غور وفکر میں مصروف رہتا ہے کبھی وہ ٹیگور پر کسی ماہر ادیب کی تقریر کا خلاصہ تیار کر رہا ہے تو کبھی ماہی گیروں کے مسائل کی فہرست میں کاٹ چھانٹ میں مشغول ہے اپنی تعلیمی قابلیت، استعداد اور تجربے کی روشنی میں کامیاب نائب مدیر ہر معاملہ سلجھانے میں طاق ہوتا ہے اور ہر واقعہ کو ایک خبری مزاج سے مزین کرنے بہتر سے بہتر طریقے پر اخبار کے صفحات پر عیاں کرنے میں مصروف رہتا ہے''۔

اس طرح سے ادارتی شعبے کا تقریباً سارا کام سب ایڈیٹر ہی انجام دیتا ہے۔ اس کی اہمیت اور ضرورت مسلم ہے آج کے دور میں سب ایڈیٹر کے بغیر کسی اخبار کو جاری کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ محال ہے۔

روزناموں کے دفاتر میں کام عموماً دو شفٹ یا تین شفٹ میں ہوتا ہے عموماً ایک شفٹ 8 گھنٹوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک سب ایڈر کسی ایک شفٹ میں کام کرتا ہے اس طرح مختلف صفحات کے چیف سب ایڈیٹر کے ماتحت کئی ایک سب ایڈیٹر دن رات کام کرتے ہیں ''ٹی'' ٹیبل پر تمام سب ایڈیٹر اپنے اپنے کام میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ سب ایڈیٹر اس قدر عرق ریزی اور مغز پاشی کے باوجود وہ گمنام ہی رہتا ہے اخبار کے کسی صفحے پر بھی اس کا نام نہیں ہوتا۔

اخبار کے دفتر میں عموماً پڑھے لکھے افراد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہر پڑھا لکھا شخص عملہ ادارت میں شامل نہیں ہوسکتا۔ سب ایڈیٹر کے لیے صرف پڑھا لکھا ہونا ہی شرط نہیں ہے بلکہ اسے کئی ایک اوصاف کا مالک ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص میں یہ اوصاف یا خوبیاں نہ پائی جاتی ہوں تو اسے اکتساب کے ذریعے ان خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے ورنہ وہ سب ایڈیٹر جیسے محنت طلب اور صبر آزما کام کے لیے قطعی اہل نہیں ہوسکتا۔ سب ایڈیٹر کے لیے درج ذیل اوصاف یا صلاحیتوں کا حامل ہونا ضروری ہے۔

وسیع النظری خوش ذوقی کے اوصاف سب ایڈیٹر کے لیے بہت ضروری ہیں۔ خبر اور مضمون کی اہمیت اور خوبی کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے صاف ستھرے اور سلجھے ہوئے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ حالات و واقعات کی سطحی اور ظاہری صورت سے متاثر نہ ہو بلکہ ہر بات اور ہر واقعہ کی اہمیت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے اس کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ ایسا شخص جو ناپختہ ذہن اور خام خیال کا مالک ہوتا ہے وہ دوسروں کے خیالات کو سمجھنے اور اچھے خیالات کو قبول کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوتا۔ ایسے تنگ نظر لوگ ادارت کا کام انجام نہیں دے سکتے کیونکہ وہ عقل و شعور کے بجائے جذبات کا سہارا لیتے ہیں۔ صحافتی میدان میں تنگ نظر، جذباتی اور انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انتہا

پسندی کے بجائے توازن اور اعتدال کا راستہ اسے اپنانا چاہیے۔ قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کی اہمیت اور تاثیر کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ قلمکار کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس لیے سب ایڈیٹر کو ذہین، فطین اور اچھی سوجھ بوجھ کا مالک ہونا ضروری ہے۔ وہ اپنے ذاتی نظریات، خیالات اور اپنی پسند و ناپسند کو بالائے طاق رکھے۔ تعصب اور انتہا پسندی کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دے۔

سب ایڈیٹر کے ذاتی عقل و شعور اور فہم و ادراک کا خبروں اور مضامین میں حسن اور عمدگی پیدا کرنے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے اسے متوازن اور فہیم شخصیت کا مالک ہونا ضروری ہے۔

سب ایڈیٹر کے کام کی نوعیت، وسعت اور تسلسل سب ایڈیٹر سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ متحمل مزاج ہو۔ خبروں کے انتخاب اور ان کی اہمیت کے مطابق جگہ اور مقام دینے کے لیے قوت فیصلہ اور قوت تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے ایک جج کا کردار نبھانا چاہیے کیونکہ مختلف مذہب، طبقہ اور پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی اپنی خبریں یا اطلاعات لے کر آتے ہیں اپنی اور ان کی پسند اور شوق کا لحاظ رکھتے ہوئے خبر یا واقعہ کی اہمیت کا اندازہ لگائے اور اس کے مطابق صفحات میں جگہ کا تعین کرے۔

اخبار میں صرف خبریں ہی شائع نہیں ہوتیں بلکہ ہر طرح کی معلومات اور ہر طرح کے افکار و خیالات شائع کیے جاتے ہیں۔ فنون لطیفہ، ادب، فلسفہ، نفسیات، سائنس، مذہب، اقتصادیات، سیاسیات، غرض یہ کہ ہر طرح کے مضامین اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں اطلاعات، اخبارات میں جگہ پاتی ہیں۔ سب ایڈیٹر رنگارنگ واقعات اور موضوعات کی خبریں اور مضامین شائع کرنے کے کام کا نہ صرف نگران اور ذمے دار ہوتا ہے بلکہ انھیں، بہتر اور مکمل بنانے کے لیے وہ ان میں ترمیم اور اضافے بھی کرتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب سب ایڈیٹر مختلف علوم وفنون سے واقف ہو۔ وسیع معلومات عامہ رکھتا ہو۔ جغرافیائی اور تاریخی حقائق سے آشنا ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ سب ایڈیٹر تمام علوم کا ماہر ہو بلکہ وہ ان سب علوم کے بارے میں کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ سب ایڈیٹر کا مطالعہ جتنا وسیع ہوگا اس کے کام میں اتنی ہی عمدگی اور پختگی پیدا ہوگی۔ سب ایڈیٹر پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ قومی اور بین الاقوامی سیاسیات کا درک رکھے۔ وہ

عوامی رجحانات اور حالات حاضرہ سے پوری طرح آگاہ ہو کیونکہ اخبار کے دفتر میں مسائل حاضرہ سے متعلق مواد موصول ہوگا اگر سب ایڈیٹر خود ان مسائل سے پوری طرح آگاہ نہ ہوگا تو وہ ان کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکے گا اور نہ ہی ان میں اصلاح و ترمیم کے قابل ہوگا۔

اخبار اپنے قارئین کے رجحانات و میلانات ان کی خواہشات و جذبات اور اس معاشرے کی مذہبی، سماجی اور سیاسی رسوم و روایات سے پوری طرح باخبر ہو اس سلسلے میں اس کی ذراسی بے علمی اور غفلت بھی کسی بڑے ہنگامے کا سبب بن سکتی ہے۔

اخبار کی زبان صاف سادہ اور آسان ہونی چاہیے۔ اس میں ادبی، چاشنی اور رنگینی کی نہیں بلکہ فصاحت و بلاغت کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب ایڈیٹر کو اپنی زبان پر اس قدر عبور ہونا چاہیے کہ وہ ہر طرح کے خیالات کو باآسانی ادا کر سکے اور دوسروں کی تحریر شائع کرنے سے پہلے قابل فہم بنا سکے۔ اگر سب ایڈیٹر کے پاس ذخیرہ الفاظ کی کمی اور زبان پر مکمل قدرت نہ ہو تو اسے قدم قدم پر مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا جن کی وجہ سے اخبار کا معنوی حسن مجروح ہو جائے گا اور غیر واضح زبان و بیان سے غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ صحافتی زبان ادبی چاشنی سے عاری ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ادب سے بے بہرہ بلکہ وہ ادب کی تاریخ اور ادبا شعرا کے بارے میں بھی معلومات رکھتا ہو کیونکہ یہی معلومات انداز بیان پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

بہت سی خبریں سرکاری، نیم سرکاری یا نجی اداروں کے پریس نوٹ کی صورت میں آتی ہیں اس کے علاوہ سیاسی جماعتیں اور ادبی و ثقافتی انجمنیں اپنی روداد روانہ کرتی ہیں۔ اس قسم کے مواد میں پروپگنڈہ اور پبلی سٹی کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ یہ پروپگنڈہ اور پبلی سٹی یا تشہیری مواد کچھ اتنا زیادہ ہوتا ہے خبریت کا پہلو کہیں گم ہو جاتا ہے۔ بعض ذہین افسران تعلقات عامہ یا اشتہاری مواد کو خبروں یا فیچروں کی شکل دے کر بھیجتے ہیں۔ سب ایڈیٹر کا فرض ہے کہ وہ اس چالبازی کو محسوس کرے اور وہ خبروں یا اطلاعات میں سے ایسے مواد کو حذف کرے جو اشتہار کے دائرے میں آتے ہوں اور وہی مواد شائع کرے جس میں خبریت کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے۔

خبروں میں عموماً ملکوں کے ناموں کے بجائے ان کے دارالحکومت کا نام استعمال ہوتے ہیں۔ جہاں سے خبر موصول ہوتی ہے اس خبر کی ابتدا میں شہر کا نام ہوتا ہے جسے ڈیٹ لائن کہتے ہیں بعض شہر غیر معروف ہوتے ہیں۔ پوری خبر پڑھنے کے بعد بھی یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ آخر خبر کون سے ملک کی ہے اس لیے سب ایڈیٹر کو چاہیے کہ وہ شہر کے نام کے بعد ملک کا نام بھی قوسین میں درج کرے تاکہ قارئین کو خبر سے متعلق کوئی شک وشبے کی گنجائش یا، افہام وتفہیم میں دقت پیش نہ آئے۔ خبروں میں غیر ملکی کرنسی کا بھی ذکر آتا ہے عموماً خرید و فروخت یا غیر ملکی امداد کے سلسلے میں ڈالر یا پاونڈ یا ریال یا درہم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اکثر قارئین دی گئی غیر ملکی کرنسی اوزان و پیمانہ جات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ سب ایڈیٹر کو اختیار ہے کہ وہ غیر ملکی کرنسی یا اوزان و پیمانے کو ملکی کرنسی یا اوزان و پیمانے کو تبدیل کرے تاکہ عام قارئین کو اعداد و شمار کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

اخباری دفتر میں سب ایڈیٹر کا کام کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور رپورٹر، نامہ نگار اور نمائندگان خصوصی کی حاصل کردہ خبروں یا دوسرے متعدد ذرائع سے آئی ہوئی خبروں کی چھان بین اور ان کو قابل اشاعت بنانے کی ذمے داری سب ایڈیٹر کی ہوتی ہے اس لیے اسے نہایت احتیاط اور باریک بینی سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کی ذرا سی لغزش بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا کرسکتی ہے۔ توہین عدالت یا ازالہ حیثیت عرفی جیسے مقدمات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مالکان اخبار کا عتاب عموماً سب ایڈیٹر پر گرتا ہے اور اس کی برسوں کی محنت اور تجربے کو یکلخت نظر انداز کردیا جاتا ہے اور فوری ملازمت سے بھی برطرف کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ سب ایڈیٹر کو سچائی، غیر جانبداری، اخبار کی پالیسی اور شائستگی کا پورا پورا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سب ایڈیٹرز کے مسائل پر توجہ کی جانی چاہیے۔ انھیں ان کا مقام دینا چاہیے تاکہ وہ گمنامی کے دائرے سے باہر نکل سکیں۔ ان کے مشاہرے پر توجہ دی جانی چاہیے اور انھیں وہ تمام سہولتیں دستیاب ہونی چاہیے جو ایک صحافی کو دی جاتی ہیں۔

□

Dr.Syed Fazlullah Mukarram, HNO. 16-9-537, Near Water tank, Old Malakpet, Hyderabad-500036

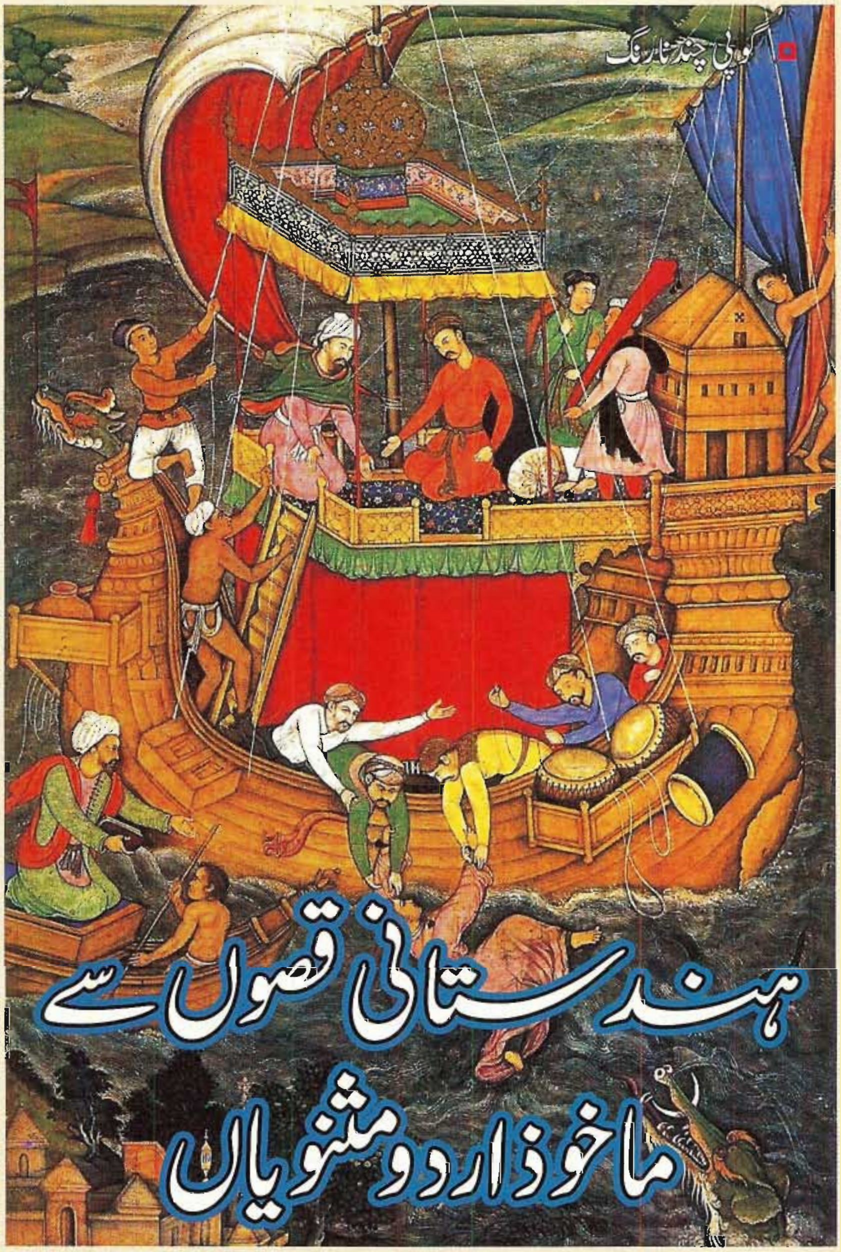

ہندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں

گوپی چند نارنگ

اردو تحقیق نے ترقی کی جو منزلیں طے کی ہیں، ان کے پیشِ نظر اردو مثنوی کے تاریخی ارتقا کا تحقیقی و ادبی جائزہ لینا نہایت ضروری ہوگیا ہے۔ مختلف یونیورسٹیوں میں اس سلسلے میں کام جاری ہے۔ بھوپال میں ڈاکٹر گیان چند جین 'شمالی ہندستان میں اردو مثنوی کا ارتقا' پر تحقیق کر رہے ہیں۔

اردو مثنویوں کی قدر و قیمت جاننے اور تاریخ ادب میں ان کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کا جائزہ تاریخی و معاشرتی پس منظر کے ساتھ لیا جائے۔ اردو ادب نے فارسی سے بہت کچھ لیا۔ اس میں ایرانی اور اسلامی روایات کا رنگ بھی گہرا ہے، لیکن یہ ہندستان سے بیگانہ محض نہیں ہے۔ اس نے یہاں کے ماحول، معاشرت اور تہذیب و تمدن کے اثرات بھی قبول کیے ہیں۔ اردو کی دوسری اصنافِ سخن کی طرح ہماری مثنویاں بھی اُس اخذ و قبول، اختلاط اور اشتراک کا پتا دیتی ہیں، جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے سابقے کے بعد یہاں تہذیبی اور معاشرتی سطح پر کارفرما رہا۔ قدیم مثنویوں میں عموماً قصے کہانیاں بیان کی جاتی تھیں، جن کا گہرا تعلق قومی روایات، مذہب اور معاشرت سے ہوتا تھا۔ ہماری مثنویاں چونکہ مشترک تہذیب اور ملی جلی معاشرت کے زیر اثر لکھی گئیں، اس لیے ان میں اسلامی قصے کہانیوں کے علاوہ ہندستانی لوک کتھاؤں اور عوامی روایتوں سے متاثر ہونے کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ اسی رجحان کا معروضی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے جائزہ لینا زیرِ نظر کتاب کا موضوع ہے۔ اس موضوع سے متعلق بحث کی حدود متعین کرنے سے پہلے ہندستانی موضوعات پر مشتمل اردو مثنویوں کے عہد بہ عہد ارتقا پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس زمانے میں جب اردو شاعری ابھی اپنے ارتقا کی منزلیں مذہب و تصوف کے سہارے طے کر رہی تھی، اردو کی اولین مثنوی میں ایک ہندستانی قصے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ مثنوی بہمنی دور کے ایک شاعر نظامی سے منسوب کی جاتی ہے اور اس میں کدم راؤ پدم راؤ کا مقامی قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی غالباً احمد شاہ ثالث بہمنی (865-867) ہجری کے زمانے میں لکھی گئی۔

اردو ادب کا باقاعدہ فروغ قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کی سرپرستی میں دسویں صدی ہجری میں شروع ہوا۔ اسی زمانے میں ایک درباری شاعر وجہی نے سلطان محمد قلی قطب شاہ (988-1020) ہجری کی وارداتِ عشق کو مثنوی قطب مشتری میں شاعرانہ انداز سے پیش کیا۔ غواصی نے جہاں الف لیلہ کی کہانیوں پر مبنی ایک مثنوی سیف الملوک اور بدیع الجمال لکھی (1035)، وہاں دو اور مثنویاں طوطی نامہ (1049) ہجری اور مینا و ستونتی (قبل 1050) ہجری ہندستانی موضوعات پر بھی تصنیف کیں۔ نصرتی نے منوہر اور مدھو مالتی کے مشہور قصے کو نظم کا جامہ پہنایا (1068)۔ اس کی مثنوی 'علی نامہ' ایک رزمیہ کارنامہ ہے، جس میں علی عادل شاہ (1067-1083) ہجری اور مغلوں اور شیواجی کی جنگوں کا احوال بیان کیا گیا ہے۔

اس دور میں ابن نشاطی نے اپنی مشہور مثنوی پھول بن لکھی (1076) ہجری۔ اس کا پہلا قصہ ختن کے سوداگر زادے کا، دوسرا جوگیوں سے عقیدت رکھنے والے ایک راجے کا اور تیسرا مصر کے شہزادے کا ہے، جو ہندستان میں آکر اقامت گزیں ہوا۔

دکھنی ادبیات کے اس دور میں اسلامی قصوں کے ساتھ ساتھ ہندستانی لوک کہانیاں بھی بہت مقبول رہیں۔ اگر ایک طرف امین، دولت اور طبعی نے بہرام گور کے فارسی قصوں کو اردو میں منتقل کیا اور ملک خوشنود اور ہاشمی نے یوسف زلیخا اور احمد نے لیلیٰ و مجنوں سے متعلق مثنویاں لکھیں، تو دوسری طرف غلامی علی (1091) ہجری، عشرتی (1107) ہجری اور محمد فیاض ولی ویلوی (قبل 1137) ہجری نے اپنی اپنی مثنویوں میں پدماوت کی داستانِ عشق کو بیان کیا۔ مقیمی نے چندر بدن اور مہیار کے دکھنی قصے کو

نظم کر کے (قبل 1050) ہجری آنے والے شاعروں کے لیے نئی راہ کھول دی۔ مقیمی کے بعد پانچ اور دکھنی شاعروں، محمد باقر آگاہ، واقف، بلبل، شاکر اور سیف اللہ نے بھی اس قصے پر طبع آزمائی کی۔ اس سے ملتی جلتی سات اور مثنویاں بھی اسی دور میں لکھی گئیں۔ ان کے نام ہی: مثنوی مغل اور ناگرنی، مثنوی نازنین و پٹھان، مثنوی ہیرالال، مثنوی نھو بامنی، طالب و موہنی، شمعِ عشق اور بہلول صادق۔ ان مثنویوں میں ہیرو اور ہیروئن کا تعلق باہم مختلف مذاہب سے دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح کی چار مثنویاں شمالی ہندستان میں بھی لکھی گئیں۔ میر کی مثنوی شعلۂ شوق میں عاشق اور معشوق کا تعلق باہم مختلف مذاہب سے نہیں، لیکن اس قصے سے ملتی جلتی جو عوامی روایت بعد میں مشہور ہوئی اور جسے شوق نیموی نے مثنوی سوز وگداز میں نظم کیا، اس میں عاشق کا مذہب اس کے محبوب سے مختلف بتایا گیا ہے۔ میر کی مثنوی شعلۂ شوق سعادت یار خاں رنگین کی مثنوی دل پزیر، قاضی محمد صادق اختر کی 'سراپا سوز' اور شوق نیموی کی مثنوی 'سوز وگداز' کے قصوں میں ہیروئن کا مذہب، ہیرو کے مذہب سے مختلف بتایا گیا ہے۔

1097 ہجری میں مغلوں کے ہاتھوں بیجاپور کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کی شکست و ریخت کا ذکر ایک شاعر سید عالم بیجاپوری نے اپنی مثنوی 'جامع المعجزات' میں بڑے درد و سوز سے کیا ہے۔

1098 ہجری میں اورنگ زیب عالمگیر نے قطب شاہی سلطنت کو بھی مغلیہ قلمرو میں شامل کرلیا اور ان دونوں سلطنتوں سے معلق شعرا آرکاٹ، ویلور، سدھوٹ، کرنول، کڑپا وغیرہ مختلف ریاستوں میں منتشر ہوگئے۔ اس انتشار اور ابتری کے عالم میں جو مثنویاں لکھی گئیں، ان سے بھی دکھنی شاعروں کی ہندستانی موضوعات سے وابستگی کا ثبوت ملتا ہے۔ عارف الدین عاجز نے اندر سبھا کی طرز پر ایک مثنوی قصہ لعل و گوہر لکھی (قبل 1129) ہجری سید احمد ہنر نے ابن نشاطی کی 'پھول بن' کے جواب میں 'مثنوی نیہ درپن' پیش کی، جس میں راجا راج کنور اور رانی کام لتا کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ (1144) ہجری۔

ولی دکنی جس کے دیوان کی شہرت سے شمالی ہندوستان میں شعرگوئی کا باقاعدہ آغاز ہوا، دو مثنویوں کا مصنف ہے۔ ان میں سے ایک صوفیانہ ہے اور دوسری شہر سورت کی تعریف و توصیف میں لکھی گئی ہے۔

مقامی موضوعات پر طبع آزمائی کا رجحان بارہویں صدی کے دکھنی شاعروں کے ہاں بھی ملتا ہے۔ اس زمانے میں طوطی نامہ سے ملتی جلتی تین اور مثنویاں گجرات میں لکھی گئیں۔ مثنوی سوداگر کی بیوی از سید عبداللہ (1164) ہجری، طوطا اور مینا از روشن علی (1188) ہجری اور مثنوی روشن سوداگر از جمال الدین۔ تحسین الدین کی مثنوی کام روپ اور کام کلا بھی دکھنی ہی میں 1170 ہجری میں لکھی گئی۔ یہ مثنوی یورپ میں بہت مقبول رہی ہے۔ دتاسی کا بیان ہے کہ اردو میں اس قصے کو چار اور شاعروں ضیغم، سراج، حسن اور آرزو نے بھی نظم کیا تھا۔

شمالی ہندوستان میں باقاعدہ اردو مثنوی کا اولین نمونہ محمد افضل کی بکٹ کہانی کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں بارہ ماسے کی طرز پر ایک فراق زدہ عورت کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ میر جعفر زٹلی کے الحاقی کلام میں ایک مثنوی موسم سرما کی مذمت میں پائی جاتی ہے۔ شاہ حاتم نے مثنوی بہاریہ میں ہولی اور دیوالی کا سماں کمالِ خوبی سے پیش کیا ہے۔ انھوں نے جعفر علی خاں زکی کی شروع کی ہوئی مثنوی 'داستان عشق حقہ' کو بھی مکمل کیا اور اس زمانے کی حقہ نوشی کے لوازمات اور آداب کو بڑے پرلطف پیرائے میں بیان کیا۔ سودا نے مثنوی طفل لکڑی باز لکھ کر ایک خاص طبقے کے اعمال و کردار کو بے نقاب کیا۔ لیکن متقدمین میں مثنوی کا اعلیٰ ترین نمونہ میر تقی میر نے پیش کیا۔ مثنوی دریائے عشق کا قصہ تخئیلی ہے۔ لیکن شعلۂ شوق پرس رام کے عشق کی ایک ایسی لوک روایت پر مبنی ہے، جسے بعض حلقوں میں امرِ واقع کا رتبہ دیا جاتا ہے۔ میر نے اپنی دو مثنویوں میں برسات کی شدت اور سیلاب کی تباہ کاریوں کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ انھوں نے ایک مثنوی 'در بیان ہولی' بھی لکھی۔ ہولی کا ذکر جشن کدخدائی سے متعلق دو اور مثنویوں میں بھی ملتا ہے۔ ہولی سے متعلق اس زمانے میں بعض اور شاعروں نے بھی مثنویاں لکھیں۔ ان میں سے فائز دہلوی، قائم چاندپوری اور راغب دہلوی کی مثنویاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

شیر علی افسوس نے بھی جشن ہولی سے متعلق 228 اشعار کی ایک مثنوی لکھی تھی، جو ان کے قلمی دیوان 'کتب خانہ مشرقیہ، پٹنہ' میں موجود ہے۔ اسی کتب خانے میں محمد جعفر خاں راغب کے دیوان کے دو مخطوطے ہیں۔ شمار 69 میں مثنوی 'بیان احوال بزم ہولی' شامل ہے۔ یہ 97 اشعار پر مشتمل ہے، جن میں سے 73 اشعار قاضی عبدالودود صاحب نے رسالہ اشارہ (گیا) میں شائع کیے ہیں۔ قائم چاندپوری کی مثنوی 'در توصیف ہولی' ان کے قلمی دیوان، اسٹیٹ لائبریری رامپور میں شامل ہے اور یہ کل 44 اشعار کی ہے۔ حاتم کی مثنوی بہاریہ بھی غیر مطبوعہ ہے اور یہ مثنوی اسٹیٹ لائبریری رامپور کے نسخۂ دیوان زادہ میں موجود ہے۔

اسی زمانے میں میر اثر نے مثنوی خواب و خیال لکھی، جس میں سراپا نگاری کی ہندی روش کا تتبع کیا گیا ہے۔ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی کی مثنوی 'تصویرِ جاناں' کی روش بھی یہی ہے۔ میر حسن نے اپنی شہرۂ آفاق مثنوی 'سحر البیان' (1199 ہجری میں) لکھنؤ میں مکمل کی۔ اس کا قصہ ایرانی طرز کا ہے، لیکن اس کے ذیلی واقعات راجا اندر کے قصوں اور سراندیپ سے متعلق لوک کہانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔

مصحفی نے ہندوستان کے 'موسم گرما' اور 'افراطِ موسم سرما' پر بڑی عمدہ مثنویاں لکھیں۔ ان سے پہلے قائم بھی برسات اور سرما سے متعلق دو بلند پایہ مثنویاں لکھ چکے ہیں۔ غالبًا ان کی دیکھا دیکھی جرأت نے بھی ہندستانی موسموں کے احوال پر قلم اٹھایا اور متعدد مثنویاں لکھیں، جو ان کے مجموعۂ مثنویاں (قلمی) میں شامل ہیں۔ انشا نے 'رانی کیتکی' اور 'کنور اودے بھان' جیسی ایک کہانی ٹھیٹھ ہندوستانی میں بھی نظم کرنا شروع کی تھی، مگر یہ مکمل نہ ہوسکی۔

محبت خاں محبت شاگرد جرأت نے سسّی پنوں کے مشہور قصے کو 1197 ہجری میں 'اسرارِ محبت' کے نام سے اردو میں لکھا۔ اسی زمانے میں شکنتلا کے قصے پر تین مثنویاں لکھی گئیں۔ پہلی سید محمد تقی کی 'رشکِ گلزار'، دوسری غلام احمد کی 'فراموش یاد' (قبل 1849) ہجری اور تیسری عنایت سنگھ کی 'غازۂ تعشق' (1884) ہجری۔ لکھنوی رنگ کی مثنویوں کی نمائندگی کا شرف گلزارِ نسیم (1254) ہجری کو حاصل ہے۔ اس میں مخلوط قسم کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ شاعر نے ہندی اور ایرانی عناصر کی آمیزش سے نیا ہیولہ تیار کیا ہے۔ گل بکاؤلی کا قصہ نسیم سے پہلے بھی اردو میں موجود تھا۔ مثنوی 'تحفہ مجلسِ سلاطین' (غالبًا 1151) ہجری اور مثنوی 'خیابانِ ریحان' (1212) ہجری دونوں مثنویاں گلزارِ نسیم سے پہلے کی تصنیف ہیں۔ گل بکاؤلی کا ایک اور منظوم ترجمہ محمد داؤد علی سے بھی منسوب کیا جاتا ہے، جو 1261 ہجری میں لکھا گیا۔

لگ بھگ اسی زمانے میں مرزا شوق لکھنوی نے اپنی زندہ جاوید مثنویوں 'زہرِ عشق'، 'بہار عشق'، 'فریبِ عشق' کے موضوعات لکھنؤ کے ماحول و معاشرت سے اخذ کیے اور انھیں کمال فن کاری سے شعر کے پیرائے میں بیان کیا۔

تیرہویں صدی ہجری میں بعض غیر لکھنوی شعرائے اردو نے بھی ہندستانی موضوعات پر مثنویاں لکھیں ان میں سے نل دمن، پدماوت، سنگھاسن بتیسی اور ہیر رانجھا خاص

طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ موخرالذکر قصے کو مول چند منشی اور نجیب الدین نجیب نے اپنی اپنی مثنویوں میں لکھا۔ ضیاء الدین عبرت اور ان کے انتقال کے بعد غلام علی عشرت (1211) ہجری نے پدماوت کو اردو نظم میں پیش کیا۔ محمد قاسم بریلوی کی ضخیم اردو پدماوت 1873 میں شائع ہوئی۔ نل دمن کے قصے پر اس صدی کے دوران میں چھ مختلف شعرا نے طبع آزمائی کی۔ احمد سراوی (1240) ہجری، نیاز علی نکہت (شاگرد شاہ نصیر) قبل 1256 ہجری)، بھگونت رائے راحت کاکوروی (1244) ہجری، میر علی بنگالی، احمد علی (قبل 1270) ہجری، اور کالی پرشاد نے 1286 ہجری میں نل دمن منظوم تصنیف کی۔ مثنوی سنگھاسن بتیسی کے دو اردو نسخے علی گڑھ میں ہیں۔ نسخۂ لٹن کا مصنف خود کو خواجہ میر درد کا شاگرد بتاتا ہے۔ بشاش سے روایت ہے کہ منسا رام ناتواں اور رنگین لال رنگین نے بھی سنگھاسن بتیسی کے قصوں کو اردو میں منتقل کیا تھا۔ رنگ لال چمن کی مثنوی 'سنگھاسن بتیسی' 1869 میں شائع ہوئی۔ اسی دور میں روپ بسنت کے مقبول عام قصے کو سردھنا کے ہرچند رائے ہرچند نے اپنی مثنوی میں بیان کیا (1854) قصۂ راجا چتر مکٹ اور رانی چندر کرن سے متعلق دو مثنویاں ملتی ہیں۔ ایک روشن علی کی اور دوسری سمن لعل راغب امروہوی کی جو 1847 میں لکھی گئی۔ انبی پرشاد مدہوش نے قصہ گوپی چند بھرتری کو بطور مثنوی بیان کیا۔ یہ مثنوی دہلی سے 1876 میں شائع ہوئی۔

اس دوران میں بعض اردو مثنویاں پنجاب میں لکھی گئیں۔ سسی پنوں کے قصے سے متعلق کیسرا سنگھ، سالک اور لال سنگھ نے مثنویاں لکھیں۔ کرم الٰہی بھوپالی نے 1905 میں ہیر رانجھا کو پھر سے نظم میں پیش کیا۔ اسی قصے سے متعلق عبدالغفور قیس کی مثنوی 1909 میں شائع ہوئی۔ اس کا نام 'ارمغانِ گدا' ہے۔

سنہ اٹھارہ سوستاون کے ہنگامے کے بعد سے قدیم اردو شاعری کا رنگ تبدیل ہونے لگا، تو منظوم قصے کہانیوں کا بھی پہلا سا ذوق وشوق باقی نہ رہا۔ رفتہ رفتہ ان کی جگہ ناول اور افسانے نے لے لی۔ پھر بھی موجودہ دور میں جو اِنی ـگنی مثنویاں لکھی گئیں، ان کا سلسلہ بھی مقامی موضوعات پر طبع آزمائی کرنے کی اُس قدیم روایت تک پہنچتا ہے، جس کا آغاز، وجہی، غواصی اور نصرتی کے زمانے میں ہوا تھا۔ ان میں بے نظیر شاہ وارثی کی مثنوی 'الکلام' خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ یہ ایک صوفیانہ مثنوی ہے، لیکن اس میں ہندستانی مظاہر فطرت کی ایسی عمدہ مرقع کشی کی گئی ہے کہ اردو میں اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ مثنوی عالم خیال میں، شوق قدوائی نے ہندی بارہ ماسے کی طرز پر ایک فراق زدہ خاتون کے جذبات بیان کیے ہیں۔ اقبال ورما سحر ہتگامی نے مثنوی نیرنگِ سحر میں شکنتلا کا قصہ بیان کیا ہے، جو انھوں نے کالی داس سے لیا۔ (1910) جگر بریلوی کی مثنوی پیامِ ساوتری، اس دور کی اور اپنے رنگ کی آخری مثنوی ہے، جس میں ستیہ وان ساوتری کا پورانک قصہ بیان کیا گیا ہے۔ (1930)۔

یہ ہے، ہندستانی زندگی سے ماخوذ اردو مثنویوں کے تاریخی ارتقا کا سرسری خاکہ! ان مثنویوں کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ اردو مثنوی کا دامن مقامی موضوعات سے کبھی خالی نہیں رہا۔ ان موضوعات سے ہمارے شاعروں کی وابستگی سطحی یا رسمی نہیں۔ ان میں سے بیشتر نے 'دربیانِ سببِ تالیف کتاب' میں صراحت کردی ہے کہ

جس قصے کو وہ مثنوی کے قالب میں پیش کررہے ہیں، اس میں کیسی کیسی خوبیاں ہیں اور وہ اسے اتنا زیادہ پسند کیوں کرتے ہیں۔ محبت خاں محبت نے سسی پنوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اس قصے کو سن کر سنگ دل سے سنگ دل انسان کا کلیجہ بھی پانی ہوجائے گا۔ ضیاء الدین عبرت نے جب پدماوت کا قصہ نظم کرنا شروع کیا تو بعض لوگوں نے ہندو راجا رانی کا قصہ لکھنے پر اعتراض کیا۔ جواب میں عبرت نے کہا کہ مجھے وطن سے زیادہ کوئی سرزمین عزیز نہیں۔ جو کچھ اپنے وطن میں ہے، دوسرے ملکوں میں کہاں، پھر کیوں ہندستان کے قصے چھوڑ کر دوسروں کے قصے دہراتا رہوں۔

تحقیق وتنقید کی سہولت کے لیے مقامی موضوعات پر مشتمل اردو مثنویوں کو مندرجہ ذیل چھے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1) **مذہبی مثنویاں**: مثلاً رامائن از جگن ناتھ خوشتر، رامائن از شنکر دیال فرحت، مہابھارت از طوطا رام شایاں، بھاگوت از خوشتر، بھگوت گیتا، گیتا مہاتم اور بشن لیلا از رام سہائے تمنا، اکادشی مہاتم از رام پرشاد، بلبھ چرتر از جواہر لال کرامت، برج چھب از بنواری لال شعلہ۔

(2) **تاریخی مثنویاں**: مثلاً علی نامہ از نصرتی، میزبانی نامہ، اور ظفرنامہ نظام شاہ از شوقی، اضراب سلطانی، فتح نامہ ٹیپو سلطان از حسین علی طرب دکھنی۔ تاریخ سلاطین بہمنیہ از سہیل، پھول نامہ از رائے برج نرائن ورما ناظم، تاریخ بدیع از امیر اللہ تسلیم لکھنوٴ وغیرہ۔

(3) وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے معاشرتی کوائف و آثار کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً شاہ حاتم، میر، راغب دہلوی، فائز دہلوی، قائم چاند پوری اور شیر علی افسوس کی مثنویاں ہولی کی تعریف میں۔ حاتم کی مثنوی حقے کے بیان میں، سودا کی مثنوی ہجو طفلِ لکڑی باز اور میر کی مثنوی مرغ بازاں میں بھی قدیم معاشرت کے بعض پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے۔

قاضی عبدالودود صاحب نے مولف کے نام اپنے خط میں مطلع کیا ہے کہ سید انشاء اللہ خاں انشا نے بھی 'مرغ نامہ' لکھا تھا۔ ایک مثنوی مرغ نامہ پیر محمد مرادآبادی جرأت کی تصنیف بھی بتائی گئی ہے۔ قدرت اللہ شوق کا بیان ہے: ''پیر محمد مرادآبادی جرأت تخلص از یاران مراد علی حیرت ... اشعارش بسمع نرسیدہ مگر مثنوی مرغنامہ او کہ اختتام آں از حیرت است، مشہور و معروف است۔ (تذکرہ طبقات سخن، قلمی، ورق 276 الف، آصفیہ)

میلہ بہتہ کے بیان میں فائز دہلوی کی مثنوی، چھڑیوں کے میلے کے بارے میں میر حسن کی 'گلزارِ ارم' اور لکھنوٴ کے میلے ٹھیلوں سے متعلق ہادی علی بے خود کی مثنوی 'جلوۂ اختر' بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ طبقہ نسواں کے آداب و اطوار، لباس، پوشاک، رہن سہن اور شادی بیاہ کی رسوم کی تفصیل اردو کی مندرجہ ذیل مثنویوں میں ملتی ہے: نصرتی کی 'گلشنِ عشق'، ابن نشاطی کی 'پھول بن' میر کی دربیان کدخدائی، بشن سنگھ پسر راجا ناگرمل (وبہ اختلاف چند اشعار) دربیان کدخدائی آصف الدولہ، میر حسن کی 'سحرالبیان' اور 'مثنوی شادی'، مرزا محسن علی ہندی شاگرد مصحفی کی 'مثنویِ ہندی' نواب بادشاہ محل کی 'مثنویِ عالم' حسین بخش واقف کی مثنوی بہارستان شادی، مرزا شوق لکھنوی کی زہر عشق، بہارِ عشق، فریب عشق، حاتم علی مہر کی شعاع مہر، منیر شکوہ آبادی کی حجاب زناں اور تسلیم سہسوانی کی مثنوی سعدین۔

(4) وہ مثنویاں جو ہندوستان کے فطری مظاہر یا موسموں کے بارے میں ہیں، مثلاً سودا کی مثنوی گرمی کے بیان میں، میر کی 'درمذمتِ برشگال' قائم کی مثنوی 'درشدتِ سرما' اور 'مثنوی دربیانِ شدتِ گل ولائے' مصحفی کی 'مثنوی گرما و آتش زدگی' اور 'دربیانِ موسمِ سرما' اور جرأت کی مثنویاں دربارۂ سرما، اور برسات۔ مصحفی کی مثنوی اجوائن، غالب کی مثنوی انبہ اور عبدالباقی سہسوانی کی مثنوی انبہ نامہ بھی اسی ذیل میں شامل ہیں۔ ہندستانی موسموں کی دلفریبی اور دل کشی کا اظہار اردو کے قدیم بارہ ماسوں میں کیا گیا ہے۔ ان میں سے خاص خاص یہ ہیں: بکٹ کہانی، محمد افضل، بارہ ماسی عبدالولی عزلت، بکٹ کہانی الٰہی بخش کاندھلوی، بارہ ماسہ سندر کلی، بارہ ماسہ کاظم علی جواں، بارہ ماسہ وہاب، ڈوری لال، بہادر علی وحشت، لطف علی، رائے پرشاد شاد، عبداللہ انصاری، کنہیا لال طالب وغیرہ۔

(5) وہ مثنویاں جن میں حب الوطنی کے جذبات پائے جاتے ہیں، مثلاً حضرت شاہ مراد کی مثنوی دربیانِ لاہور، سورت کی تعریف میں ولی کی مثنوی ہدایت شاگرد درد اور سعادت یار خاں رنگین کی مثنویاں بنارس کے حسن وخوبی کے بیان میں، محمد بخش شہید، خواجہ بادشاہ خلف وزیر کی مثنویاں لکھنؤ کی تعریف و توصیف میں، چھنو لال طرب کی مثنوی امین آباد کی تعریف میں، مومن کی مثنوی جہادیہ، واجد علی شاہ کی حزن اختر اور مولوی لیاقت علی کی وہ مثنوی جو غدر کے دنوں میں لکھنؤ میں بطور اشتہار شائع ہوئی تھی۔

(6) ہندستانی قصے کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں: موضوع کی اہمیت اور وسعت کے پیشِ نظر زیرِنظر کتاب میں صرف آخری قسم کی مثنویوں کو لیا گیا ہے۔ یعنی یہاں فقط ان مثنویوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا، جن کا تعلق پورانک قصوں سے ہے یا جو ہندستان کی قدیم روایتوں اور لوک کہانیوں سے ماخوذ ہیں۔ انھیں مزید چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ زیرنظر کتاب میں ابواب کی تقسیم اسی انداز پر عمل میں لائی گئی ہے۔

(الف) پورانک قصے: ان قصوں کا تعلق مہابھارت، رامائن اور ہندوؤں کے دوسرے پورانوں سے ہے۔ ان میں سے اردو میں زیادہ ترنل دمیتی، دُشینت اور شکنتلا اور ستیہ وان و ساوتری کے قصے لیے گئے ہیں۔ ساوتری کی کہانی سے متعلق ایک، شکنتلا پر چار اور نل دمینتی پر مبنی چھے مثنویاں اردو میں لکھی ہیں، جن کی تفصیل کتاب میں ملے گی۔

(ب) لوک کہانیاں: اس ذیل میں وہ قصے کہانیاں آتی ہیں، جو پنچ تنتر، شک سپ تتی، بیتال پچیسی، کتھا سرت ساگر یا جاتک کہانیوں یا ہندستان کے قدیم افسانوی ادب سے ماخوذ ہیں، یا جو عوامی روایتوں اور علاقائی زبانوں کے مقبولِ عام قصوں سے لی گئی ہیں۔ انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی شق میں دکھنی مثنویاں مثلاً کدم راؤ پدم راؤ، طوطی نامہ، بیناستونتی، منوہر اور مدھو مالتی، عود وصندل، نیہ درپن اور کام روپ وکلا کام سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں شمالی ہندستان کی مثنویوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، جن میں سے زیادہ اہم مثنویاں یہ ہیں: سنگھاسن بتیسی، راجا بلوان مل وچترسین، قصہ کنور و چندر کرن، راجا چتر مکٹ اور رانی چندر کرن، قصہ راجا گوپی چند اور قصہ راجا کنور سین ورانی چتراولی۔

(ج) نیم تاریخی قصے: ان کے تحت وہ قصے لیے گئے ہیں، جنھیں عوامی روایتوں میں امرِ واقع سمجھا جاتا ہے یا جن کا تعلق کسی تاریخی واقعہ سے ہے۔ اردو میں ایسی چند مثنویاں یہ ہیں: ہیر رانجھا، سسی پنوں، پدماوت، سوہنی مہینوال، بدھو گل فروش، قطب مشتری، چندر بدن و مہیار، ندرتِ عشق، مغل اور ناگرنی، طالب و موہنی، بہلول صادق، شعلۂ شوق، سوز وگداز، مثنوی دل پذیر اور مثنوی سراپا سوز۔

(د) ہند ایرانی قصے: مذکورہ بالا قصوں کے علاوہ اردو مثنویوں کے کچھ قصے ایسے بھی ہیں، جن میں دعویٰ تو یہ کیا گیا ہے کہ قصہ 'چین و ماچین یا خطا وختن' کا ہے، لیکن کرداروں کے معاشرتی آثار و کوائف، فطری مظاہر اور مثنوی کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ قصے کی جائے وقوع ہندوستان ہی ہے۔ یہ قصے پلاٹ کے اعتبار سے مخلوط ہیں، نہ یہ خالص ہندستانی ہیں نہ ایرانی۔ کہنے کو یہ قصے طبع زاد ہیں، لیکن دراصل ان میں ہندی اور ایرانی قصے کہانیوں کی روایتیں کچھ اس انداز سے مل گئی ہیں کہ ایک نیا قصہ بن گیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے قصوں میں ایرانی قصے کی عظمت اور ہندی لوک کہانیوں کی پراسرار وسعت دونوں کا اثر نظر آئے گا۔ اس لحاظ سے انھیں 'ہندایرانی' کہا جاسکتا ہے۔ اردو میں اس قسم کی متعدد مثنویاں لکھی گئی ہیں، ان سب کا ذکر چونکہ تکرار اور طوالت کا موجب ہوگا، اس لیے یہاں دکھنی، دہلوی اور لکھنوی مثنویوں میں سے ایک ایک کا انتخاب کرلیا گیا ہے۔ دکھنی مثنویوں میں سے پھول بن، دہلوی رنگ کی مثنویوں میں سے 'سحرالبیان' اور لکھنوی مثنویوں میں سے 'گلزارِ نسیم' کا تہذیبی مطالعہ پیش کرتے ہوئے، اس بات کا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ قصے کے مختلف اجزا کی اصلیت پوری طرح روشنی میں آجائے۔

مندرجہ بالا مثنویوں کو ہر باب کے تحت قصے کی قدامت اور تاریخی ترتیب کے اعتبار سے پیش کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مثنوی سے بحث کرتے ہوئے متعلقہ قصے کی قدیم ترین روایت کو سامنے رکھا جائے اور اختلافات کی نشان دہی بھی کردی جائے۔ اردو کی بعض مثنویاں چونکہ فارسی سے ترجمہ ہیں، اس لیے فارسی نسخوں کے نام پیش کرنا بھی ضروری سمجھا گیا۔ ہر قصے سے متعلق اردو کی نثری اور منظوم روایتوں کی بھی پوری تفصیل دے دی گئی ہے۔ اردو کی زیرِتبصرہ مثنویوں میں سے چونکہ بیشتر قلمی ہیں اور ان کا تعارف پہلی مرتبہ کرایا جارہا ہے، اس لیے ماخذ بہ قیدِ سنہ وصفحہ درج کردیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف قدیم اور قلمی تذکروں کے علاوہ کتب خانہ شاہانِ اودھ، برٹش میوزیم، انڈیا آفس، باڈلین، کیمبرج، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کرزن کلکشن، بانکی پور، کتب خانہ سالار جنگ، عثمانیہ اور آصفیہ (حیدرآباد) کی وضاحتی فہرستوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ تاکہ زیرتبصرہ مثنویوں کے مختلف نسخوں کے بارے میں تمام ضروری معلومات فراہم کردی جائیں۔ جہاں تک ممکن تھا، کوشش کی گئی ہے کہ موضوع زیر بحث کا کوئی حصہ تشنہ نہ رہے اور اردو مثنویوں کا وہ پہلو جو ہنوز تاریکی میں تھا پوری طرح سامنے آجائے:

مشکل شدہ است کارِ دل از عشق وخوش دلم
شاید رسد بخاطرِ مشکل پسندِ تو

□

ماخذ: ہندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں: گوپی چند نارنگ، اشاعت: 2001، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مصنف: ٹووے ڈٹلیوسن　　ترجمہ و تلخیص: نصر ملک

ڈینش کہانی

خوف

آج صبح گھر سے نکلتے وقت بڑا بابو جارج بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اپنا بیگ بغل میں دبایا اور بڑے خوشگوار موڈ میں گلی سے ہوتا ہوا ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ راستے میں اسے جان پہچان والے چند ایک ہی ملے جنھیں اس نے نہایت ادب سے ہاتھ ہلا کر سلام کیا۔ حسب عادت وہ آج بھی بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ بڑی اچھی طرح جانتا تھا کہ گھروں میں صبح سویرے دیر تک سونے والے لوگ گلیوں میں اخبار یا دودھ فروخت کرنے والوں کی ہی نہیں بلکہ عام چلنے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز تک پسند نہیں کرتے تھے اور پھر خواہ مخواہ ایک دوسرے کو بتاتے رہتے تھے کہ ''وہ ہے صبح سویرے امن کی نیند خراب کرنے والا۔'' بڑا بابو جارج یقیناً کسی کی بھی نیند خراب کرنے والا ''بدامن شہری'' نہیں تھا۔ وہ تو کسی کو بھی تکلیف نہیں دیتا تھا۔ وہ تو محض اپنے کام سے کام رکھتا تھا، کام کرنا، تنخواہ پانا اور اس میں سے باقاعدہ ٹیکس ادا کرنا اور کسی بھی وجہ سے اڑوس پڑوس میں گھروں، بنگلوں اور کوٹھیوں کے دروازوں، کھڑکیوں کے قریب تک نہ جانا اس کا ایک طرح سے اصول تھا۔ وہ لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان کرنے کے قطعاً حق میں نہیں تھا۔ بڑی بڑی کاروں اور عالیشان بنگلوں اور موٹی توندوں والے ڈائریکٹروں کو صبح سویرے ان کی نیند سے وہ انھیں بدمزہ کیوں کرے، یہ وقت تو ان کے آرام کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عین اسی وقت ہزاروں دوسرے لوگوں کی طرح بڑے بابو جارج کو بھی ان کے آرام کی خاطر کام پر جانا ہوتا تھا۔ اپنے انھیں خیالات میں مگن لیکن ساتھ ہی غیرارادی طور پر محتاط، جارج بابو اب تنگ گلی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر صبح کی سرمئی نیم روشنی میں جو دیکھا تو حیران رہ گیا کچھ لوگ فٹ پاتھ پر سو رہے تھے۔ ''او اچھا'' یہ بھی تو انسان ہی ہیں، اپنی صبح سو کر گزارنا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے گزاریں، آخر انھیں بھی تو اس کا حق حاصل ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

بڑے بابو نے سامنے گرجا گھر کی دیوار پر لگے کلاک پر وقت دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے معمول سے قدرے لیٹ ہو رہا تھا۔ اس نے اب اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ گلی کے کونے پر اس کی مڈبھیڑ نیلسن موچی سے ہوئی جو اپنے کام پر جا رہا تھا۔ جارج بابو نے ہر روز کی طرح حسب معمول اپنا ہیٹ چھو کر اسے بھی سلام کیا لیکن نیلسن موچی اس کا جواب دیے بغیر اس کے قریب سے یوں آگے گزر گیا گویا اس نے بڑے بابو کو دیکھا ہی نہ ہو۔ بڑا بابو پہلے تو قدرے حیران ہوا پھر اس نے سر جھٹک کر خود سے سرگوشی کی ''شاید نیلسن آج جلدی میں ہو، ... نہیں ممکن ہے وہ بھی میری طرح اپنی سوچ میں گم ہوگا ... بعض لوگ اپنی سوچوں میں یوں کھو جاتے ہیں کہ وہ راہ چلتے ہوئے دوسرے افراد کی موجودگی محسوس ہی نہیں کرتے۔'' جارج بابو کا موڈ قدرے خراب ہو گیا تھا... ''آخر نیلسن نے میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا، اس نے مجھے دیکھا تو ضرور ہوگا، ہر صبح ہماری ملاقات اسی وقت اسی جگہ ہی تو ہوتی ہے اور پھر میں اپنے جوتوں کی مرمت و پالش بھی تو ہمیشہ اسی کی دکان سے کراتا ہوں، وہ مجھے اچھی طرح سے پہچانتا ہے ... اس نے جان بوجھ کر میرے سلام کو کیوں نظر انداز کر دیا؟''

جارج ابھی تک نیلسن موچی کے بارے میں سوچ

رہا تھا... ''نہیں، وہ شاید کسی اور طرف متوجہ تھا جبھی تو مجھے دیکھ نہیں سکا ہوگا۔'' جارج بابو چلتے چلتے سوچتا جارہا تھا ''نیلسن شاید اب اپنی دکان پر پہنچ چکا ہوگا وہ اپنے کسی گاہک کو جو اس کے ہاں جوتا پالش کرانے آیا ہوگا اسے یہ بتا رہا ہوگا... بڑے بابو جارج نے آج صبح جب مجھے اپنا ہیٹ چھوکر سلام کیا تو میں اسے خاطر میں لائے بغیر سیدھا دیکھتا اُس کے قریب سے گزر گیا، نہیں بلکہ میں تو بڑے بابو کے پہلو کے قریب تر تھا لیکن میں نے اسے اہمیت ہی نہیں دی''... جارج بابو نے لمبا سانس لیا اور سوچا ''کہتا ہے تو کہتا پھرے، آخر نیلسن اور کر ہی کیا سکتا ہے وہ میرا کوئی ایسا پہلو یا معاملہ تو جانتا ہی نہیں جس پر وہ میرے بارے میں بات آگے بڑھا سکتا ہو یا پھر میرے بارے میں کسی افواہ کی بنیاد رکھ سکے!''

جارج بابو اپنے مکان کی قسطیں ادا کر چکا تھا۔ اس کی بیوی برگیتے اس سے پیار کرتی تھی۔ بچے مناسب تعلیم و تربیت کے ساتھ جوان ہو رہے تھے۔ اس کے بارے میں اگر کوئی انگلی اٹھاتا بھی تو کیوں؟ لیکن پھر بھی نجانے کیوں یہ وقت ہی ایسا تھا کہ کسی ایک کے بارے میں کسی دوسرے کا ایک لفظ ہی اسے تباہ کرنے کے لیے کافی ہوسکتا تھا۔ جارج بابو کے بارے میں ایک بات واضح تھی کہ اس کا اپنا نقطہ نظر اور سیاسی یقین کیا ہے اور اس کی سیاسی وفاداریاں اور ہمدردی کس کے ساتھ ہے۔ جارج بابو نے اس کے بارے میں خود ہی واضح کر دیا ہوا تھا۔ اور یہاں تک کہ نیلسن موچی کی دکان پر بیٹھنے اور کسی قسم کا سیاسی اثر و رسوخ نہ رکھنے والے افراد بھی جارج کی زبانی اس کے اپنے نقطہ نظر کے بارے میں متعدد بار سن چکے تھے کہ وہ محض اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور بس' جارج بابو کی رفتار میں اب مزید تیزی آگئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں پھر خیال ابھرا ''ہو نہ ہو نیلسن موچی دوسری پارٹی سے تعلق رکھتا ہوگا۔'' اب تو جارج بابو اپنی سوچ میں یوں گم ہوگیا کہ اسے اپنی بھی خبر نہ رہی... ''مجھے اپنے بارے میں کم از کم اس موچی کی دکان پر بات نہیں کرنی چاہیے تھی کہ میرا سیاسی نظریہ کیا ہے اور میں اپنے کن کاموں سے کام رکھتا ہوں۔'' جارج اب خیالات کے تند و تیز دھارے میں بہے جارہا تھا۔ ''شاید اب وہ میرے گھر کا دروازہ پیٹ رہے ہوں گے؟ میری بیوی، برگیتے نے اپنا گاؤن پہنے ہی دروازہ کھول دیا ہوگا... وہ برگیتے کو وضاحت کا موقع دیے بغیر اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے گھر میں داخل بھی ہوچکے ہوں گے، ممکن ہے اس میں سے کسی ایک نے برگیتے پر اپنا ریلوار بھی تان رکھا ہو، شاید انھوں نے اس کے منہ اور آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہو۔'' جارج بابو مسلسل سوچے جارہا تھا... ''ہم تمھارے خاوند کو تلاش کر رہے ہیں، دیکھو! تمھیں بذات خود گھبرانے کی ضرورت نہیں، بتاؤ وہ کمینہ جارج کدھر ہے؟ یہ معاملہ تمھارے خاوند ہی سے متعلق ہے۔'' وہ بکواس کر رہے ہوں گے۔

جارج بابو اب ریل گاڑی میں بیٹھا پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اتنے کانپ رہے تھے کہ وہ اپنا اخبار تک نہیں کھول سکا تھا... یقیناً یہ ایک معاملہ تھا اور جارج کے لیے ایک بدترین واقعہ بھی، لیکن یہ کوئی غیرسیاسی معاملہ بھی تو ہوسکتا تھا جس میں اتنا خطرہ بھی نہ ہو... شاید یہ محض اس کی اسی طرح کی سوچ ہو جس طرح وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر کبھی کبھی سوچنے لگ جاتا تھا لیکن یہاں اس شہر میں تو اب تک ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ ایک دوسرے سے سیاسی گفتگو کے باوجود، سب خیریت ہوتی اور رہتی تھی۔ وہ جب اس علاقے میں منتقل ہوا تھا تو سبھی محلے والوں نے اسے خوش آمدید کہا تھا... اس کی بیوی جلد ہی تمام دکانداروں کو پہچاننے لگی تھی اور وہ بھی اسے ایک خوش مزاج خاتون سمجھتے تھے۔ اس کے بچوں نے کئی دوسرے بچوں کو جلد ہی دوست بنا لیا تھا۔ ان میں ایسے بچے بھی تھے جن کے والدین بڑی بڑی کاروں، کوٹھیوں اور بنگلوں کے ساتھ جائیدادوں کے مالک تھے۔''... جارج بابو نے اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے سوچا۔ ''شاید حالات معمول پر آ ہی جائیں گے، حکومت ہی تو بدلی ہے نا، آخر ہمیں اپنا اپنا سیاسی نقطہ نظر رکھنے کا حق تو ہے ہی!'' وہ سوچ رہا تھا: اس کے بچوں کے اپنے اپنے گھر ہوں گے، وہ بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معاشرے کے پروقار باعزت شہری ہوں گے۔ وہ اپنا آمدنی ٹیکس ادا کرتے ہوئے سرکار کے ہاں بھی باعزت سمجھے جائیں گے!''

ریل گاڑی سے باہر نکل کر جارج بابو نے اسٹیشن کی گھڑی پر وقت دیکھا۔ اپنے دفتر وقت پر پہنچنے کے لیے اسے اب قدرے دوڑنا ہوگا۔ ''میں اگر وقت پر دفتر نہ پہنچ سکا تو لوگ خواہ مخواہ کی باتیں بنائیں گے۔'' اس نے سوچا ''ممکن ہے وہ کوئی اسکینڈل ہی کھڑا کردیں۔'' اسے اپنے دفتر میں ہیڈ کلرک کا عہدہ سنبھالے بھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور اس سے پہلے مس ہنسن یہ عہدہ حاصل کرنے کے لیے بہت تگ و دو کر چکی تھی۔ وہ تو ایک سفارش بھی لے آئی تھی۔ لیکن ملازمت کے تجربے میں وہ جارج بابو سے ایک سال پیچھے تھی اس لیے وہ ہیڈ کلرک نہ بن سکی تھی۔ دفتر میں مس ہنسن کے مقابلے میں اگر اسے یہ عہدہ نہ ملتا تو تمام ملازمین یہ سوچنے میں حق بجانب ہوتے کہ شاید وہ ہیڈ کلرک کی ذمے داریاں نبھا سکے۔ جارج بابو کو اب بھی یقین تھا کہ اس کی طرف سے دفتری ذمے داریوں میں یا وقت کی پابندی میں ذرہ بھر بھی کوتاہی یا تاخیر، لوگوں کو باتیں بنانے اور اس کے بارے میں افواہیں پھیلانے کا موقع ضرور مہیا کردے گی اور یقیناً ایسا کر کے وہ خوش بھی ہوں گے خاص کر مس ہنسن کو اگر کوئی موقع ہاتھ لگ گیا تو اس کے بارے میں افواہیں پھیلانے اور صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں ہرگز پیچھے نہیں رہے گی۔ عین ممکن ہے وہ اُس کی دفتری بے قاعدگیوں کا ذکر نیلسن موچی سے بھی کردے اور وہ دوسرے دکانداروں اور اپنے گاہکوں کے کانوں میں اسی کے بارے میں سرگوشیاں کرتا پھرے، آخر لوگ بات سے بات نکالتے، بال کی کھال اتارتے اور افواہوں کو ہوا دیتے پھیلاتے ہی تو ہیں!''

جارج بابو ابھی تک تیز تیز قدم اٹھاتا، اپنے دفتر کی جانب ایک طرح سے بھاگتا ہوا جارہا تھا۔ ''اف میرے خدا میں کن حالات میں گھرا ہوا ہوں... یہ خوف مجھے کیوں دبوچے جارہا ہے۔'' اس نے لمحہ بھر کے لیے رک کر سوچا اور بھول گیا کہ اس کے دائیں ہاتھ والی سڑک کون سی ہے۔ اس نے سر کو جھٹکا دے کر اپنی رفتار کچھ اور تیز کردی تھی۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ مجھے اس سڑک کا نام یاد ہی رہنا چاہیے تھا۔''

وہ چلتا چلتا زیر لب بڑبڑایا۔ لیکن اب وہ اپنے آپ میں خود ہی قدرے مشتعل بھی ہوتا جارہا تھا۔ سر پر پہنے ہوئے اپنے ہیٹ کو ہاتھ کا سہارا دے کر ہوا کے رخ سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور دفتر وقت پر پہنچنے کا بھوت اس پر اب پوری قوت کے ساتھ سوار تھا۔ لیکن اپنے تحت الشعور میں جارج بابو ابھی تک پیچھے والی اسی سڑک کا نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو وہ بھول گیا تھا۔ اس کے ذہن میں کئی نام آرہے تھے۔ ''شاہراہ آزادی''.. نہیں، وہ شہر کے بیچ ٹاؤن ہال کے دائیں طرف پڑتی ہے... آہا، وہ تو خیابانِ جمہوری تھی... ارے میں بھی کیا پاگل ہوگیا ہوں، یہ سڑک تو شہر داخل ہونے کے لیے ریل کی پٹری کے ساتھ ساتھ ابھی بنائی جارہی

ہے، ہاں اب یاد آیا... اس سڑک کا نام ''شاہراہ ساحل'' تھا، یہ ہوئی نا بات!'' اسے اپنے آپ پر اعتماد آنے لگا تھا۔ وہ نیلسن موچی اگر مجھے سرِراہ نہ ملتا تو اس کا کیا بگڑتا اور اگر اسے ملنا ہی تھا تو پھر اس نے میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ جارج بابو پھر خیالات میں بہنے لگا تھا۔ لیکن سڑک کا نام یاد کرکے وہ ایک طرح سے خود پر اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے اندر ہی اندر اپنے لیے ایک طرح سے تحفظ بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس سے پہلے جارج بابو خود کو ایسا غبارہ سمجھ رہا تھا جو کسی شریر بچے کے ہاتھ میں آجائے اور وہ بچہ کبھی تو اس میں ہوا بھرنے لگے اور پھر ہوا نکال دے اور یہ عمل تب تک جاری رہے تا آنکہ وہ غبارہ پھٹ جائے۔

جارج بابو ہانپتا ہوا جب دفتر پہنچا تو اس نے استقبالیہ کمرے میں مس ہنسن کو وہاں پہلے ہی سے آئینے کے قریب سامنے کھڑے اپنے بال سنوارتے ہوئے موجود پایا۔

''صبح بخیر'' جارج نے قدرے دھیمی آواز میں کہا اور سوچا کہ ''یہ بوڑھی جو ابھی تک ''مس'' ہی ہے اس کے لیے یہ کتنا تکلیف دہ ہوگا کہ وہ اپنی تمام زندگی ایک ہی دفتر میں ملازمت کرتی رہے، لیکن یہ عورت اب یہاں سے جا بھی کہاں سکتی ہے؟ یہ بھی اچھا ہی ہے کہ اب وہ اس عمر میں ہے، کم از کم کوئی یہ تو نہیں کہہ سکے گا کہ میں ایک دن اسے اپنی ''رکھیل'' بنالوں گا، یا پھر اس سے شادی کرلوں گا۔ چلو خدا نے مجھے اس بدنامی سے تو محفوظ رکھا ہے۔'' جارج بابو اپنی اس عجیب وغریب سوچ پر خود ہی حیران رہ گیا کہ مس ہنسن کے بارے میں آج یہ خیال اس کے ذہن میں اچانک آ کیسے گیا۔ مس ہنسن اگرچہ ملازمت کے تجربے میں اس سے ایک سال پیچھے تھی لیکن عمر کے لحاظ سے کچھ نہیں تو وہ اس سے بیس برس آگے تھی۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کامیابی کے لیے محض تجربہ ہی نہیں بلکہ سرکاری دفتروں میں بعض اوقات عمر کا بھی کچھ حق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس میں اُس کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا کہ مس ہنسن دفتر میں ہیڈ کلرک نہ بن سکی تھی اور دفتری ملازمین نے اس ذمے داری کے لیے اسے ہی مناسب اور موزوں قرار دیا تھا بلکہ ان ملازمین میں سے بعض کا تو

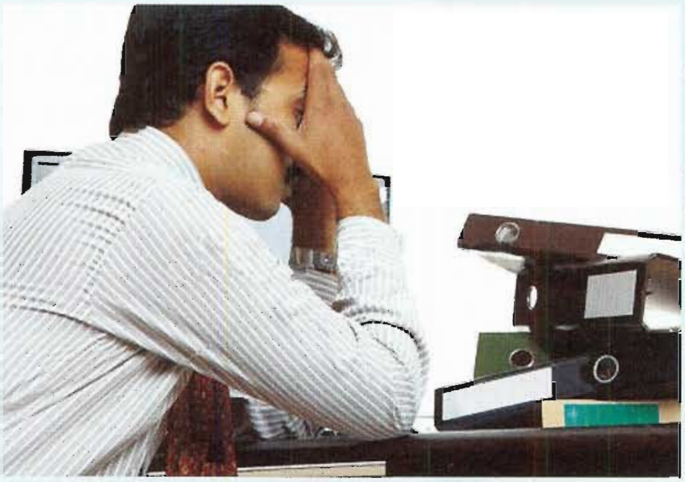

یہ بھی کہنا تھا کہ دراصل جارج پیدا ہی اس منصب کے لیے ہوا تھا۔ اور اکثر نے تو اسے ''دیر آید درست آید'' کا مقولہ یاد کراتے ہوئے کہا کہ اس ملازمت کا وہی حقدار تھا۔ بس کچھ دیر ہوگئی تھی۔ یہ منصب اسے کہیں پہلے مل جانا چاہیے تھا۔

''صبح بخیر... مسٹر جارج''، مس ہنسن نے اپنے بالوں میں ربن لگاتے ہوئے کہا اور وہ اپنے خیالات سے چونکا... ''اب آپ چونکہ ہیڈ کلرک بن چکے ہیں، لہٰذا دفتری آداب کے تحت آپ کو اب ''مسٹر'' ہی کہہ کر مخاطب کیا جانا چاہیے۔ آپ اب ''مسٹر'' ہیں، مسٹر!'' مس ہنسن نے جواب دیا۔

غالباً وہ پہلے بھی جارج بابو کو ''مسٹر'' ہی کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھی اور دوسرے دفتری ملازمین کی طرح وہ اس کے ساتھ کوئی خاص بے تکلف بھی نہیں تھی لیکن آج تو نہ صرف اس کی آواز بلکہ لہجے میں بھی ایک نمایاں فرق واضح عیاں تھا۔

''انسانی بدنیتی بھی کبھی کبھی عداوت ومخاصمت کی ایسی چھری بن جاتی ہے کہ انسان کو اس سے چھٹکارا پانے کے لیے خود اپنے آپ ہی کو ذبح کرنا پڑتا ہے اور انسان جب سوچتا ہے کہ دھرتی پر وہ کتنے مختصر سے وقت کے لیے ہے اور اسے اپنی حقیقی خوشی کے لیے بھی کچھ زیادہ درکار نہیں تو پھر دوستی وخیر سگالی ہی اسے اس کی راہ دکھاتی ہے اور پھر وہ ''زندہ رہنے دو اور زندہ رہو'' کا اصول اپنا لیتا ہے۔'' جارج بابو اپنی عینک کے شیشے صاف کرتا ہوا۔ نجانے کن فلسفیانہ خیالات میں کھو چکا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے دوران میں، جارج بابو کے ایک شریک کار نے اسے ایک ایسے کلرک کی کہانی سنانا شروع کردی جو ایک زرعی فارم پر ملازم تھا.. وہ کلرک ہر روز صبح سویرے فارم پر آنے والے گوالوں سے دودھ خریدتا اور اسے شہر بھجوایا کرتا تھا۔ فارم پر دودھ فروخت کرنے والے گوالے بھی عجیب وضع کے لوگ ہوتے ہیں، جارج بابو... اور پھر جارج بابو کے دوست نے اس کلرک اور دیہاتی گوالوں کے بیچ ہر صبح ہونے والے مکالموں کی نقل اتارتے ہوئے کہنا شروع کیا... ہر صبح آنے والے اُس کلرک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اسے مسٹر فریڈرکسن ... مسٹر فریڈرکسن کہہ کر مخاطب کرتے نہیں تھکتے تھے۔ وہ گوالے بیچارے، اس کلرک کو اپنے خالصتاً دیہاتی انداز میں بتاتے کہ مسٹر فریڈرکسن، موسم بھی کتنے عجیب وغریب ہوتے ہیں.. اب دیکھیے نا، موسم بہتر ہے تو ہم کتنے اچھے دن بسر کررہے ہیں۔ ہمیں کچھ زیادہ تو درکار نہیں، بس گزر بسر چاہیے ... لیکن مسٹر فریڈرکسن، یہ حقیقت ہے کہ خزاں کے سمے ہمارے علاقے میں ہمارے ساتھ مویشیوں کا بھی بہت برا حال ہوتا ہے ... مسٹر فریڈرکسن، آپ جانتے ہی ہیں خزاں آخر خزاں ہے اس میں بہار کہاں سے آئے گی! جارج بابو نے اپنے شریک کار کی کہانی بڑے اطمینان سے سنی اور جب اس کے شریک کار کو اپنی فتح کا احساس ہونے لگا تو اس نے منہ بھر کر قہقہہ لگایا۔ اتنی تھوڑی سی دیر میں جارج بابو، جواب سنبھل چکا تھا... اپنے شریک کار کو مخاطب کرتے ہوئے بولا... ''سنو، جانسن، کیا یہ سبھی دودھ فروش، دکاندار اور اسی قبیل کے لوگ ایسے ایک جیسے نہیں ہوتے؟... مثلاً'' ... جارج بابو نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''میری گلی میں ایک موچی ہے، موچی! روزانہ کام پر آتے جاتے ہم ایک دوسرے کو گلی کی نکڑ پر ملا کرتے ہیں۔ میں ہمیشہ اپنا ہیٹ اتار کر اسے سلام کرتا ہوں اور وہ بھی مجھے ''صبح خیر'' کی دعا دیتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے۔ کبھی کبھی ہم ایک آدھ منٹ موسم پر تبصرہ بھی کرلیتے ہیں ... لیکن آج صبح، تمھیں معلوم ہے کیا ہوا؟'' جارج بابو نے اپنا پہلو بدلا۔ کافی کی چسکی لی اور پھر بولا ''میں نے حسبِ معمول اپنا ہیٹ اتار کر سلام کیا لیکن وہ موچی مجھے دیکھتا ہوا گردن اکڑائے سیدھا چلتا گیا، اب بتاؤ تم اس کے اس رویے پر کیا کہو گے؟''

جارج بابو کھانے کی میز پر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے سبھی رفقا کار کی طرف سے اپنی کہانی پر داد کا خواہاں تھا۔ لیکن اسے

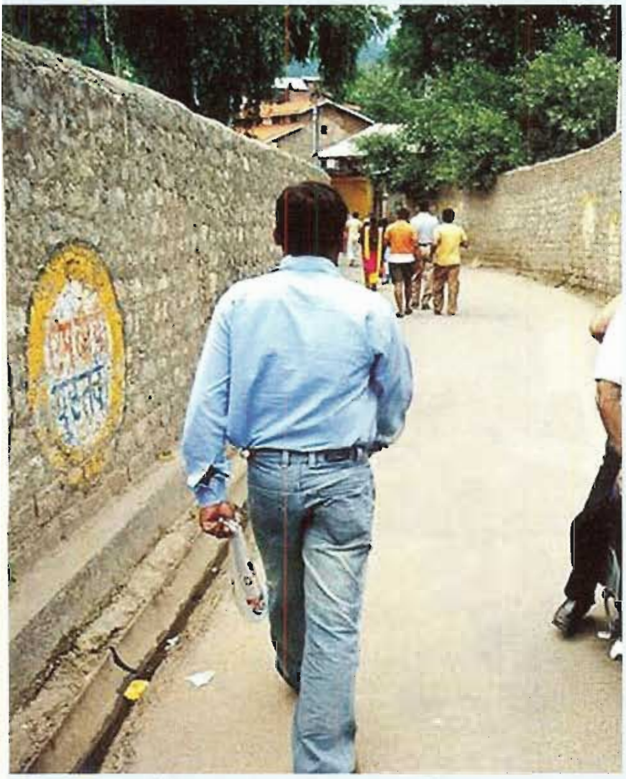

یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ ان میں سے ایک دو محض ہلکا سا مسکرا کر رہ گئے اور کچھ نے صرف اپنے شانے اچکا دیے اور باقی تو گویا ایسے تھے جیسے انھوں نے جارج بابو کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ انھیں اس بات پر ہرگز تعجب نہیں تھا کہ اس موچی نے جارج بابو کے سلام کا جواب ہی نہیں دیا تھا۔ وہ بذات خود جارج بابو اور اس کی عادتوں سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جارج بابو کے بارے میں آج کل جو کچھ کہا اور سنا جارہا تھا وہ اس موچی کو بھی معلوم ہوگا۔ جارج بابو کے بارے میں اب ایسی باتوں کو پوشیدہ رکھنا مشکل تھا۔ وہ تو زبان زدِ عام تھیں۔ ہاں ان سے اگر اب تک کوئی آگاہ نہیں تھا تو وہ جارج بابو بذات خود تھا۔ وہ ان باتوں میں حقیقت سے تو خود بھی واقف نہیں تھے اور جارج بابو کے بارے میں اتنی سنگین افواہوں کے بارے میں خود سوچ بھی نہیں سکتے تھے... جارج بابو تو ایک مکھی تک نہیں مار سکتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کی تھی، ہاں وہ کسی اور کے ایسے مفاد میں، جس میں کسی حد تک اس کا اپنا فائدہ ہو اس کے لیے اپنے ذاتی نقطہ نظر کو بدلنے میں عار نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے بھی وہ اپنے سے زیادہ دوسرے کی دلجوئی اور مدد کا خیال رکھتا تھا۔ جارج بابو ان کے نزدیک اس اصول پر کاربند تھا کہ بغیر وجہ بتائے کسی کو اپنے دشمنوں میں ہرگز اضافہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ایسے لوگوں کی ویسے بھی کمی نہیں ہوتی جو وجہ بتائے بغیر کسی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

آج کل پورے ملک میں عوام میں ایک طرح سے اپنی اپنی رائے کے اظہار کا جنون پھیلا ہوا تھا۔ ہر کوئی اپنا اپنا نظریاتی اوورکوٹ اوڑھے، اپنے ہی رنگ میں رنگا ہوا تھا اور اپنے اپنے نظریات کا جھنڈا بلند کرنے میں مگن تھا۔ جارج بابو کے بھی اپنے نظریات تھے۔ وہ ہر قسم کی قدامت پسندی، رجعت پسندی، تشدد و بربریت اور نفرت وحقارت اور تعصب سے بہت دور تھا۔ اسے ''مادر پدر آزادی کے پرستاروں اور ''بن بیاہی ماؤں'' کے جلوس بھی اچھے لگتے تھے۔ مگر وہ یہ بھی خوب جانتا تھا کہ اس کا اپنا مقام کیا ہے! جارج بابو اس بات سے آگاہ تھا کہ اپنی رائے کا بیباکانہ اظہار صرف دشمنوں میں اضافہ ہی تو کرسکتا ہے... بالکل اُس موچی کی طرح، جس نے صبح خاموش رہ کر اس کے سلام کا اگرچہ جواب نہیں دیا تھا لیکن وہ اپنی خاموش زبان سے بہت کچھ بلکہ کچھ کہہ گیا تھا۔ جارج بابو ابھی تک اسے فراموش نہیں کرسکا تھا۔

دفتر سے گھر واپس جانے کے لیے، جارج بابو ریلوے اسٹیشن پہنچا اور گاڑی میں سوار ہوکر کھڑے کھڑے ہی سفر کیا... گاڑی سے باہر نکل کر جب وہ گھر کی طرف روانہ ہوا تو اسے ہر چیز چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔ ہر چند کہ منحوس دن کا بوجھ اسے ابھی تک محسوس ہورہا تھا لیکن گھر پہنچنے کے خیال سے وہ اسے کسی حد تک بھول چکا تھا... گھر جاتے ہی وہ سب سے پہلے نہائے گا... اتنی دیر میں اس کی بیوی میز پر شام کا گرما گرم کھانا سجادے گی۔ جارج بابو اپنی ناک میں کھانے کی خوشبو محسوس کررہا تھا... برگیتے نے اپنے گھر کے باغیچے سے پھول توڑ کر گلدان میں سجا رکھے ہوں گے... بچے اس کے گرد اکٹھے ہوکر آداب بجالائیں گے، جارج بابو کچھ اسی طرح کے خیالات میں مگن تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھتا جارہا تھا... ''خدا کا شکر ہے میرے پاس اب اچھی اور مستقل ملازمت ہے۔ لیکن اس میں خدا کے شکر کی کون سی بات ہے آخر میں نے خود بھی تو ہمیشہ ہمت و ایمانداری سے محنت کی ہے.. میں نے کبھی کسی کو اپنی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا تھا۔ میں نے کبھی کسی کو کوئی زحمت یا تکلیف نہیں دی، میں تو ہمیشہ دوسروں کے حقوق کی عزت کرتا ہوں تبھی تو اپنے حقوق کی ان سے عزت چاہتا ہوں۔'' جارج بابو سوچے جارہا تھا اور ہر نئے خیال کے ساتھ ہی وہ ایک انجانے خوف میں مبتلا بھی ہوجاتا تھا... غیرارادی طور پر اسے یاد آیا کہ وہ صبح اپنے ہی علاقے کی ایک معروف سڑک کا نام ہی بھول گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی جارج بابو نے اس سڑک کا نام پھر سے یاد کرنا چاہا... ''شاہراہ آزادی''... نہیں یہ تو نہیں... ''شاہراہ جمہوریت''... ارے یہ تو شہر کے اس طرف ہے... اور پھر وہ بے ساختہ پکار اٹھا... ''شاہراہ ساحل'' یہ ہوئی نا بات!''... وہ اپنی یادداشت پر خوش ہوتا تھوڑا ہی آگے بڑھا تھا کہ سامنے سے وہی نیلسن موچی، گلی کی دوسری طرف سے اسے اپنی جانب آتا دکھائی دیا... جارج بابو اسے دیکھتے ہی بیزار ہوکر اندر ہی اندر سیخ پا اور مشتعل سا ہوگیا تھا اور اس نے نیلسن کے سلام کا جواب تک نہ دیا... ''شام بخیر... مسٹر جارج... آج موسم کتنا خوشگوار ہے۔'' نیلسن موچی اس کے بالکل پہلو سے گزر کر آگے جاچکا تھا۔

جارج کی جیسے جان میں جان آگئی ہو اور اسے پھر سے زندگی بسر کرنے کی مہلت مل گئی ہو... اس نے ایک گہری سانس لی... وہ پل بھر کے لیے رکا اور اس نے پیچھے مڑ کر دور جاتے ہوئے نیلسن کو دیکھا... پھر ایک لمبا سانس لے کر تیز تیز قدم اٹھاتا گھر کی طرف چل دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کے گالوں کو بھگورہے تھے۔ گھر کے دروازے کی دہلیز پر کھڑے ہوکر اس نے دستک دینے سے لحظہ بھر پہلے، شام کی بھوری روشنی میں کھلے آسمان کی طرف دیکھا تو اسے فضا میں بہار کی خوشبو محسوس ہوئی... ''نیلسن موچی حق بجانب ہے، بوڑھا موچی... کیا شخصیت ہے اس کی... کتنا پرلطف اور باذوق انسان ہے، نیلسن موچی!'' آج واقعی موسم کتنا بدل چکا تھا۔ موسم کی یہ خوشگواری بہار کی آمد کا سندیسہ تھی... جارج بابو اپنے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

■

ماخذ www.urduhamasr.dk

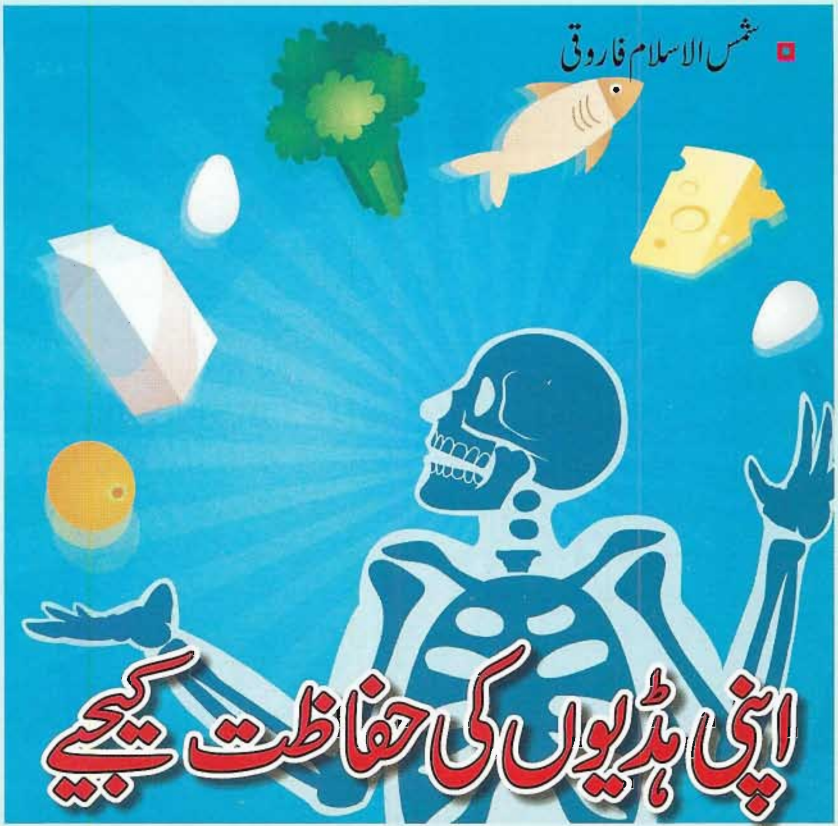

اپنی ہڈیوں کی حفاظت کیجیے

شمس الاسلام فاروقی

یوں تو قدرت نے ہمارا پورا جسم ہی بے مثال بنایا ہے۔ اُسے نہ صرف نک سُک سے درست کیا بلکہ اُس کا ایک ایک جوڑ اِس عمدگی سے بٹھایا کہ اس کے لیے کسی دوسری ترکیب کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ مگر ہمارے جسم کے اندر ہڈیوں پر مشتمل ڈھانچہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ عام طور پر کیونکہ لوگ اِس کی اہمیت سے واقف نہیں ہوتے ہیں اِسی لیے نہ تو اِس کی قدر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی حفاظت کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں۔

قدرت نے ہمارے جسم کے اس اندرونی ڈھانچے کو چھوٹی بڑی 206 ہڈیوں کو جوڑ کر تشکیل دیا ہے۔ آیئے مختصراً اس کی اہمیت پر ایک نظر ڈالیں:

1. **جسمانی ساخت اور سہارا:** ہمارے جسم کی مخصوص بناوٹ اور ساخت ہڈیوں کے اسی ڈھانچے سے قائم ہے۔ وہ نہ صرف ہماری شکل وصورت کا ضامن ہے بلکہ وہی ہمارے اعضا کو سہارا مہیا کرتا ہے۔ اگر جسم کا یہ ڈھانچہ نہ ہوتا تو ہمارا جسم محض گوشت پوست کا ایک لوتھڑا ہوتا جو کسی ایک جگہ پڑا رہتا۔ ہمارا اٹھنا، بیٹھنا یا حرکت کرنا شاید ممکن نہ ہوتا۔

2. **حفاظت:** ہمارے جسم کے اہم ترین اعضا کی حفاظت ہماری ہڈیاں کرتی ہیں۔ دماغ اور حرام مغز جو نہ صرف جسم کی بیشتر کارکردگی کے لیے ذمے دار ہیں بلکہ انتہائی نازک بھی، ان کی حفاظت ہماری کھوپڑی اور ریڑھ کی ہڈیاں کرتی ہیں۔ زبان اور آنکھوں کی حفاظت چہرے کی ہڈیوں کے درمیان ہوجاتی ہے جب کہ دل اور پھیپھڑے جیسے اعضا پسلیوں کے بنے ایک پنجر میں محفوظ ہیں۔

3. **حرکت:** ہڈیوں کے بغیر جسمانی حرکت کے بارے میں سوچنا بھی محال ہے۔ عضلات اور ہڈیوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عضلات ہڈیوں پر منڈھے ہوتے ہیں اور پھر مخصوص قسم کے تانت جیسے ٹشوز جو انگریزی زبان میں ٹینڈنس (Tendons) کہلاتے ہیں انھیں ہڈیوں سے منسلک کردیتے ہیں۔ عضلات کے کھنچنے اور سکڑنے سے ہڈیوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور نتیجتاً ہمارے جسم کے لیے ہر قسم کی حرکت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ چھوٹی بڑی 206 ہڈیاں اسے اور بھی آسان بنا دیتی ہیں۔

4. **خون کے سیلس کی تخلیق:** خون کے اہم ترین سیلس جو سرخ ذرّات (آر بی سی Red blood corpusles)، سفید ذرات (ڈبلو بی سی White blood corpusles)، چربیلے سیلس (ایڈی پوسائیٹس : Adipocytes))، اور ٹشوز کو باہم جوڑنے والے سیلس (فائبرو بلاسٹس: Fibroblosts) کے ناموں سے جانے جاتے ہیں، ہڈی کے گودے (بون میرو: Bone marrow) کے اندر تخلیق پاتے ہیں۔ خون کے سرخ ذرّات پھیپھڑوں میں آنے والی ہوا سے آکسیجن جذب کر کے جسم کے ایک ایک سیل تک پہنچاتے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو زندگی ہی ممکن نہیں۔ سفید ذرّات جسم میں داخل ہونے والے مضر جراثیموں سے لڑتے ہیں اور انھیں ختم کر ڈالتے ہیں۔ یہی ذرات ہمارے جسم کو قوت مدافعت فراہم کرنے کے لیے ذمے دار ہیں۔

قدرت نے ہماری ہڈیاں مسامدار بنائی ہیں۔ اس ساخت کی دو خوبیاں ہیں۔ اوّل وہ ہلکی رہتی ہیں اور ان سے جسم بوجھل نہیں ہو پاتا اور دوئم وہ لوچدار لیکن مضبوط اور ہر قسم کا دباؤ برداشت کرنے کے قابل ہوتی ہیں۔ ہڈیوں کی اسی ساخت کو نمونہ بنا کر موجودہ آرکیٹیکٹس بیمس پر بلند و بالا عمارتیں تعمیر کردیتے ہیں جو انتہائی مضبوط ہوتی ہیں۔ نارمل ہڈیاں بننے کے لیے دو منرلس (Minerals) کیلشیئم اور فوسفورس لازمی ہیں۔ نوجوانی کے زمانے تک ہمارا جسم ان منرلس کو مناسب مقدار میں غذا سے جذب کر لینے کی اہلیت رکھتا ہے لیکن جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے یہ صلاحیت کم ہونے لگتی ہے۔ اوّل تو جسم مطلوبہ مقدار میں کیلشیئم اور فوسفورس کو غذا سے جذب نہیں کرپاتا اور دوسرے یہ منرلس ہڈیوں سے نکل نکل کر دوبارہ جسم میں آنے لگتے ہیں۔ یہ بالکل اس طرح ہوتا ہے جیسے کسی مشین کے پرزے لگاتار چلتے رہنے سے گھسنے لگتے ہیں۔ نتیجتاً ہڈیاں کمزور ہونے لگتی ہیں۔ گھستے رہنے سے ان کے مسام رفتہ رفتہ بڑے ہوجاتے ہیں اور وہ بھربھری ہونے لگتی ہیں۔ ایسی حالت میں وہ معمولی دباؤ سے بھی ٹوٹ سکتی ہیں۔ یہ کیفیت ہڈیوں کی ایک بیماری ہے جو اوسٹیوپوروسس (Osteoporosis) کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ یہ نام دو لفظوں سے مل کر بنا ہے جس کے معنی ہیں مسامدار ہڈیاں۔ آپ کہیں گے کہ ہڈیاں تو ہوتی ہی مسامدار ہیں لیکن جیسا کہ ہم نے بتایا تھا بیماری کے دوران ہڈیوں کے سوراخ زیادہ بڑے ہوجاتے ہیں۔ ہڈیاں گھسنے سے پتلی بھی ہوجاتی ہیں کیونکہ اُن کا کیلشیئم اور فوسفورس لگاتار ضائع ہوتا رہتا ہے جس سے وہ کمزور اور بھربھری ہوجاتی ہیں اور معمولی دباؤ بھی برداشت نہیں کرپاتیں۔ اوسٹیوپوروسس کے مریضوں کی عام طور سے کلائی، کولھے یا ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ اس بیماری میں مبتلا لوگوں کا قد گھٹ جاتا ہے اور وہ کسی بطخ کی طرح ڈگمگا کر چلنے لگتے ہیں۔ انھیں عموماً چھڑی وغیرہ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

مرد اور عورتیں دونوں ہی اوسٹیوپوروسس کا شکار ہوتے ہیں۔ عورتوں میں اس کا تناسب ہر تین عورتوں

میں ایک ہوتا ہے جب کہ آٹھ مردوں میں صرف ایک ہی مرد اس میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس کے مریض ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں اور ماہرین کے اندازوں کے مطابق بین الاقوامی سطح پر یہ تعداد بیس کروڑ بتائی جاتی ہے۔ جہاں تک ہندستان کا تعلق ہے تو یہاں 2003 کے اعداد وشمار کے مطابق اوسٹیوپوروسس کے مریضوں کی تعداد 2.6 کروڑ تھی جس کے 2013 تک 3.6 کروڑ تک بڑھ جانے کا خدشہ ہے۔ ہمارے ملک میں اِس بیماری میں مبتلا مریضوں کی تعداد میں نہ صرف تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے بلکہ مغربی ممالک کی نسبت یہاں یہ بیماری قدرے کم عمری میں شروع ہوجاتی ہے۔ مغرب میں ستر اور اسّی سال کی عمر میں یہ مرض لاحق ہوتا ہے جب کہ ہمارے یہاں پچاس سے ساٹھ سال کی عمر کے لوگ بھی اوسٹیوپوروسس کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اوسٹیوپوروسس خاندانی بھی ہوتی ہے تاہم اس کی اصل وجوہات غذا میں کیلشیئم کی کمی، ورزش نہ کرنا، شراب اور سگریٹ نوشی، گوشت کا زیادہ استعمال اور دھوپ اور وٹامن ڈی کی کمی تصور کی جاتی ہیں۔ خود کو اوسٹیوپوروسس سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک صحت مندانہ طرز زندگی اختیار کرنا ضروری ہے۔ اپنی روزمرہ کی خوراک میں کیلشیئم اور وٹامن سی کو لازمی بنائیں اور سگرٹ اور شراب نوشی سے اجتناب کریں۔ غذا میں ترکاریوں اور پھلوں کو شامل کریں۔ کوشش کریں کہ گھی اور تیل کم سے کم استعمال کریں تاکہ کولسٹرول قابو میں رہے۔ وزن میں غیرضروری اضافہ نہ ہونے دیں۔ ساتھ ہی کیلشیئم، دیگر منرلس اور وٹامنس کے استعمال میں بھی کمی نہ آنے دیں۔ فیٹ نکلا ہوا یعنی سپریٹے کا دودھ ضرور پییں۔ بروکیلی، پالک، انجیر، اور جیلی جیسی غذاؤں کا استعمال ہڈیوں کی کمزوری پر قابو رکھنے میں مفید خیال کیا جاتا ہے۔

پہلے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ عمر کے ساتھ ہڈیوں میں جو انحطاط پیدا ہوتا ہے اسے روکنا ممکن نہیں مگر اب ایسا نہیں ہے۔ غذا اور مناسب ورزش سے نہ صرف ہڈیوں کے کمزور ہونے کے عمل کو روکا جاسکتا ہے بلکہ کمزور ہڈیوں کا علاج بھی ممکن ہے۔ امریکہ کے لورین ایم فِش مین نے 2009 کے دوران اپنی ایک معرکۃ الآرا تحقیق کے بعد انکشاف کیا کہ اوسٹیوپوروسس کے مریضوں کی منرل بون ڈینسٹی (Mineral Bone Density) میں یوگا ورزشوں کے ذریعے خاطر خواہ اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ فِش مین نے اپنے مریضوں کا انتخاب ایک مخصوص جانچ کے بعد کیا تھا جسے ڈوئل انرجی ایکسرے ایب زوپشیومیٹری (Dual-energy X-ray obsorptiometry) یا مختصراً ڈیکسا اسکین (Dexa Scan) کہتے ہیں۔ اس جانچ سے یہ یقینی ہوجاتا ہے کہ مریض واقعی اوسٹیوپوروسس یا پھر اس سے قدرے کم درجے کی بیماری اوسٹیوپینیا (Oesteopenia) میں مبتلا ہے۔ انھوں نے ان مریضوں کے دو گروپ بنائے۔ پہلے گروپ کو انھوں نے روزانہ بارہ منٹ تک یوگا کے کچھ مخصوص آسن کروائے جب کہ دوسرے گروپ کے مریضوں کو بطور کنٹرول رکھا گیا یعنی انھیں کسی قسم کی ورزش نہیں کرائی گئی۔ یہ عمل دو سال تک جاری رہا جس کے بعد دوبارہ ان کی جانچ کی گئی۔ ڈاکٹر فش مین کے مطابق جن مریضوں کو یوگا ورزشیں کرائی گئی تھیں ان کے کولھوں اور ریڑھ دونوں کی ہڈیوں کی منرل بون ڈینسٹی (MBD) ڈرامائی انداز سے بڑھی ہوئی پائی گئی جب کہ کنٹرول گروپ کے مریضوں میں ان کی ہڈیوں کی منرل بون ڈینسٹی میں بتدریج گراوٹ نوٹ کی گئی۔ اس قدر حوصلہ افزا نتائج کے پیش نظر ڈاکٹر فش مین نے اوسٹیوپوروسس کے مریضوں کے لیے بارہ یوگ آسنوں کی سفارش کی ہے۔ انھوں نے ہر آسن کی تین تین شکلیں بیان کی ہیں جن میں سے پہلی ان مریضوں کے لیے ہیں جو اوسٹیوپوروسس کا شکار ہیں اور ان کی ہڈیاں بے حد کمزور ہوچکی ہیں۔ دوسری ان مریضوں کے لیے جو اوسٹیوپینیا میں مبتلا ہیں یعنی جن میں بیماری اپنے ابتدائی دور میں ہے جب کہ تیسری شکل ان لوگوں کے لیے تجویز کی ہے جو اس بیماری سے اپنی ہڈیوں کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ ذیل میں ہم نے صرف ان ورزشوں کو بیان کیا ہے جو انھوں نے اوسٹیوپوروسس کے مریضوں کے لیے تجویز کی ہیں۔ ان میں سے ہر ورزش صرف ایک منٹ ہی کی جائے گی جس ورزش میں دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں پیروں کا استعمال ہوگا اس میں اسے دائیں بائیں جانب تیس تیس سیکنڈ کے لیے کریں گے۔

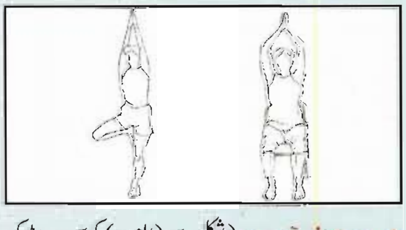

1. ورکش آسن: (شکل 1، (الف) کرسی پر بیٹھ کر سامنے دیکھیے۔ ریڑھ کی ہڈی سیدھی رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھایے۔ کندھے کی ہڈیوں کو پیچھے کھینچیے اور ہتھیلیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر جس قدر دبا سکتے ہوں دبایئے۔ اگر زیادہ دقت محسوس نہ ہو تو یہ آسن کھڑے ہو کر کیجیے۔ اُس صورت میں باری باری تیس تیس سیکنڈس کے لیے دائیں اور بائیں پیر کو اٹھا کر مخالف ران پر اندر کی طرف جس قدر اوپر رکھ سکتے ہوں رکھیے۔

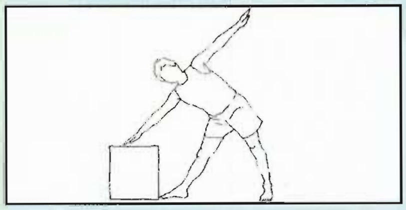

2. تری کون آسن: (شکل نمبر 2) پیر پھیلا کر دیوار کے ساتھ کھڑے ہوجایئے۔ پیروں کے درمیان تین سے ساڑھے تین فٹ کا فاصلہ رکھیے۔ دایاں پیر دیوار کے متوازی رکھیے جب کہ بایاں پیر زاویہ قائمہ بناتے ہوئے اس طرح رکھیے کہ پنجہ آگے رہے۔ سامنے دیکھتے ہوئے دایاں ہاتھ کرسی پر رکھیے اور بائیں ہاتھ کو سیدھا رکھتے ہوئے اتنا اوپر اٹھایئے کہ دائیں ہاتھ کی سیدھ میں آجائے۔ جھکتے وقت خیال رکھیے کہ کمر کے بجائے کولھے سے جھکیں۔ تیس سیکنڈس بعد دوسری طرف دہرایئے۔

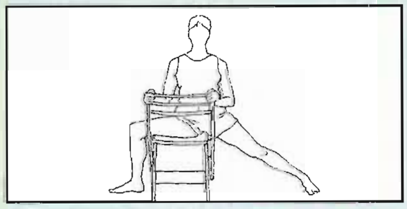

3. ویربھدرآسن: (شکل نمبر 3) کرسی کی پشت کی طرف منہ کرکے سیدھی ران پر بیٹھیے اور پیر کو نوے ڈگری پر موڑ لیجیے، پنجہ دیوار کے متوازی رکھیے۔ بائیں پیر کو سیدھا کرکے جتنا کھینچ سکتے ہوں کھینچیے اور پنجہ سامنے رکھیے۔ اگر توازن قائم رکھنا مشکل نہ ہو تو ہاتھوں کو ایک دوسرے کے متوازی پھیلایئے ورنہ کرسی کی پشت کے کناروں پر رکھیے۔ تیس سیکنڈس بعد دوسری طرف دہرائیں۔

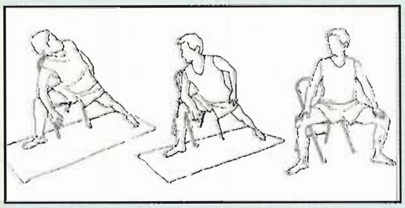

4. پرسواکون آسن: (شکل 4، 4الف، 4ب) کرسی کے سیدھے کنارے پر پیر کھول کر اس طرح بیٹھیے کہ ہر پیر کا گھٹنا اور پنجہ ایک سمت میں ہوں۔ دائیں ہاتھ کی کہنی دائیں گھٹنے پر رکھ کر دائیں جانب ہی جھکیے۔ بائیں پیر کو سیدھا کرکے جس قدر کھینچ سکتے ہوں کھینچیے۔ گردن بائیں طرف گھما کر اوپر دیکھیے۔ تیس سیکنڈس بعد

بائیں جانب جھکیے اور دائیں پیر کو سیدھا کر کے کھینچیے۔

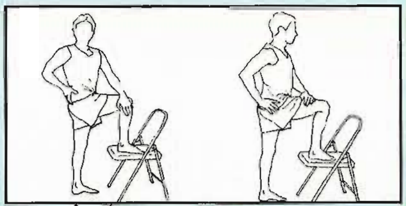

5. **پری ورٹ کون آسن**: (شکل نمبر 5، 5 (الف)، کرسی کے سامنے سے اس کی پشت کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوجایئے۔ توازن قائم رکھنے میں دشواری ہوتی ہو تو بائیں ہاتھ کی طرف دیوار کا سہارا رکھیے۔ اب دایاں پیر اٹھا کر کرسی پر اس طرح رکھیے کہ گھٹنے کا نچلا حصہ ران کے ساتھ زاویہ قائمہ بنائے۔ بایاں ہاتھ دائیں ران پر اور دایاں ہاتھ دائیں کولھے پر رکھیے۔ چہرہ اور اوپری جسم سیدھا رکھتے ہوئے دائیں طرف موڑیے۔ دائیں ہاتھ سے پنڈلی پر دباؤ ڈالیے جب کہ پنڈلی کو دائیں طرف موڑنے کے لیے زور لگایئے۔ تیس سیکنڈس بعد دوسرے پیر سے دہرایئے۔

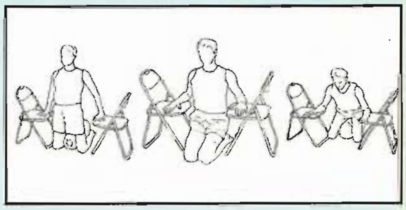

6. **اُستر آسن**: (شکل نمبر 6، 6 (الف)، 6 (ب) دو کرسیاں آمنے سامنے رکھ کر درمیان ایک گاؤ تکیہ رکھیے۔ کہنی تک ہاتھوں کو کرسیوں پر ٹکایئے اور اپنی پشت سیدھی رکھتے ہوئے گاؤ تکیہ پر اس طرح سواری کیجیے جیسے گھوڑے پر بیٹھتے ہیں۔ آگے سرک کر دوزانوں ہوجایئے جیسے گاؤ تکیہ پر بیٹھ رہے ہوں۔ اب ہاتھوں کو سیدھا کرتے ہوئے گھٹنوں پر اوپر اٹھیے اور ہتھیلیوں پر زور دیجیے، ساتھ ہی ناف سے نچلے حصے کو قدرے آگے بڑھایئے۔

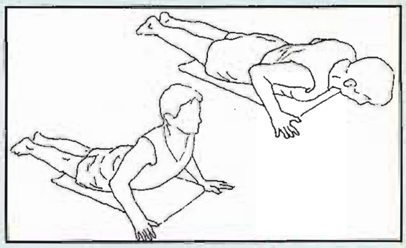

7. **بھجنگ آسن**: (شکل نمبر 7، 7 (الف) پیٹ کے بل اس طرح لیٹیے کہ پیر پیچھے ہوں اور ٹخنے ملے ہوئے۔ بازو جسم کے متوازی لیکن کہنی سے نیچے کا حصہ قدرے باہر کی طرف اور ہتھیلیاں زمین پر ٹکی ہوئی۔ ناف کو زمین پر ٹکاتے ہوئے باقی جسم بساط بھر بتدریج اوپر اٹھایئے۔ خیال رہے کہ گردن کی ہڈی خمیدہ نہ ہونے پائے۔

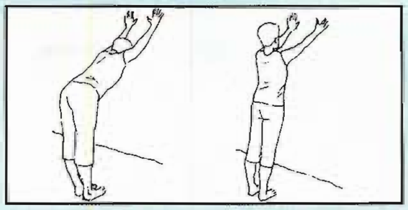

8. **ادھو مکھ سون آسن**: (شکل نمبر 8، 8 (الف)، تقریباً 18 انچ کا فاصلہ رکھتے ہوئے ایک دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوجایئے۔ پشت کو سیدھا رکھتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا کر جسم کا اوپری حصہ کمر سے نہیں بلکہ کولھوں سے جھکایئے اور ہتھیلیوں کو دیوار پر ٹکا دیجیے۔ پہلی حالت میں واپس آنے کے لیے قدم آگے بڑھایئے۔

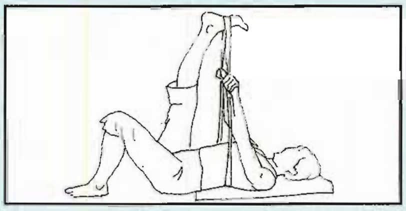

9. **سُپتاپدانگستو آسن**: (شکل نمبر 9) پشت پر لیٹ جایئے اور دونوں پیر گھٹنوں سے موڑ لیجیے۔ کمر کے نیچے سے آرہی کھینچنے والی بیلٹ میں دایاں پیر پھنسا کر اُسے آہستہ آہستہ سیدھا اوپر اٹھایئے۔ بیلٹ پر انگلیاں رکھ کر ہاتھ اوپر لے جایئے یہاں تک کہ کہنیاں سیدھی ہوجائیں۔ دشواری محسوس نہ ہو تو بائیں پیر کو سیدھا کر لیجیے۔ پیر پر مزید دباؤ ڈالنے کے لیے اپنے کندھوں کا استعمال کیجیے لیکن خیال رکھیے کہ گلے پر زور نہ پڑنے پائے۔ تیس سیکنڈس اسی حالت میں رہیے، پھر پیر کو آہستہ آہستہ موڑ کر پہلی والی حالت میں لے آیئے۔ چند سیکنڈس آرام کر کے دوسرے پیر پر اس عمل کو دہرایئے۔

10. **اردھامتسی ایندر آسن**: (شکل نمبر 10) ایک تہہ کیے ہوئے کمبل پر بیٹھ کر بائیں پیر کو اتنا موڑیے کہ ایڑی آپ کے نیچے آجائے۔ دائیں پیر کو کھڑا کر کے نیچے کو بائیں پیر کے اوپر سے لے جا کر فرش پر رکھ دیجیے۔ دائیں پیر کا گھٹنا بائیں ہاتھ سے پکڑیے اور دایاں ہاتھ سیدھا کر کے فرش پر رکھ کر اُسے پیچھے کی طرف لے جایئے۔ ساتھ ہی اپنے جسم کو سیدھا رکھتے ہوئے اسی سمت موڑیے۔ تیس سیکنڈس کے بعد دوسری طرف دہرایئے۔

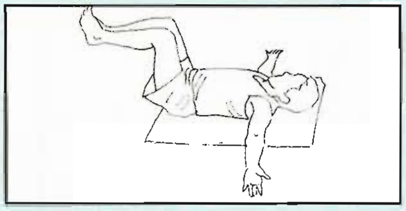

11. **جتھارا پری ورتن آسن**: (شکل نمبر 11) پشت پر لیٹ کر دونوں ہاتھوں کو پوری طرح پھیلا لیجیے۔ ہتھیلیوں کو اوپر کی سمت رکھیے۔ اگر کندھوں میں تکلیف ہو تو ہتھیلیوں کو نیچے کی سمت بھی رکھا جاسکتا ہے۔ دونوں پیروں کو جوڑ کر گھٹنوں سے موڑ لیجیے۔ رانوں کو سیدھا کھڑا رکھتے ہوئے نچلے پیر اتنا اوپر اٹھایئے کہ فرش کے متوازی ہوجائیں۔ اب کولھوں کو تقریباً پندرہ ڈگری پہلے دائیں اور پھر تھوڑے وقفے کے بعد بائیں موڑیے۔ خیال رہے کہ آپ کا جسم اور کندھے فرش سے لگے رہیں اوپر نہ اٹھیں۔

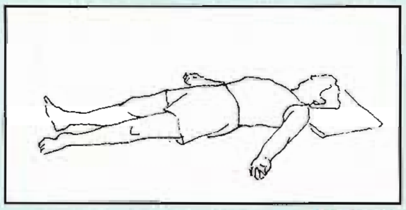

12. **شو آسن**: (شکل نمبر 12) پشت کے بل ہاتھوں اور پیروں کو سیدھا اور ڈھیلا کر کے لیٹ جایئے۔ آپ کے پیر پھیلے رہیں اور ان کی ایڑیاں اندر کی سمت جب کہ پنجے باہر کی طرف رہیں۔ آنکھیں بند کر کے خالی الذہن ہونے کی کوشش کیجیے اس طرح چند منٹ لیٹیے اور لمبی لمبی سانسیں لیجیے۔ اوپر دیے گئے آسن کرنے کے بعد جسم کو آرام دینے کے لیے یہ آسن ضروری ہے۔

بظاہر اوپر دیے گئے سب ہی آسن آسان ہیں اور ان سے کسی قسم کا نقصان ہونے کی توقع نہیں ہے تاہم بہتر ہوگا۔ اگر انھیں شروع کرنے سے پہلے کسی یوگ استاد سے مشورہ کرلیا جائے۔ وہ آپ کو آپ کی بیماری کے مطابق آسنوں کی مشق کرنے کا مشورہ دے گا۔ ہوسکتا ہے آپ کو ان آسنوں سے سخت آسنوں کی ضرورت ہو۔

◘

Dr. S.I. Farooqi,90-B/1, Ahata Tablib Gali No.1, Noor Nagar,Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 110025

ایم رحمت اللہ

ہندوستانی سنیما اور تحریک آزادی

ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ ہندوستانی فلموں کو فراموش نہیں کرسکتی۔ ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور انقلابی کردار سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ ان کے بے مثال فلمی نغموں نے حب الوطنی کے جذبے کو نہ صرف یہ کہ بیدار کیا بلکہ شاعروں اور ادیبوں نے اپنے زور قلم سے ملک میں تحریک آزادی کو ایسی جلا بخشی کہ دشمن کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ 1913 میں خاموش ہندوستانی سنیما غلامی کے اس دور میں وجود میں آیا جب ہندوستان فرقہ پرستی کی آگ میں جل رہا تھا۔ فلموں نے 1931 میں بولنا شروع کیا تو اشارے کنائے میں برطانوی حکومت کے خلاف صدائیں بلند ہونے لگیں، تحریک آزادی کے اس دور میں ہر شخص وطن پرستی کے جذبے سے سرشار نظر آتا تھا۔ آزادی کے ان شیدائیوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے قلم کار اور فلم ساز ایسی ہی کہانیوں کو لے کر فلمیں بنانے لگے کہ عوام الناس کے دلوں میں بھی وطن پرستی کا جذبہ بیدار ہو۔ آزادی کی لڑائی، اس کے فوجی، پڑوسی ممالک سے جنگ وجدل اور دہشت گردی سے متعلق جیسی فلمیں ترجیحی بنیاد پر بنائی گئیں اور دکھائی گئیں۔ غلامی کے اس دور میں ہدایت کار دبی زبان اور اشاروں میں وطن پرستی کی بات کہہ پاتے کیوں کہ اس کی ذرا سی بھنک ملنے پر برطانوی حکومت فلم کی نمائش پر پابندی عائد کردیتی تھی۔ بمبئی ٹاکیز کی فلم 'قسمت' 1942 میں پردیپ کے لکھے گیت 'دور ہٹو اے دنیا والو ہندوستان ہمارا ہے' کی وطن پرستی کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے۔ فلم 'بندھن' کے گیت 'چل رے نوجوان' نے بھی جواں دلوں میں خوب جوش و ولولہ پیدا کیا تھا۔ وی شانتارام کی فلم 'اُدے کال' میں پرچم لہرانے کے منظر کو لے کر انگریزوں نے سخت اعتراض کیا تھا، انھیں کی فلم 'پڑوسی' میں ہندو مسلم اتحاد کا پیغام بے حد خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا تھا۔

حصولِ آزادی کے ساتھ ہی قلم کاروں اور فلم سازوں کی زبان بھی کھل گئی اور وطن پرستی پر مبنی معنویت سے لبریز فلمیں پردۂ سیمیں پر اپنے جلوے بکھیرنے لگیں۔ پچاس کی دہائی کی فلموں میں آزادی کی خوشی، ملک کی تعمیر نو کا جوش و ولولہ اور سماجی اصلاح کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ 1948 میں منظر عام پر آئی فلم 'شہید' میں دلیپ کمار نے ایک انقلابی کا رول ادا کیا تھا۔ اسی وقت سہراب مودی نے لکشمی بائی کی زندگی پر مبنی 'جھانسی کی رانی'

ساٹھ کی دھائی میں پاکستان اور چین سے ہوئی جنگوں نے قلم کاروں اور فلمسازوں کو ایک نیا موضوع دے دیا۔ وطن پرستی پر محیط فلمیں جذبات کو ابھارنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ عموماً زیادہ تر فلمیں جیتی ہوئی جنگوں پر ہی بنتی ہیں اور وہی باکس آفس پر کامیاب بھی ہوتی ہیں، ہاری ہوئی جنگوں پر بنائی گئی بیشتر فلمیں ناکام ثابت ہوئیں، لیکن ہدایت کار چیتن آنند نے اس ٹرینڈ کو اپنی فلم 'حقیقت' سے غلط ثابت کردیا۔ انھوں نے 1962 میں چین سے ہوئی جنگ میں ہماری شکست کو لے کر فلم 'حقیقت' بنائی جو وطن پرستی پر مبنی فلموں میں اب تک کی سب سے کامیاب فلم مانی جاتی ہے۔

(1952) بنائی۔ شرت چندر کے ناول 'پتھ کے دعویدار' کو لے کر فلم 'سوے واچی' ریلیز ہوئی۔ اس کی نمائش پر انگریزوں نے پابندی لگا رکھی تھی۔

ساٹھ کی دہائی میں پاکستان اور چین سے ہوئی جنگوں نے قلم کاروں اور فلمسازوں کو ایک نیا موضوع دے دیا۔ وطن پرستی پر محیط فلمیں جذبات کو ابھارنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ عموماً زیادہ تر فلمیں جیتی ہوئی جنگوں پر ہی بنتی ہیں اور وہی باکس آفس پر کامیاب بھی ہوتی ہیں، ہاری ہوئی جنگوں پر بنائی گئی بیشتر فلمیں ناکام ثابت ہوئیں، لیکن ہدایت کار چیتن آنند نے اس ٹرینڈ کو اپنی فلم 'حقیقت' سے غلط ثابت کردیا۔ انھوں نے 1962 میں چین سے ہوئی جنگ میں ہماری شکست کو لے کر فلم 'حقیقت' بنائی جو وطن پرستی پر مبنی فلموں میں اب تک کی سب سے کامیاب فلم مانی جاتی ہے۔ پھر وہیں 1971 میں پاکستان سے ہوئی جنگ میں ہندوستان کی فتح ہوئی اور اس کے نتیجے میں بنگلہ دیش وجود میں آیا تھا۔ چیتن آنند نے اسی تھیم کو لے کر فلم 'ہندوستان کی قسم' بنائی جو باکس آفس پر ناکام رہی۔ وہیں فلم ساز جے پی دتہ نے اسی تھیم کو لے کر فلم 'بارڈر' بنائی، جو بے حد کامیاب رہی مگر کارگل جنگ 1999 پر بنی فلم 'ایل او سی کارگل' سے انہیں وہ کامیابی نہیں ملی۔ 'سات ہندوستانی'؛ 'پرورش'، ''لیڈر'، 'مشعل'، فلمیں بھی وطن پرستی کا پیغام دیتی ہیں۔

1857 کی بغاوت جنگ آزادی کی ابتدا تھی۔ اس بغاوت نے حصول آزادی کی راہ ہموار کردی۔ منوج کمار کی فلم 'کرانتی' 1982، اسی بغاوت کے ارد گرد گھومتی ہے۔ کئی فلم سازوں نے جنگ آزادی کے تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر بھی فلمیں بنائی ہیں۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی زندگی پر بھی فلم بنی۔ کیتن مہتا نے بغاوت کے مرد مجاہد سپاہی منگل پانڈے پر فلم 'منگل پانڈے دی رائزنگ' بنائی۔ جنگ آزادی کے مجاہدوں میں بھگت سنگھ اور سبھاش چندر بوس فلم ساز اور عوام دونوں کے چہیتے رہے ہیں۔ لیکن سبھاش چندر بوس پر بنی فلم باکس آفس پر زیادہ کامیاب نہ ہوسکی۔ وہیں بھگت سنگھ کی حیات پر بنی فلموں میں صرف منوج کمار کی فلم 'شہید' 1965 کو ہی کامیابی ملی۔ لیکن 2002 میں فلم سازوں نے بھگت سنگھ پر کئی فلمیں بنائیں، لیکن شرف قبولیت کو نہ پہنچ سکی۔ وہیں ہدایت کار راج کمار سنتوشی کی فلم 'دی لجنڈ آف بھگت سنگھ'

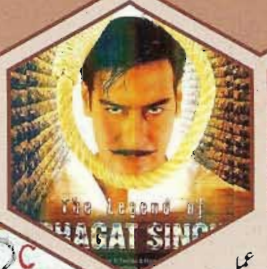

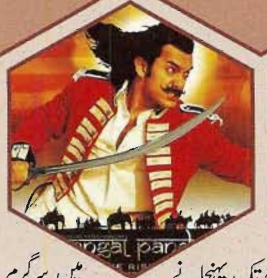
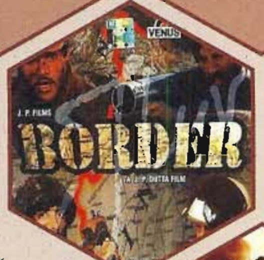

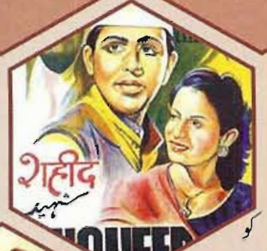

کو خوب شہرت ملی۔ وطن پرستی کے نام پر فلم سازوں نے 'گاندھی' کے نام سے خوب شہرت اور پیسہ کمایا۔ جواہر لال نہرو پر 'گاندھی' جیسی کوئی فلم نہیں بنی۔ دوسرے قومی رہنماؤں کی زندگی پر بنی ہدایت کار کیتن مہتا کی فلم 'سردار'، جبار پٹیل کی 'بابا صاحب امبیڈکر'، شیام بینیگل کی 'بُاس دی اَن فورگوٹن ہیرو' جیسی فلموں کو بھی عوام نے خوب سراہا۔

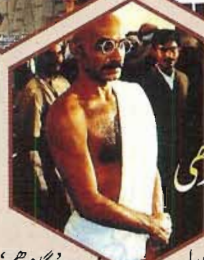

حب الوطنی پر مبنی فلموں کی طرح وطن پرستی سے سرشار اردو نغموں کی اہمیت وافادیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان نغمات کی اثر پذیری اور قوت نے کیا خواص اور کیا عوام، سبھوں کے دل میں جگہ بنائی ہے۔ 'دل دیا ہے جان بھی دیں گے'، 'میرے دیش کی دھرتی'؛ 'تو ہندو بنے گا نہ مسلمان بنے گا'؛ 'اپنی آزادی کو ہم ہرگز بھلا سکتے نہیں'، 'اے وطن، اے وطن ہم کو تیری قسم'، 'یہ دیش ہے ویر جوانوں کا'، 'کر چلے ہم فدا جان وتن ساتھیو'، 'ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کے ...' اور انھی جیسے بے شمار فلمی نغموں کی آواز جب ہماری سماعت سے ٹکراتی ہے تو خود بخود ہمارا جذبہ حب الوطنی جوش مارنے لگتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ملک کو آزادی ملنے کے بعد ہی حب الوطنی پر فلمیں بنائی گئیں یا نغمے لکھے گئے، بلکہ تحریک آزادی میں اردو شعرا وادبا کا بہت اہم رول رہا ہے۔ فلمی نغموں نے جذبہ حب الوطنی کو نہ صرف بیدار کیا بلکہ اردو کے شاعروں اور کہانی نویسوں نے اپنے قلم کے زور سے ملک میں تحریک آزادی کو ایسی جلا بخشی کہ دشمن کے پاؤں لرزنے لگے۔ سنیما ہمارے عہد کا نہایت منفرد، بہت ہی مقبول اور سب سے طاقتور ذریعہ اظہار ہے۔ اس میں زندگی کی عکاسی اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس کو سیاسی و سماجی حالات، تہذیب، ثقافت، اقتصادی حالات، کیفیات اور ماحول کے مطالعے کا ایک اہم حوالہ باور کیا جاتا ہے۔ ہماری فلموں میں حب الوطنی کے گیتوں اور موسیقی کا سلسلہ سنیما کی تاریخ اور روایت سے جڑا ہوا ہے۔ ہمارے فلم ساز، ہدایت کار، گلوکار اور نغمہ نگار حب الوطنی کے جذبے کو ہرخاص وعام تک پہنچانے میں سرگرم عمل ہیں۔ وطن پرستی سے سرشار فلمیں اور نغمے جو آزادی کے فوراً بعد ہمارے سامنے آئے ان کی فہرست ویسے تو طویل ہے۔ لیکن کچھ نغمے ایسے ہیں جنھیں سن کر ذہن ودل جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہوجاتے ہیں اور اس نغمہ کو بار بار سننے کو دل بے چین ہوجاتا ہے۔ کیفی اعظمی کا نغمہ فلم حقیقت میں 'کر چلے ہم فدا جان وتن ساتھیو' جسے محمد رفیع نے اپنی جادوئی آواز سے ایسا سنوارا کہ وہ لازوال بن گیا۔ اسی طرح پریم دھون کا نغمہ فلم 'کابلی والا' میں 'اے مرے پیارے وطن ...' ایسا نغمہ ہے جو اپنے ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک میں رہنے والوں کے دل کے اندر حب الوطنی کے جذبے کو بیدار کردیتا ہے۔

ایک اور نغمہ 'اے میرے وطن کے لوگوں ذرا آنکھ میں بھرلو پانی ...' لتا منگیشکر جب اپنی سریلی آواز میں نغمہ سرا ہوئیں تو ایسا سماں بندھا کہ سننے والوں کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ ہمارے سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی آنکھیں بھی اس نغمہ کو سن کر اشک بار ہوگئی تھیں۔ یہ گیت حقیقت میں ہمارے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں منظر عام پر آئی منوج کمار کی فلم 'شہید' کا نغمہ 'اے وطن اے وطن ہم کو تیری قسم' نے ایسی دھوم مچائی کہ ہر شخص کو یہ نغمہ ازبر ہوگیا۔ کچھ ایسا ہی سبھاش گھئی کی فلم 'کرما' جو اسّی کی دہائی میں منظر عام پر آئی کا نغمہ 'دل دیا ہے جان بھی دیں گے اے وطن تیرے لیے' کے ساتھ ہوا۔ فلم 'روجا' میں پی کے مشرا کے نغمے اور اے آر رحمٰن کی موسیقی میں بھی حب الوطنی کے جذبے کی بھرپور عکاسی ہے۔ حب الوطنی کے یہ نغمے جب ہم کبھی سنتے ہیں تو ہمارے اندر وطن پرستی کا جذبہ جوش مارنے لگتا ہے۔ 'سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے، دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے'، 'کر چلے ہم فدا جان وتن ساتھیو، اب تمہارے حوالے وطن ساتھیو'، 'جہاں ڈال ڈال پہ سونے کی چڑیا کرتی ہے بسیرا، وہ بھارت دیش ہے میرا'، 'یہ دیش ہے ویر جوانوں کا'، 'سنو غور سے دنیا والو، بری نظر نہ ہم پر ڈالو'، 'اپنی آزادی کو ہم ہرگز بھلا سکتے نہیں'، 'سندیسے آتے ہیں، ہمیں تڑپاتے ہیں'،

'میرے دیش کی دھرتی سونا اگلے، اگلے ہیرے موتی، میرے دیش کی دھرتی'،

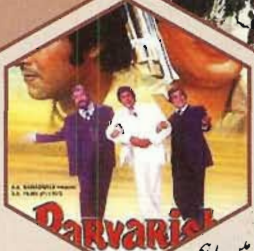

'چٹھی آئی ہے، آئی ہے، وطن سے چٹھی آئی ہے' ... وغیرہ جیسے اور بھی نغمے ہیں جو حب الوطنی پر مبنی ہندوستانی فلموں کی تاریخ میں اہم کردار اور اہم مقام کے حامل ہیں۔ ہندوستانی فلموں نے وقت وقت پر ہمارے سوئے جذبات کو نہ صرف بیدار کیا ہے بلکہ اپنے ملک اور اس کی سلامتی کے لیے قربان ہوجانے پر آمادہ بھی کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہندوستانی سنیما نے تحریک آزادی میں بھی روح پھونکی اور بعد کے دنوں میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کا درس دیا۔ حالانکہ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ زمانے کا مذاق ومزاج بدل گیا ہے لیکن آج بھی کچھ لوگ ہندی سنیما میں باقی ہیں اور گاہے بہ گاہے امید کی کرن آج بھی روشن نظر آتی ہے۔ یعنی ہندوستانی سنیما نے کل بھی اہم کارنامہ انجام دیا تھا اور آج بھی وقفہ وقفہ سے ہی سہی یہ سلسلہ جاری ہے۔

■

Dr M Rahmatullah, A1/115 , New Kondli,
Mayur Vihar, Phase-3, Delhi - 110096

ٹائٹن...

دنیا کا سب سے تیز سوپر کمپیوٹر

ایس ایس علی

کارکردگی کے لحاظ سے کمپیوٹر چار قسم کے ہوتے ہیں۔ مائکروکمپیوٹر، منی کمپیوٹر، مین فریم کمپیوٹر اور سوپر کمپیوٹر۔ سب سے چھوٹا کمپیوٹر مائکروکمپیوٹر (Micro Computer) کہلاتا ہے۔ اسے ایک وقت میں ایک ہی شخص استعمال کرسکتا ہے، اس لیے اسے پرسنل کمپیوٹر (PC) بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ استعمال ہونے والا کمپیوٹر ہے۔ فی زمانہ تقریباً ہر گھر اور ہر آفس کی زینت بنا ہوا ہے۔ اس کی قیمت کافی کم ہوتی ہے۔

منی کمپیوٹر (Mini Computer) درمیانی سائز کا ہوتا ہے۔ اسے بہ یک وقت کئی لوگ استعمال کرسکتے ہیں (100 سے زیادہ)۔ یہ بڑی بڑی فرموں یا سرکاری اداروں وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ مین فریم کمپیوٹر (Main Frame Computer) سائز اور کارکردگی کے لحاظ سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ بہت تیز رفتار ہوتا ہے۔ اس میں بڑی مقدار میں ڈاٹا اسٹور کیا جاسکتا ہے۔ یہ پیچیدہ تحسیب (Computing/ Calculations) کے کام آسانی سے کرسکتا ہے۔ اس کی قیمت کافی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بہت بڑی فرموں، ملٹی نیشنل کمپنیوں، یونیورسٹیوں، فوجی اڈوں اور دیگر سرکاری اداروں میں لگایا جاتا ہے۔ اسے بہ یک وقت ہزاروں افراد استعمال کرسکتے ہیں۔ اس کی لاگت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ سب سے بڑے اور سب سے زیادہ تیز اور طاقت کمپیوٹر کو سوپر کمپیوٹر (Super Computer) کہتے ہیں۔ یہ موسم کی پیش گوئی، ویڈیو کانفرنسنگ، پیچیدہ سائنسی تجربات۔ ایٹمی دھماکے کا تجزیہ وغیرہ جیسے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ سرکاری سطح کا کمپیوٹر ہے اور اس کی لاگت کروڑوں میں ہوتی ہے۔

سب سے پہلے Cray-1 کمپیوٹر کو سوپر کمپیوٹر کا نام دیا گیا۔ اسے امریکی ادارے Cray Research Inc نے تیار کیا تھا۔ یہ ادارہ 1972 میں Seymor Cray نے قائم کیا تھا۔ اس وقت Cray-1 دنیا کا سب سے تیز رفتار کمپیوٹر تھا۔

Cray-1 کو 1975 میں لانچ کیا گیا تھا۔ اس کی تحسیب کی استطاعت 80 MF (اسی میگافلاپ) تھی۔ اس کے بعد 1982 میں Cray X-MP لانچ کیا گیا جس کی رفتار 800MF تھی۔

تیز سے تیز تر کی تلاش جاری رہی جس کے نتیجے میں 1985 میں Cray-2 منظر عام پر آیا، جس کی صلاحیت 1.9GF (1.9 گیگا فلاپ) تھی۔ ایک گیگا فلاپ یعنی ایک بلین آپریشن فی سیکنڈ کی استطاعت۔ اس کے بعد Cray کے کئی ورژنس اتارے گئے۔ ہر مرتبہ اس کی استعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی کے ساتھ دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک بھی سوپر کمپیوٹر بنانے کی دوڑ میں شامل ہوگئے اور پھر سوپر کمپیوٹر کی رفتار کے محاذ پر مقابلہ آرائی شروع ہوگئی۔ کبھی جاپان تو کبھی چین اور اکثر امریکہ نے نمبرون کی پوزیشن پر قبضہ کیا۔ دریں حالیکہ سوپر کمپیوٹرس کی استطاعت کو آنکنے کے لیے 1993 میں 'سوپر کمپیوٹنگ کانفرنس' وجود میں آگئی۔ اب سال میں دو مرتبہ، جون اور نومبر میں یہ کانفرنس منعقد ہوتی ہے اور دنیا کے طاقتور ترین 500 سوپر کمپیوٹرس کی کارکردگی کا جائزہ لے کر میرٹ لسٹ تیار کرتی ہے۔

نومبر 2012 کے سروے کے مطابق امریکہ نے تیز ترین سوپر کمپیوٹرس کی لسٹ میں پہلا اور دوسرا نمبر اپنے نام کرلیا ہے۔ اس وقت دنیا کا سب سے تیز سوپر کمپیوٹر ٹائٹن (Titan) ہے۔ دوسرے نمبر پر سیکیویا (Sequaia) سوپر کمپیوٹر ہے۔

ٹائٹن: ٹائٹن ایک نئی قسم کا سوپر کمپیوٹر ہے جو ویڈیو گیمنگ میں استعمال ہونے والی مائکروچپس کو استعمال کرتا ہے۔ اسے Seymor Cray نے ہی حکومت امریکہ کی Oak Ridge National Laboratory میں تیار کیا ہے۔ ٹائٹن کی صلاحیت 17.59PF (17.59 پیٹا فلاپ) ہے۔ یعنی 17.59 ہزار ٹریلین آپریشنز فی سیکنڈ!! ٹائٹن نے سیکیویا کا 16.32PF کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ سیکیویا کیلی فورنیا کی Lawrence Livermore Loboratory میں قائم کیا گیا ہے جو نیوکلیائی حملہ کی نقل (Simulate) کرنے کے قابل ہے۔ سال 2012 کے ابتدائی حصہ میں سیکیویا نے جاپان کے K سوپر کمپیوٹر کو ہرا کر بازی ماری تھی۔

ٹائٹن امریکہ کے محکمہ توانائی کی ملکیت ہے۔ اسے جب جون 2012 میں بنایا گیا تھا تو وہ سوپر کمپیوٹنگ کی دوڑ میں چھٹے نمبر پر تھا۔ بعد میں اس کی صلاحیت میں بے پناہ اضافہ کیا گیا۔ اور اب نومبر 2012 میں وہ دنیا کا نمبرون سوپر کمپیوٹر بن گیا ہے۔

ٹائٹن میں 19,000 پروسیسنگ نوڈز ہیں اور اس کی یادداشت (Memory) 710TB (710 ٹیرابائٹس) ہے۔ اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں CPUs (سنٹرل پروسیسنگ یونٹس) کے ساتھ ساتھ GPUs (گرافکس پروسیسنگ یونٹس) بھی استعمال کی گئی ہے۔ GPUs خاص طور پر ویڈیو گیمنگ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس طرح ٹائٹن کو ہائی برِیڈ (Hybrid) مشین بھی کہا جاسکتا ہے۔ GPUs کے استعمال سے بجلی کی کافی بچت ہوتی ہے۔ ان GPUs کو تیار کرنے والی کمپنی کا نام Nvidia ہے۔

صرف CPUs کی بجائے CPUs اور GPUs کے مشترکہ استعمال سے نہ صرف توانائی کی بچت ہوتی ہے بلکہ کاربن فُٹ پرنٹ میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ ٹائٹن ایک ہزار ملین ڈالر کی لاگت سے تیار ہوا ہے۔ یہ تقریباً باسکٹ بال کے میدان کے مساوی رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی اونچائی لگ بھگ ڈھائی میٹر ہے۔ مستقبل میں ٹائٹن کی زبردست کمپیوٹنگ پاور کی بہ دولت امریکہ کو سائنسی قیادت حاصل رہے گی۔

ٹائٹن کے پورے سسٹم کو CPUs کنٹرول کرتے ہیں۔ CPUs ہی کی ہدایت اور رہنمائی میں GPUs اپنے کام انجام دیتے ہیں۔

چین نے بھی اس میدان میں اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے Tianhe-1A نامی سوپر کمپیوٹر تیار کیا ہے جس میں Nvidia کے تیار کردہ GPUs استعمال کیے گئے ہیں۔

مسابقت: سارے ممالک میں سوپر کمپیوٹرس کے تعلق

سے مقابلہ آرائی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ کس ملک کے پاس کتنے سوپر کمپیوٹرس ہیں؟ شہنشاہ وہی کہلائے گا جس کے پاس سب سے زیادہ سوپر کمپیوٹرس ہوں گے، اس پہلو سے بھی امریکہ نمبرون کی پوزیشن پر ہے۔ اس کے پاس 25 سوپر کمپیوٹرس ہیں۔ چین 72 سوپر کمپیوٹرس کے ساتھ دوسرے نمبر پر ہے جب کہ جاپان 35 سوپر کمپیوٹرس کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہے۔ برطانیہ کے پاس 25 سوپر کمپیوٹرس ہیں اور وہ چوتھے نمبر پر ہے۔ فرانس 22 سوپر کمپیوٹرس کے ساتھ پانچویں نمبر پر ہے۔

سوپر کمپیوٹنگ کی مقابلہ آرائی میں اب کمپیوٹر انجینئرس اور کمپیوٹرس سائنس داں Exa-Scale مشین بنانے کی قواعد میں جٹ گئے ہیں۔ بقائے اصلح (Survival of the fittest) کے قانون پر پورا اترنے کی خاطر ایک دوڑ بلکہ ایک ہوڑ سی لگی ہوئی ہے۔ دنیا کی تمام تر کمپیوٹنگ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے Peta Flop کی استعداد کافی بلکہ ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ سوپر کمپیوٹنگ کے میدان میں سبقت لے جانے اور لیڈرشپ قائم کرنے یا قائم رکھنے کی خاطر اب Exa-flop صلاحیت کے سوپر کمپیوٹنگ کے بلو پرنٹ تیار کیے جا رہے ہیں۔ ایک Exa flop، ایک ہزار Peta flop کے برابر ہوتا ہے۔

ہم بھی ہیں جوش میں: 1980 میں بھارت کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس (IISc) نے سوپر کمپیوٹر بنانے کے لیے امریکہ سے مدد مانگی تھی، لیکن امریکہ نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ بھارت کی نیوکلیائی طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ اپنی تکنیک دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس کام کو سنٹر فار ڈیولپمنٹ آف ایڈوانسڈ کمپیوٹنگ (C-DAC) نامی ادارے نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بغیر کسی غیر ملکی مدد کے اپنے بل بوتے پر 1991 میں سوپر کمپیوٹر بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سوپر کمپیوٹر کا نام پرم (Param) رکھا گیا۔ اس کی تیاری کا سہرا ڈاکٹر وجے بھٹکر اور ان کی ٹیم کے سر ہے۔ پرم کی استطاعت ایک گیگا فلاپ فی سیکنڈ (IGF/s) تھی۔ اس کے بعد پرم سیریز کے سوپر کمپیوٹروں کا سلسلہ چل پڑا۔ ہر نیا سوپر کمپیوٹر زیادہ سے زیادہ طاقتور بننے لگا۔ لہٰذا 1993 میں Param-8600 تیار کیا گیا جس کی استطاعت S6G/s تھی۔ 1995 میں Param-9000 تیار ہوا۔ 10GF کے ساتھ 1998 میں Param-10,000 وجود میں آیا جو 100GF کی رفتار سے کمپیوٹنگ کرتا تھا۔ پھر بنگلور میں Param Padma لانچ کیا گیا۔ اس کی استطاعت 1TF تھی۔ (1TF = 1,000 GF)۔ یہ سوپر کمپیوٹر ایک ٹریلین آپریشنز فی سیکنڈ تحسیب کرتا تھا۔ اس کی تیاری میں 200 سائنسدانوں نے 4 سال تک کام کیا۔ یہ 500 ملین روپے کی لاگت سے تیار ہوا۔ یہ سوپر کمپیوٹر موسم کے مزاج کی پیش گوئی اور ملک کے دفاعی نظام کے کنٹرول جیسے کاموں کے علاوہ سائنس و ٹکنالوجی کی جدید شاخوں مثلاً Bio-informatics، Fluid Mechanics in Space Technology اور Computational Chemistry Seismic Data Processing in Oil and Natural Gas Exploration میں مددگار ثابت ہوا۔

ملک کے لیے فخر کی بات ہے کہ C-DAC نے 2003 میں سات Param 10,000 سوپر کمپیوٹر دوسرے ملکوں کو فروخت کیے ہیں، جن میں سے چار روس نے اور ایک ایک کنیڈا، جرمنی اور سنگاپور نے خریدے تھے۔

ڈاکٹر وجے بھٹکر

بھارت کے چند جدید سوپر کمپیوٹر ذیل کے مطابق ہیں:

SAGA: اسے انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن (ISRO) نے تیار کیا ہے۔ اس کی استطاعت 220TF کی ہے۔ یہ چار سو Nvdia Tecla 2070 GPUs اور چار سو Intel Quad- Core Xeon CPUs کا استعمال کرتا ہے۔ آج کی تاریخ میں SAGA بھارت کا تیز ترین سوپر کمپیوٹر ہے۔

EKA: اسے کمپیوٹیشنل ریسرچ لیباریٹریز (CRL) نے تیار کیا ہے۔ یہ 132TF کی رفتار سے کام کرتا ہے۔

Prithivi: اسے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف میٹیر یولوجی، پونہ نے تیار کیا ہے۔ اس کی رفتار 70.2TF/s ہے۔ یہ موسم کی تحقیق اور پیش گوئی کا کام کرتا ہے۔

Param Yuva: یہ C-DAC کا تیار کردہ سوپر کمپیوٹر ہے جو 54TF کی رفتار سے کام کرتا ہے۔

ہم کہاں کھڑے ہیں؟ 100 کروڑ سے زیادہ کی آبادی والا ملک اور 32 سال کا عرصہ! لیکن افسوس کہ ٹاپ 500 کی رینکنگ میں ہم 82 ویں نمبر پر ہیں۔ لیکن اطمینان کا پہلو یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس 8 سوپر کمپیوٹرس ہیں اور یہ آٹھ ٹاپ 500 میں شامل ہیں۔ ہمارے ان آٹھ سوپر کمپیوٹرس کی رینکنگ اس طرح ہے:

82, 127, 186, 199, 200, 288, 364, 386

ہم ہوں گے سب سے تیز!! ملک کے ٹیلی کام اور آئی ٹی منسٹر کپل سبل نے وزیر اعظم من موہن سنگھ کو Peta flop اور Exa flop کمپیوٹرس کی جانکاری دی ہے۔ اگر منظوری مل گئی تو ان سوپر کمپیوٹرس کی تیاری پر آئندہ پانچ سالوں میں 4,700 کروڑ روپیہ خرچ کیا جائے گا۔ یہ سنہرا خواب بارہویں پنج سالہ منصوبے (2013-2017) میں شامل کیا جائے گا۔ ان سوپر کمپیوٹرس کو IISc اور C-DAC سے تیار کریں گے۔

یہ سوپر کمپیوٹرس موجودہ مشینوں سے 61 گنا تیز ہوں گے!!

ٹاپ 5 سوپر کمپیوٹرس – نومبر 2012 کی رینکنگ کے مطابق:

(1) Titan Cray Xk47 - Qak Ridge, National Latoratory, USA - 17.59 PF/s

(2) Sequoia Bluegene/Q - Lawrence Livermore National Laboratory, USA- 16.33 PF/s

(3) Fujitsu's K Computer - RiKEN Advanced Institute for Computational Sciences - Kobe - Japan - 10.51 PF/s

(4) Mira Blue Gene/Q Computer- Argonne National Laboratory, Lemont, USA- 8.16 PF/s

(5) JUQUEEN Blue Gene/Q Computer- Forschunazentrum Juelich, Germany- 4.14 PF/s

گذشتہ پانچ سال کے ٹاپرس

(1) 2008 - IBM Roadrunner - USA - 1.105PF/s

(2) 2009 - Cray Jaquar - USA - 1.759 PF/s

(3) 2010 -Tiache - I A - China - 2.566 PF/s

(4) 2011 - Fujitsu's K - Japan - 10.5 PF/s

(5) 2012-IBM Sequoia - USA - 16.32 PF/s

" Cray Titan - USA - 17.59 PF/s

سوپر کمپیوٹر کی فی سیکنڈ آپریشنس کی رفتار کو Flop میں ناپا جاتا ہے۔ کوئی مشین اگر ایک سیکنڈ میں 100 آپریشن کر سکتی ہو تو اس کی رفتار ایک کلو فلاپ ہوگی۔

1, 000 Operations /Sec = Kilo Flop (1KF)
1, 000 KF = 1 Mega Flop (1MF)
1, 000 MF = 1 Giga Flop (1 GF)
1, 000 GF = 1 Tera Flop (1TF)
1, 000 TF = 1 Peta Flop (1PF)
1, 000 PF = 1 Exa Flop (1EF)

■

S S Ali, Plot No 21, Line No5, Nehru Nagar, Akot File (1600 Plots), AKOLA (Maharashtra)

تاریخ تحریکِ آزادیٔ ہند (جلد اوّل)

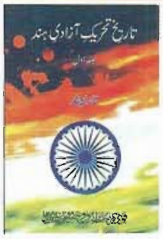

مصنف: تارا چند

صفحات: 496، قیمت: 121 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: راشدہ رحمٰن، ریسرچ اسکالر

شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

زیرِ تبصرہ کتاب 'تاریخ تحریکِ آزادیٔ ہند' کے مصنف ڈاکٹر تارا چند ہیں۔ تارا چند کا شمار ملک کے نامور اور مستند مورخین میں ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد مولانا ابوالکلام کی ایما پر جو اس وقت وزیرِ تعلیم تھے، تحریکِ آزادی کی جامع تاریخ مرتب کرنے کی خدمت ڈاکٹر تارا چند کے سپرد کی گئی۔ زیرِ تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل سے پہلے 'خیالِ ماضی' کے عنوان سے انگریزوں کی آمد سے پیشتر ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال کا مختصر ذکر نیز ہندوستانی معاملات میں ان کی مداخلت اور یورپ کے معاشرتی انقلاب اور ارتقا کا حال بیان کیا گیا ہے۔

پہلے باب کا عنوان 'سلطنتِ مغلیہ کا زوال اور خاتمہ' ہے۔ اورنگ زیب کی حکومت اور اس کے جانشینوں کی نااہلی اور بدانتظامی سے اقتدار پر ان کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف حکمرانوں نے مرکزِ اقتدار پر پے در پے حملے کیے۔ نتیجتاً مغلیہ سلطنت مائل بہ زوال ہوتی گئی اور پھر کلی طور پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

دوسرا باب 'اٹھارویں صدی میں سماجی نظام' ہے۔ ہندوستان قدرتی طور پر چار خطوں میں تقسیم ہے۔ جغرافیائی خطوط کے اعتبار سے اسے 'خلاصۂ عالم' کہا جاسکتا ہے۔ یہاں کے باشندے جو مختلف نسلوں کا مرکب ہیں، ذات پات کا نظام، یہاں کے قبائل، یہاں کے گاؤں جنھیں سماجی زندگی کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کا کلچر اس کی اقتصادی صورتِ حال، اس کے نظم و نسق وغیرہ سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب 'ہندوستان کا سیاسی نظام' ہے۔ اس میں یہاں کی مملکت، عدلیہ، حکومت اور اس کا نظم و نسق، یہاں کے باشندے جن میں ہندو مسلم دونوں ہی شامل تھے۔

چوتھے باب کا عنوان 'اٹھارہویں صدی میں (اقتصادی حالات)' ہے۔ اس باب کے تحت سب سے پہلے قصبات کی تجارتی صورتِ حال کا ذکر ہے۔ ہندوستان کے قصبات کا وجود محض صنعت و تجارت کے مقصد سے نہیں ہوا تھا بلکہ قصبات کی آبادی بڑھتی گئی اور ان میں تجارت و صنعت کو ترقی ہوتی گئی۔

پانچواں باب 'کلچرل زندگی — تعلیم فن اور ادب' سے متعلق ہے۔ اس میں ہندوستانی فکر اور کلچر کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں 'ہندوستان پر برطانیہ کا تسلط' کو موضوع بنایا گیا ہے۔ واسکوڈی گاما کی ہندوستان تک سمندری راستے کی دریافت سے ایشیا اور یورپ کے تعلقات میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ ابتدا میں ہندوستان میں تجارت کی غرض سے انگریزوں کی آمد و رفت شروع ہوئی پھر وہ اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے رہے یہاں تک کہ موقع پا کر انگلستان نے ہندوستان کو غلام بنالیا۔

ساتویں باب میں '1793 تک برطانوی نظم و نسق کے نشو و نما' پر بات کی گئی ہے۔ پلاسی کے وقت ہندوستان کی سماجی اور سیاسی صورتِ حال کیا تھی؟ پلاسی کی شکست سے ہندوستان کی تمام کمزوریاں سامنے آگئیں اور پورے طور پر ہندوستان انگریزوں کے زیرِ نگیں آگیا۔

آٹھویں باب میں بھی '1793 سے 1857 تک برطانوی نظم و نسق' سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں یورپ کے اقتصادی اور سیاسی انقلابات کے خود یورپ، انگلستان اور ہندوستان پر جو اثرات مرتب ہوئے ان کا مفصل ذکر ہے۔

نواں باب 'برطانوی حکومت کے سماجی اور اقتصادی نتائج — دیہی معاشیات کا انتشار' ہے۔ ہندوستان پر برطانوی، غلبے کی نوعیت گزشتہ تمام غلبوں سے مختلف تھی۔ اس سے قبل حکمرانوں کی تبدیلی کا مطلب صرف اس خاندان کا رد و بدل تھا جو سیاسی طاقت استعمال کرتا تھا۔ لیکن برطانوی حکومت میں سبھی کچھ بدل گیا اور ایک ایسا سماجی اور اقتصادی انقلاب شروع ہوا جس سے نہ صرف قدیم ادارے برباد ہوئے بلکہ نئے سماجی طبقے وجود میں آئے۔

دسویں باب کا موضوع 'برطانوی حکومت کے سماجی اور اقتصادی نتائج — تجارت اور صنعت کا زوال' ہے۔ سترہویں صدی میں ہندوستان کو صنعتی اور تجارتی اعتبار سے برتری حاصل تھی لیکن پھر صنعتی انقلاب کے سبب صورتِ حال میں تبدیلی آئی اور انگلستان کو بتدریج برتری حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ہندوستانی تجارت و صنعت زوال سے دوچار ہوئی۔

پہلے اور دوسرے باب کے علاوہ ہر باب کے آخر میں حواشی دیے گئے ہیں جس سے مصنف کی محققانہ دقت رسی کا اندازہ ہوتا ہے نیز کتاب کی قدر و قیمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ جس موضوع کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے اس پر نہایت بھرپور بحث کی گئی ہے۔ مواد کے اعتبار سے بھی یہ کتاب بہت اہم ہے۔

کتاب کی زبان عموماً صاف اور سادہ ہے۔ طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ سرورق جاذبِ نظر ہے۔ صفحات کے لحاظ سے قیمت بہت مناسب ہے۔

صحت الفاظ

مصنف: سید بدرالحسن

صفحات: 253، قیمت: 61 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: ڈاکٹر مطیع اللہ، N-145، ابوالفضل انکلیو

جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 110025

اردو زبان میں صحت الفاظ، عروض و قواعد، ہجے، تلفظ، املا اور اعراب کے مسائل پر باقاعدہ کوئی مستند کتاب نہیں ملتی ہے۔ اردو زبان کی ابتدا سے لے کر آج تک اس کے

حروف تہجی کے اعداد مختلف فیہ رہے ہیں اور اس کا صحیح تعین آج تک نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف طالب علموں سے بلکہ اکثر ذی علم اور صاحب قلم حضرات سے بھی بعض اوقات تلفظ واملا اور تذکیر و تانیث کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

سید بدرالحسن نے اس کتاب کی تالیف کر کے اس خلا کو کچھ حد تک پر کرنے کی کوشش کی ہے۔

عبارت جملوں سے بنتی ہے اور جملہ دو یا دو سے زیادہ لفظوں سے بنتا ہے۔ اس طرح بنیادی چیز لفظ ہے۔ اس لیے لفظوں کے املا اور تلفظ پر بہت زور دیا جاتا رہا ہے۔ اگر ہم صحیح لفظ لکھ اور بول نہیں سکتے تو جملے بھی درست نہیں لکھ سکتے ہیں۔ عبارت میں جو لکھا جائے گا اسے پڑھا بھی جائے گا۔ اس طرح عبارت سے تلفظ کا تعلق خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر لفظوں کے تلفظ درست نہ ہوں تو سننے والوں پر برا اثر پڑے گا اور یہ نہ صرف طالب علم بلکہ ہر کسی کے لیے شرمندگی کا باعث بن جائے گا۔

سید بدرالحسن کی یہ کتاب اردو زبان وادب سے محبت کرنے والوں کے لیے رہ نما کا کام کرے گی۔ آج ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات اور عام بول چال میں جس طرح کے غلط الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں اس سے آپ بخوبی واقف ہوں گے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی درست لفظوں پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔ مصنف کو بھی انھیں غلطیوں نے کتابی شکل میں پیش کرنے کی ترغیب دی۔ سید بدرالحسن کے الفاظ میں ''برسوں ریڈیو پر یا جلسوں میں تقریر سنتے وقت یا ذی علم حضرات سے بات چیت کے دوران اغلاط کا خیال رکھا۔ اخبار، رسالے یا کتابیں پڑھتے وقت اغلاط پر نگاہ رکھی اور بروقت ان کو درج کیا تب کئی سال میں یہ اغلاط جمع ہوئیں۔ واضح ہو کہ غیر تعلیم یافتہ یا غیر اہل زبان زد اغلاط کو یا ان اغلاط کو جو غلط العام فصیح کے زمرے میں شامل ہو گئی ہیں نظر انداز کر دیا ہے۔''

مصنف نے اپنی اس کتاب میں صرف اغلاط کے متبادل صحیح الفاظ کو ہی اعراب، ہجے اور معنی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ غلط بولے جانے والے لفظوں کو شامل نہیں کیا ہے۔ اس سے کتاب کی ضخامت میں غیر ضروری اضافہ ہوتا۔

اردو میں مستعمل عربی یا فارسی کے بعض الفاظ کے املا و تلفظ میں بعض حالات میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ یہ کب اور کیوں ہوتے ہیں اس کی وجہ اور قاعدے بھی مصنف نے مع مثالوں کے درج کر دیا ہے۔

صحت الفاظ جو تقریباً 253 صفحات پر مشتمل ہے، میں مصنف نے تلفظ، املا اور ہجے تینوں مسائل کو 38 ابواب میں نہایت محنت، جستجو اور تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے جس کی سابقہ اشاعتوں پر اخباروں اور رسالوں میں تبصرے بھی شائع ہوئے ہیں۔ نیز اہل علم حضرات نے سید بدرالحسن کی اس کوشش کو سراہا بھی ہے۔ مصنف نے ان تبصروں کو کتاب میں پیش لفظ سے قبل شامل بھی کیا ہے۔ صحت الفاظ کی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے پانچویں طباعت ہے۔ اس کی دوسری اشاعت پاکستان میں 1978 میں ہوئی تھی، جو وہاں بھی کافی مقبول ہوئی تھی۔ مصنف نے اس میں سابقہ اشاعتوں میں راہ پا جانے والی غلطیوں کو نہ صرف دور کیا ہے بلکہ اس کے مضامین میں بھی اضافہ کیا ہے۔

مصنف نے جن 38 ابواب میں لفظوں کو جمع کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہیں غلط بولے جانے والے الفاظ' الفاظ کے پہلے حروف متحرک ہیں۔ الفاظ کے پہلے دو حروف متحرک ہیں الفاظ میں تشدید نہیں ہے۔ الفاظ میں تشدید ہے۔ غلط لکھے جانے والے الفاظ۔ الفاظ میں (ز) ہے (ذ) نہیں ہے۔ الفاظ میں (ژ) ہے (ز) نہیں ہے۔ ہائے ہوز کی قسمیں اور ان کا استعمال۔ الفاظ کے آخر میں دو (ہ) نہیں ہیں الفاظ کے آخر میں دو (ہ) ہیں۔ الفاظ میں (ے) ہے ہمزہ (ء) نہیں ہے۔ ہمزہ (ء) کا استعمال۔ الفاظ کی غلط تانیث۔ متعدد اعراب یا املا سے صحیح الفاظ، ذو معانی الفاظ، بے موقعہ یا غلط استعمال ہونے والے الفاظ، باہم مماثل الفاظ، اردو میں رائج عربی کلمات، غلط نام، تکیہ کلام، الفاظ کے املا و تلفظ میں فرق کی وجوہ، شمسی وقمری حروف، کب الف کی آواز نہیں نکلتی۔ کب الف۔ل) کی آواز نہیں نکلتی۔ کب نون (ں) غنہ ہو جاتا ہے۔ کب نون کی آواز (م) سے بدل جاتی ہے کب واو کی آواز نہیں نکلتی۔ کب (و) کی آواز نہیں نکلتی۔ چند قابل لحاظ اصول، تذکیر و تانیث کے چند خاص قاعدے، الفاظ مختلف فیہ، مذکر و مونث الفاظ، ہندسوں کے نام۔

ان ابواب میں مصنف کی محنت، عرق ریزی اور کاوش دیکھنے کو ملتی ہے جو قابل مبارکباد ہے:

'چند قابل لحاظ اصول' کے عنوانات کے تحت کچھ ایسے اصول کو بیان کیا ہے جن کا خیال رکھا جائے تو بقول مصنف کے بہت حد تک غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ اس عنوان کے تحت چودہ (14) اصول بیان کیے گئے ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب ہماری ان غلطیوں کی اصلاح کرے گی جو روزمرہ بول چال کی عادت بن چکی۔ خصوصاً اساتذہ اور طلبا کے لیے رہنما ہوگی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اس گراں قدر کتاب کی اشاعت کے لیے قابل مبارک باد ہے۔

فکر و تحقیق (سہ ماہی)

مدیر: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
صفحات: 349، قیمت: 25
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
مبصر: منور حسن کمال، بیت الرضیہ
G-5/A ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے مجلّہ سہ ماہی فکر و تحقیق کا 'نئی غزل نمبر' اپنی تمام تر رعنائیوں اور دل فریبیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہو چکا ہے۔ مدیران محترم نے اپنی تمام ترفنی چابک دستی سے اس خصوصی شمارے کو سجایا ہے۔ اس کے مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں زبان واسلوب اور دوسرے حصے میں 'فکر وفن' پر پر مغز گفتگو کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں غزل اور نئے تقاضے: صدیق الرحمٰن قدوائی، نئی غزل کی علامتیں: اعجاز ارشد، نئی غزل میں تلمیح کی معنوی وسعت: منظر اعجاز، اردو غزل میں پیکر تراشی: شہپر رسول، نئی غزل کی لفظیات: احمد محفوظ، نئی غزل کے زبان واسلوب، تنوع اور اس کی گہرائی وگیرائی کا احاطہ کرتے ہیں۔

'غزل اور نئے تقاضے' میں صدیق الرحمٰن قدوائی نے بالکل درست کہا ہے کہ شاعری کے وسیع تر امکانات کی تلاش کی بدولت نئے سے نئے طرز ڈھالنے کی کوششیں اپنے دائرے کے اندر تو یقیناً کامیاب ہوتی ہیں اور ہمیشہ ہوتی رہیں گی، مگر اس سے غزل کا متبادل وجود میں نہیں آسکتا۔

'نئی غزل کی علامتیں' میں اعجاز علی ارشد نے اس بات کی جانب مثبت اشارے کیے ہیں کہ علامتیں شعر میں نئے نئے نکات پیدا کرتی ہیں۔ انھوں نے اس بات کے ثبوت میں 'ہوا' کے استعارے کے استعمال کی مثال میں خالد عبادی کے نئے لہجے اور نئی تعبیر کا جو شعر پیش کیا ہے، وہ کمیاب بھی ہے اور نایاب بھی:

ہوا میں آ گئی ہلچل کہاں سے ۔۔۔ یہ خود کو کون لہرانے لگا ہے

منظر اعجاز نے 'نئی غزل میں تلمیحات کی معنوی وسعت' میں تلمیحات پر گفتگو کرتے

ہوئے یہ بتایا ہے کہ تلمیحات کا جتنا گہرا رشتہ کلاسیکی روایات سے تھا وہ نئی غزل میں بہت کمزور دکھائی دیتا ہے۔ یہ بات اس طرح بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ تلمیحات کو استعارے کی ایک شکل سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لیے کہ تحت الشعور میں جو خیالات پرورش پا رہے ہوتے ہیں وہ تلمیحات کے ذریعے ہی ترسیل کو انجام دیتے ہیں۔

شہپر رسول نے اپنے مضمون 'اردو غزل میں پیکر تراشی' میں قدیم و جدید شعرا کے فکر و فن پر گفتگو کرتے ہوئے اس جانب قاری کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ کلاسیکی اور نو کلاسیکی شعرا ترسیل، سادگی اور اصول و قواعد کے فنی داؤ پیچ کو شعری کائنات تصور کرتے ہیں اور جدید شاعروں نے انفرادی طور پر اپنے فکر و فن، تخلیقی اور جمالیاتی تجربوں اور افکار و اقدار کی شعری تجسیم کے لیے مخصوص، منفرد، معنیٰ خیز اور ہمہ جہت انداز کی پیکر تراشی کی ہے۔

احمد محفوظ نے 'نئی غزل کی لفظیات' میں غزل گوئی کے میدان میں تجربہ پسندی کے سبب پڑنے والے اثرات کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے اور اس بات کو محسوس کیا ہے کہ نئے غزل گویوں نے شعوری طور پر اپنے سے پہلے جو صورت رائج کی ہے، اس میں نئے زمانے کے مزاج کو دیکھتے ہوئے تازگی پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

'فکر و فن' کے تحت عبدالاحد ساز، خالد علوی، کوثر مظہری، سید اختیار جعفری، نصرت جہاں، راشد انور راشد، شاذیہ عمیر اور راحت بدر کے مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ علی الخصوص نئی غزل کے بنیادی مباحث، ایک اہم مضمون ہے۔ اس مضمون میں عبدالحق کمال نے اردو غزل کی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے ہوئے غزل کی روپوشی کا خدشہ ظاہر کیا ہے اور اس تناظر میں نئی غزل کا مطالعہ کیا ہے۔ نئی غزل نے اپنی روایتی غزلوں کے طے شدہ مضامین کے روایتی رموز و علائم اور لفظیات پر اکتفا نہ کر کے اس کے اندر اپنی تخلیقی ہنرمندی سے وسعت پیدا کی۔

ظفر عدیم نے 'نئی غزل کے تجربے' میں فوق الشعور اور تحت الشعور پر گفتگو کرتے ہوئے اس بات کو اہمیت دی ہے کہ جب تجربے سے کوئی نئی چیز سامنے آتی ہے تو وہ اس لیے قبول کر لی جاتی ہے کہ وہ فوق الشعور سے اتر کر تحت الشعور میں پہلے سے موجود رہتی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے نئی غزل کی تحقیق کے لیے ایک پیمانہ اور ماڈل کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

حقانی القاسمی نے 'غزل میں کفر و الحاد کا تصور' میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ شاعروں کی محدود اقلیت نے معاشرے کی روش عام سے اجتناب کیا اور فکر و نظر کی نئی بستیاں آباد کیں۔ اردو کے جو شاعر مستقبل کی صورت گری کی قوت سے رمز آگاہ ہوئے۔ انھوں نے ایک انحرافی راہ اور اختراعی روش اختیار کی اور غزل کو محبوس معاشرے کا محدود اظہاریہ بننے سے بچالیا...

بحیثیت مجموعی فکر و تحقیق کا یہ شمارہ نئی غزل کے ابتدائی نقوش سے لے کر اس کی ہر آن بدلتی کیفیت پر اپنے منفرد اسلوب کو محیط نظر آتا ہے۔ نئی غزل، نئے اسالیب اور اس کے داخلی و خارجی محرکات اس بات کا انکشاف کرتے ہیں کہ نئی غزل کا نقطۂ آغاز جو بھی رہا ہو اس کا نئی منزلوں کی جانب سفر جاری ہے اور اس سفر میں جو تحرک ہے، وہی اس کی کامیابی و کامرانی کی دلیل ہے۔

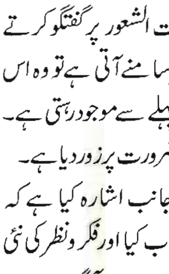

دیوانِ زادہ

مصنف/مرتب: شیخ ظہور الدین حاتم / مرتبہ پروفیسر عبدالحق

صفحات: 454، قیمت: 250 روپے

ناشر: نیشنل مشن فار مینُسکرپٹ، 110 مان سنگھ روڈ نئی دہلی 1

مبصر: عزیزہ بانو 719/416 سلطان پور بھوا الہ آباد 211003

ڈاکٹر عبدالحق کا نام اردو دنیا کے لیے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ تیس سے زیادہ کتابوں اور سو سے زیادہ ریسرچ پیپر کے خالق عبدالحق کا شمار ماہرین اقبال میں ہوتا ہے۔ اقبال ان کے رگ و پے میں سمائے ہوئے ہیں۔ اقبال ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ اقبال کے ابتدائی افکار، اقبال اور اقبالیات اور شاعرِ رنگیں نوا وغیرہ کتابیں اقبال سے ان کی وابستگی کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

ایک ناقد اور محقق کی حیثیت سے ادب میں اپنی پہچان بنانے والے عبدالحق صاحب نے بڑی عرق ریزی سے دیوان زادہ کلیات شاہ حاتم مرتب کی ہے۔ دیوان زادہ میں شامل مقدمہ جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے ان کی دیدہ وری، ان کی محنت اور لگن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پروفیسر عبدالحق کا مرتب کردہ شاہ حاتم کا دیوان 'دیوان زادہ' کو نیشنل مشن فار مینُسکرپٹ نے دلی کتاب گھر کے اشتراک سے شائع کیا ہے، جسے شائقین اردو تک بہت کم قیمت میں پہنچایا گیا ہے۔ یہ دیوان 454 صفحات کو محیط ہے۔ جس میں تقریباً 435 طرحی غزلوں کے علاوہ 88 غزلیں اردو کے قابلِ قدر شعراء ولی، میر تقی میر، میر درد، سودا، تاباں، میر سوز، فغاں وغیرہ کی زمین میں ہیں۔ ساتھ ہی دیوان میں ایک غزل فارسی کے قابلِ قدر شاعر شیخ سعدی کی زمین میں بھی ہے جو 1152ھ کی تخلیق ہے۔ کچھ کلام حسبِ فرمائش تخلیق ہوا ہے جس کا ذکر سرِ عنوان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مستزاد، وصف سراپا (سی وجاہ)، رباعیات (39)، فردیات (60 اشعار) مخمسات (11 مخمس پر مشتمل) مخمس در وصف مرشداں، مخمس در شہر آشوب، مخمس دیوان جدید (تعداد دو) مسدس در توکل وقناعت، سوز و گداز از دیوان قدیم، ترجیع بند در جواب ولی، ساقی نامہ وصفِ قہوہ، وصف تمباکو و حقہ شامل ہیں۔

حرف آغاز کے بعد تقریباً سو صفحات پر محیط مقدمہ ہے جس میں شاہ حاتم کے عہد اور شاعری پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ حاتم کے خطی نسخوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جس میں نسخۂ لندن، نسخۂ کراچی، نسخۂ دہلی، نسخۂ لاہور (پنجاب یونی ورسٹی) نسخۂ رام پور (رضا لائبریری) جو 1188ھ کا مکتوبہ ہے، نسخۂ لکھنؤ جو راجہ محمود آباد کے کتب خانہ میں ہے اور جس میں اشعار کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے اور نسخۂ علی گڑھ قابلِ ذکر ہیں۔ اس مقدمے کے بعد نسخۂ دہلی کے پہلے صفحے، نسخۂ دہلی کا ترقیمہ، نسخۂ لاہور کا ترقیمہ اور نسخۂ لاہور کے ایک ورق کے عکس کو شامل دیوان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شاہ حاتم کا مقدمہ بزبان فارسی شامل ہے۔

سودا اور رنگین کے استاد شاہ حاتم کا شمار اپنے عہد کے استاد شاعروں میں ہوتا ہے۔ شاعر سماج کا ایک فرد ہوتا ہے اور سماج میں رونما ہونے والے حادثات و سانحات و انقلابات سے متاثر ہوتا ہے چنانچہ اس کی شاعری بھی ہر لحظہ رنگ بدلتے سماج سے اثر قبول کرتی ہے۔ شاہ حاتم کا عہد تبدیلیوں کا عہد تھا۔ دلّی کی بربادی کے وہ عینی شاہد تھے اس نے نہ صرف ان کی زندگی پر اپنے اثرات مرتب کیے بلکہ ان کی شاعری بھی اثر انداز ہوئی ردّ و قبول کے مراحل سے گزری اور اس میں روز و شب کے نشیب و فراز کی داستان رقم ہوئی۔ ادب کو آگہی بخشنے والے اس شاعر کے یہاں زندگی کے نشیب و فراز کے ساتھ عوام کی فکری و تہذیبی تاریخ کا شعور بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ایہام گوئی کے نمائندہ شاعر ہونے کے باوجود ایک ایسی منزل ان کے یہاں آتی ہے جب وہ ایہام گوئی کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں:

کہتا ہے صاف شستہ سخن بے تلاش　　حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

دیوان حاتم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی ہجو یا ہزل نہیں ہے۔ حاتم نے اپنے کلام کو ہجو یا ہزل سے پاک رکھا ہے صرف دیوان ہی نہیں بلکہ وہ بذات خود اس

سے دور رہے ہیں۔ شاہ حاتم نے دیوان زادہ میں شامل سبھی کلام پر تاریخ وسنہ قلمبند کیے ہیں جس سے اس عہد کی ادبی تاریخ کے اہم موڑ اور رجحانات کی نشاندہی میں کافی آسانی ہوگئی ہے۔ معاصرین کی زمینوں میں انھوں نے جو غزلیں تخلیق کی ہیں اس کا ذکر بھی دیانتداری کے ساتھ سرِ عنوان سنہ تخلیق کے ساتھ کر دیا ہے۔ ساتھ ہی بحر اور اوزان درج کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اس سے بحر اور اوزان کی معلومات بھی حاصل ہوجاتی ہے۔

'دیوان زادہ' میں عبدالحق صاحب نے بڑی محنت سے تمام اہم خطی نسخوں کی مدد سے ایک فہرست مرتب کر کے ایسے لفظوں کی نشان دہی کر دی ہے اور اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ کہاں کمی یا زیادتی ہے، کسی لفظ کو دوسرے نسخوں میں کس طرح لکھا گیا ہے۔ دیوان کے آخر میں فرہنگ کے ذریعے دیوان میں مستعمل ایسے لفظوں کو جواب متروک ہوچکے ہیں یا جن کا استعمال بہت کم ہوگیا ہے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مصادر میں ان تمام نسخوں اور کتابوں کا ذکر ہے جن سے تدوین میں مدد لی گئی ہے۔ اشاریہ میں ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے صفحہ نمبر درج کر دیا گیا ہے تاکہ قاری کو اس بات کا پتہ چل جائے کہ کون سا نام کن کن صفحات پر آیا ہے۔

محنت لگن اور جانفشانی سے مرتب کیا گیا شاہ حاتم کا یہ دیوان اردو حلقے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات

مصنف: ڈاکٹر خواجہ اکرام

صفحات: 160، قیمت: 190

ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی 25

مبصر: نصرت ظہیر، C-280، شاہین باغ

نئی دہلی 110025

انٹرنیٹ پر کسی بھی سرچ انجن میں آپ خواجہ اکرام ٹائپ کیجیے، دس ہزار سے زائد ریزلٹ آپ کے سامنے آجائیں گے اور ان میں سے بیش تر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر خواجہ صاحب کی سرگرمیوں سے متعلق ہوں گے۔ ایک اچھی خاصی تعداد ان کے بے حد فعال بلاگ 'خواجہ اکرام آن لائن' سے متعلق لنکس کی ہوگی، جس کے ذریعے وہ طویل عرصے سے اردو زبان وادب اور اردو تہذیب وثقافت سے وابستہ موضوعات پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں اور جس کی بدولت پوری دنیا ان کے لیے ہمہ وقت اردو کا گلوبل کلاس روم بنی رہتی ہے۔ ایسے جدید معلم کے قلم سے اگر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ پر اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات کے بارے میں کوئی کتاب تحریر ہو تو یہ اردو زبان کے فروغ میں دل چسپی رکھنے والوں کے لیے اپنے آپ میں ایک بڑی خبر ہے۔

ڈاکٹر خواجہ اکرام نے جو کہ جواہر لعل یونی ورسٹی نئی دہلی میں ہندوستانی زبانوں کے مرکز کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں چند ماہ پیشتر ہی شائع ہونے والی اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے کا عنوان ہے نئے تکنیکی وسائل جب کہ دوسرے حصے کو انٹرنیٹ اور نیا اسلوب کا نام دیا گیا ہے۔ بعد ازیں دونوں حصوں میں مختلف عناوین کے تحت انٹرنیٹ پر اردو کی موجودگی اور امکانات کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

حال ہی میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے متعلق موضوعات پر کئی کتابیں اردو میں آئی ہیں۔ مگر ان میں زیادہ تر تکنیکی و تربیتی نوعیت کی کتابیں ہیں۔ باقی کتابوں میں بھی میرے علم کے مطابق ایسی کوئی کتاب نہیں ہے، جو زبان وادب میں دل چسپی رکھنے والے عام قارئین یا ان قلم کاروں کے کام کی ہو جو ابھی تک ابلاغ کی اس نئی دنیا کو دور ہی سے دیکھ رہے ہیں اور اب بھی یہ نہیں سمجھ پائے ہیں، اردو ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کا مستقبل پوری طرح کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے وابستہ ہو چکا ہے۔ اپنے تحریر کردہ پیش لفظ میں یہ بات خواجہ اکرام نے پوری طرح درست کہی ہے کہ: "گلوبل ویلیج، الیکٹرانک عہد، اور سائبر ایج جیسی اصطلاحیں عہد جدید کی برق رفتار ترقی کا استعارہ ہیں۔" آگے چل کر وہ علمی، تہذیبی اور ثقافتی سطح پر ہونے والے ارتقائی عمل کو بھی گرفت میں لیتے ہوئے لکھتے ہیں: "معلومات اور علم وآگہی کے میدان میں ٹکنالوجی سے آراستہ میڈیا کی حالیہ پیش رفت ان معنوں میں زیادہ توجہ طلب ہے کہ اس نے اقدار حیات، تمدن، ثقافت اور زبان کو مقامیت اور اجنبیت کے حصار سے باہر نکال کر یہ موقع فراہم کیا ہے کہ علاقائی، قومی اور ملکی سرگرمیوں کے دائرے میں وسعت پیدا ہو اور زبان، تمدن اور علمی سرمایہ نئی پہنائیوں میں خود مختارانہ تعمیر وترقی کی اونچائیوں کو چھو سکے اور خود کو ترقی یافتہ زبان اور تمدن کے بالمقابل دیکھ سکے۔"

ایک اور خوبی اس کتاب کی یہ ہے کہ اس میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ انٹرنیٹ کیا ہے، ورلڈ وائڈ ویب (WWW) کیسے وجود میں آیا، کمپیوٹر دراصل کیا چیز ہے، اور وہ آج کے آئی پیڈ اور بلیک بیری و اینڈرائیڈ کی موبائل ٹیکنالوجی تک کن کن شکلوں میں سامنے آرہا ہے، کس تیزی سے ہماری دنیا کو بدل رہا ہے، آئی پوڈ، پی سی ٹیبلیٹ، وائی فائی کنیکٹی وٹی کے امکانات ومضمرات، فیس بک، بلاگ، ٹوئیٹر جیسی سوشل میڈیا کی نئی سہولتیں، اور ان سب کے بیچ اردو زبان وادب کے فروغ اور ترویج کے نئے مواقع اور امکانات... کیا ہے؟ جو اس کتاب مین نہیں ہے۔

ایک بہت ہی لطف کی چیز خواجہ صاحب کی کتاب میں یہ ہے کہ انھوں نے دوسرے حصے میں اردو بلاگرز کی تبصرہ آرائیوں کے نمونے جمع کر دیے ہیں جنھیں پڑھ کر عام قاری ہی نہیں بلکہ ہمارے محترم قلم کار بھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادبی، تنقیدی وتخلیقی سطحوں پر نئی کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا کس کس طرح استعمال ہوسکتا ہے اور یہ کہ لسانی وادبی مباحث کے ذریعے، بلاگس کے وسیلے سے دنیا بھر کے اردو والے کس طرح ایک دوسرے سے جڑ سکتے ہیں۔ اسی حصے میں 'ای میل اور بلاگ نگاری' کے عنوان سے ایک اہم مضمون مصنف نے لکھا ہے، جو مجھ جیسے خود ساختہ انٹرنیٹ سرفر کے لیے بھی بڑے کام کا ہے۔ اس کے ساتھ 'انٹرنیٹ کا نیا اسلوب' کے عنوان سے ایک مضمون جوڑا گیا ہے اور پھر وہ طویل باب ہے جس میں بلاگرز کی تحریروں کے نمونے دیے گئے ہیں۔ ان مضامین سے ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ آگے چل کر نئی انفارمیشن ٹیکنالوجی زبانوں کے تخلیقی اسلوب پر بھی اثر انداز ہونے والی ہے۔

کتاب کے ضمیمے میں اردو اخبارات، اردو رسائل، سائبر لائبریری، اردو کی آڈیو ویب سائٹس، اردو سکھانے والی سائٹس اور عام متفرق اردو ویب سائٹس کے یو آر ایل دیے گئے ہیں جو اردو کے عام انٹرنیٹ سرفرز کے کافی کام آئیں گے۔ کل ملا کر میرے خیال سے یہ ایک ایسی کتاب ہے جو ان لوگوں کے لیے تو کارآمد ہے ہی جو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے نا آشنا (آج کی زبان میں کمپیوٹر کے ناخواندہ) ہیں، وہ لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں جو اس میدان کے کھلاڑی ہیں۔

جہان سائنس

مصنف: محمد نسیم اختر

صفحات: 352، قیمت: 200 روپے

تقسیم کار: گلستان ایجوکیشنل بک ہاؤس، جھلمل، دہلی

مبصر: فاروق احمد، E-166، شاہین باغ، پارٹ II، نئی دہلی

اس عالم ایجادات وانکشافات میں علم کی فضیلت واہمیت سے انکار اور اس کے

حصول سے فرار کا مطلب زندگی کے ہر ایک شعبہ میں خود کو پیچھے کر لینا اور اشرف المخلوقات کے اپنے فرض منصبی سے خود کو آپ ہی معزول کر لینا ہے۔ یہی وہ علم ہے جس کی بنیاد پر فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا اور جنت سے نکالے جانے کے بعد بھی حیوان ناطق نے جنت ارضی کی مثال پیش کی۔ یہی ایک ایسا میدان ہے جس میں ہر زمانے میں انسان نے ترقی کی ہے اور اپنی ارتقا سے لے کر دور جدید کی حصولیابیوں تک نہ جانے کتنی تحقیقات، تجربات، ایجادات و انکشافات سے گزر کر خود کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ علامہ اقبال جیسے مفکر، فلسفی اور شاعر کو کہنا پڑا

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

یہی مذکورہ بالا شعر آپ کو محمد نسیم اختر کی کتاب 'جہان سائنس' کے ٹائٹل پیج پر ایک خوبصورت شکل میں دیکھنے کو مل جائے گا۔ کتاب کا ٹائٹل پیج، جس پر ہندستانی سائنسی ترقی کی علامت کے طور پر گلوب کے درمیان سے نکلتا ہوا پی ایس ایل وی سی-18 اور نامور جدید و قدیم سائنسدانوں کی تصاویر سے مزین ہے، اندرون کتاب کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔ یعنی آپ لفافہ دیکھ کر ہی خط کا مضمون بھانپ سکتے ہیں۔

محمد نسیم اختر کی 352 صفحات پر مشتمل کتاب 'جہان سائنس' دراصل سائنسی مضامین کا ایک مجموعہ ہے۔ مصنف کے الفاظ میں 'جہان سائنس کوئی مربوط کتاب نہیں ہے بلکہ ایسے مضامین کا مجموعہ ہے جو وقت بہ وقت مختلف سائنسی موضوعات کو پیش نظر رکھ کر تحریر کیے گئے ہیں'۔ کتاب کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں معروف سیاسی علمی و ادبی شخصیات کے پیغامات کے ساتھ 'عصری سائنس کے حوالے سے کئی دلچسپ مضامین شامل اشاعت کیے گئے ہیں جن میں سے بیشتر تحریر آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکی ہیں۔ باب دوم میں عہد ماضی کے چند نامور مسلم سائنسدانوں کے کارناموں اور خدمات کو اجاگر کرنے کی مختصر کوشش کی گئی ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً تحریر مضامین کو اس انداز میں شامل کتاب کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان ایک طرح سے تسلسل پیدا ہو گیا ہے۔ کتاب میں ان موضوعات کو شامل کیا گیا ہے جن کا تعلق عام زندگی سے ہے یا جن کے بارے میں عام آدمی جاننا چاہتا ہے۔ سونامی، سائنسی کلنڈر، الیکٹرانک کچرا، اڑن طشتری، تیزابی بارش، بلیک ہول، برڈ فلو، سوائن فلو، حیاتیاتی گھڑی، کلوننگ، ڈی این اے وغیرہ پر مختصر مگر اہم معلوماتی مضامین کے ساتھ مختلف سائنسی میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دینے والی شخصیات پر مضامین بھی دلچسپی کا باعث ہیں۔ مصنف نے کتاب میں ہندوستانی و مسلم سائنسدانوں کی فہرست دے کر ایک اچھا کام کیا ہے۔ انھوں نے سائنس سے متعلق کسی بھی طرح کی خدمات انجام دینے والی بعض شخصیات اور اداروں کو بھی تحریر کا موضوع بنایا ہے اور اس میدان میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کو بھی اہمیت کا حامل سمجھا ہے۔ لہٰذا آپ کو کتاب میں جابر بن حیان سے لے کر گلزار دہلوی تک کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ کتاب واقعتاً جہان سائنس نظر آئے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ہندوستان میں اردو زبان میں سائنس کی کتابیں جہاں نہیں کے برابر ہیں اور عموماً عام اردو داں طبقہ سائنسی مضامین کو قابل اعتنا تصور نہیں کرتا، جناب محمد نسیم اختر صاحب نے جہان سائنس پیش کر کے نہ صرف اردو زبان و ادب کی وراثت کو فائدہ پہنچایا ہے بلکہ اردو قارئین کو دلچسپ سائنسی معلومات کا ایک تحفہ بھی عنایت کیا ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب کے ذریعے اس بات کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے کہ نہیں، آج بھی بے شمار مسلمان سائنسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور انھوں نے مختلف میدانوں میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی ہندوستانی سائنسداں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں اور آج بھی اے پی جے عبدالکلام، سید ظہور قاسم اور سید احتشام حسنین جیسے قابل مسلم سائنسداں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔

کتاب کی زبان و بیان نہایت سلیس ہے۔ چوں کہ بیشتر مضامین ریڈیو کے لیے لکھے گئے ہیں اس لیے انھیں کسی اور کی زبانی سننے میں بھی مزہ آئے گا اور کسی کہانی یا داستان جیسی لطافت اور چاشنی کا احساس ہوگا۔ جہان سائنس عام طور پر کتابوں میں پائی جانے والی تکنیکی اور پروف کی خامیوں سے تقریباً پاک ہے۔ جابجا بلیک اینڈ وہائٹ تصویروں نے نہ صرف مضامین کو سمجھنے میں آسانی فراہم کی ہے بلکہ سائنسدانوں سے بھی بہتر انداز میں واقف کرانے کا کام کیا ہے۔ کتاب میں مختلف صفحاف پر خالی جگہوں کو مختلف قسم کی معلومات سے اس طرح سجایا گیا ہے کہ وہ کہیں سے بھی کتاب سے جدا معلوم نہیں ہوتی ہیں۔ کتاب کی ابتدا و انتہا میں مصنف اور متعلقہ میدان میں ان کی خدمات کے بارے میں خاطر خواہ باتصویر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مختصر تحریروں میں جس طرح سے بے شمار معلومات جمع کی گئی ہیں اس سے کتاب کی افادیت کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ اگر کوشش کی جائے تو اس طرح کے سائنسی موضوعات پر ایک سلسلہ وار کئی جلدوں کی کتاب شائع ہو سکتی ہے۔

جہان سائنس ہر لحاظ سے اردو قارئین کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں طلبہ کو غیر درسی مطالعہ کے لیے اس کتاب کا مشورہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب کسی بھی گھر یا لائبریری کی زینت ہو سکتی ہے اور ہر عمر کے لوگ اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

تاویلات و تمثیلات

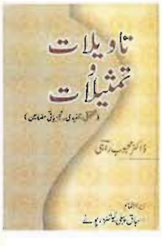

مصنف: ڈاکٹر محبوب راہی
صفحات: 288، قیمت: 165
ناشر: اسباق پبلی کیشنز، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
مبصر: امتیاز وحید، D-50/17 حجاب اسلامی
ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی 25

یہ کتاب ایک کہنہ مشق شاعر، تخلیق کار اور بزرگ ادیب ڈاکٹر محبوب راہی کے تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مضامین کا مجموعہ ہے۔ شعر و سخن سے بنیادی وابستگی کے ساتھ نثر میں بھی انھوں نے اپنا جوہر دکھایا ہے۔ ان کے بموجب یہ مجموعہ مضامین نمبر شمار کے اعتبار سے ان کی چوتھی، پانچویں یا چھٹی پیش کش ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اسی نوعیت کے نثری مضامین کے چند اور مسودے صوبائی اور ملکی اداروں کے یہاں مالی تعاون کے لیے ہنوز منتظر ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا عمل دخل شعر و نثر ادب کے دونوں پہلوؤں پر محیط ہے۔

اکتیس مضامین پر مشتمل یہ کتاب 'تاویلات و تمثیلات' اردو ادب کے مسائل، ادب اطفال، افسانہ، شعرا اور علمی شخصیات کے علمی کارناموں، شعر و نثر اور ان کے تخلیق کاروں کے جواہر پاروں کی نقد و تنقیح اور اجمالی جائزے پر مشتمل ہے جو بلا شبہ قلم کار کے ہمہ جہت ادبی شعور کا غماز ہے۔

فروغ اردو کے امکانات کے حوالے سے جو دو مضامین شامل کتاب ہیں ان کے مشمولات حرف بہ حرف صداقت پر مبنی ہیں۔ قومی سطح پر اردو زبان میں جس طرح بلا تفریق مذہب، ہندستان کی اکثریت اور اقلیتوں کی نمائندگی تھی وہ تقسیم ملک کے بعد ایک مخصوص ذہنیت کا شکار ہو کر عمداً بس ایک طبقے سے مختص کر دی گئی۔ اسی طرح الکٹرانک میڈیا کے

سیلاب سے پرنٹ میڈیا ... میگزین، رسائل اور کتب کی جو درگت بنی اس کے سد باب کے لیے بھی کوئی سنجیدہ متبادل لائحہ عمل نہیں اپنایا جا سکا نتیجہ ظاہر تھا اردو میگزین اور رسائل کی جو گرمی تھی وہ کافور ہونے لگی اور تخلیق کار اور قاری کا مستحکم رشتہ کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ یہ اور اس جیسے عصری حسیت کے حامل گوشوں پر شامل کتاب مضامین میں بھر پور دعوتِ فکر دی گئی ہے۔

ادب اطفال کے تئیں شعرا، ادبا اور اہل دانش نے جو غفلت روا رکھی ہے اس پر ڈاکٹر راہی کے خیالات سنجیدہ غور و فکر پر آمادہ کرتے ہیں۔ اردو میں بچوں کے رسائل کی صورت حال، معیار و مقدار سوالات کے دائرے میں ہیں۔ بہت سے اردو رسائل اب قصہ پارینہ ہو کر تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں۔ سر دست جو رسائل جاری ہیں ان میں بھی کما حقہ ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت مفقود ہے۔ لہٰذا ادب کا یہ پہلو بھی فوری توجہ چاہتا ہے۔

تنقیدی، تحقیقی اور تجزیاتی مضامین میں قلم کی گرمی دکھائی دیتی ہے۔ نقد و تنقیح میں جو ادب کا عصری پیمانہ ہے اس سے قطع نظر سکّہ کے مثبت پہلو پر قدرے زیادہ زور دیا گیا ہے اور گمان گزرتا ہے کہ کمیوں سے عمداً اجتناب کیا گیا ہے۔ تحریر کا یہ مزاج بسا اوقات معقول جواز اور نکتہ کو بھی 'توصیفی' زمرے میں لے آتا ہے۔ جو تحقیق و نقد کے مزاج سے بے میل ہے۔

شامل کتاب مضامین ظاہر ہے اوّلاً خود مکتفی اکائی کی صورت میں لکھے اور طبع ہوئے ہوں گے۔ مجموعۂ مضامین کی صورت میں بہتر ہوتا کہ ترتیب مضامین میں موضوعاتی ہم آہنگی کا بھی خیال رکھا جاتا یعنی جس طرح اردو زبان کے مسائل سے متعلق دو مضامین ایک ساتھ رکھے گئے ہیں اسی طرح ادب اطفال مضمون نمبر شمار 14 کے ساتھ مضمون نمبر شمار 37 اور 38 بھی ایک ساتھ آتے جو ظاہر ہے اسی قبیل سے متعلق ہیں اور اسی ترتیب سے مضامین کی درجہ بندی کی جاتی۔

مجموعی طور پر ادب کی افہام و تفہیم کے حوالہ سے ڈاکٹر محبوب راہی کی یہ کتاب قابل مطالعہ ہے۔ زبان و بیان الجھاؤ سے پاک ہے جو ظاہر ہے کتاب کو عام قاری کی فہم سے قریب کرنے میں معاون ہے۔ توقع ہے کہ قارئین اس کتاب کے توسط سے ڈاکٹر راہی کے بیانیہ نثر میں پوشیدہ ادبی جواہر پارے سے لطف اندوز ہوں گے اور انھیں اپنے ادبی ذوق کی تسکین کا اہل پائیں گے۔

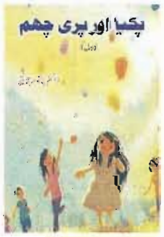

پکیا اور پری چھم

مصنف: ڈاکٹر بانو سرتاج

صفحات: 120، قیمت 150

ناشر: نرالی دنیا پبلی کیشنز، A-358، بازار دہلی گیٹ

دریا گنج، نئی دہلی 110002

مبصر: عبدالناصر C-24، اوکھلا وہار، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

ڈاکٹر بانو سرتاج کا نام اُردو میں ایک معروف نام ہے۔ ادب الاطفال میں لکھنے والے ادبا میں اردو کے زیادہ ادیب کا نام نہیں لیا جاتا ہے چونکہ زیادہ تر لکھنے والے اس جانب راغب نہیں ہوئے۔ پھر بھی نظمیں اور کہانیاں لکھنے کا چلن بدستور جاری ہے۔ بانو سرتاج اس لحاظ سے قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے پیش نظر کتاب میں 'بڑے بچوں کے لیے' ایک اصلاحی ناول لکھا ہے جو تعلیمی مشن کو آگے بڑھانے کی جانب ایک قابل ذکر قدم ہے۔ اس ناول میں کرداروں کی بھی بڑی کمی ہے۔ ناول کا ہیرو جھونپڑپٹی میں رہنے والا ایک لڑکا پرکاش عرف پکیا ہے جو سنتوش یادوں کے یہاں بکریاں چرانے پر ملازم ہے۔ اسے اپنی بکریوں سے اس قدر لگاؤ ہے کہ اس نے سب کا جدا نام رکھ دیا ہے۔ ان میں سے ایک 'پری چھم' ہے جو اسے کافی عزیز ہے۔ ناول کا سائڈ ہیرو کریم ہے جو اس کی ہر آڑے وقت میں مدد کرنے کو سامنے آتا ہے۔ ذیلی کرداروں میں مالکن کے علاوہ ایک خوش حال اور ذی عزت خاتون چندر بھاگا ہے جس کا زیادہ تر وقت کرشن بھگتی کی پوجا پاٹھ میں بسر ہوتا ہے۔ انھیں کریم سے دلی محبت ہے وہ پکیا کا دوست ہونے کے ساتھ اس مذہبی خیال کی خاتون کے ساتھ مندر بھی جاتا ہے۔

کہانی اس طرح آگے بڑھتی ہے کہ پری چھم ایک روز غائب ہو جاتی ہے جس سے پکیا کافی فکرمند ہو جاتا ہے۔ کریم جب ایک دن چندر بھاگا کے ساتھ مہا کالی دیوی کی پوجا کے لیے کچھ دور بنے مندر جاتا ہے۔ تو گم شدہ بکری اسے وہاں نظر آتی ہے۔ بکری بھی اس کو پہچان لیتی ہے اور اس کے ساتھ ہو جاتی ہے چونکہ وہ پکیا کا دوست تھا۔

ایک دن جب پکیا اپنی بکریوں کو لے کر چراگاہ کی جانب جاتا ہے تو ایک چھوٹی سی بچی جس کا نام فروس تھا وہ اس کی بانسری کی آواز سننے کو چلی آتی ہے۔ وہ اپنے پیار کا نام رانی بتاتی ہے اسے پکیا کے عمدہ بانسری بجانے پر رشک آتا ہے۔ اگلی ملاقات میں وہ اصرار کرتے ہوئی پوچھتی ہے کہ:

''بولو نہ پکیا! اسکول کیوں نہیں جاتے تم؟ کیا اسکول جانے کو جی نہیں چاہتا تمھارا؟ رانی نے اصرار کیا۔

''اسکول جانے کو جی تو چاہتا ہے مگر... اگر میں اسکول جاؤں گا تو بکریاں کون چرائے گا؟'' پکیا نے کچھ افسردہ ہو کر کہا۔

''تو کیا زندگی بھر تم بکریاں ہی چراتے رہو گے؟''

رانی کی بات پکیا کے دل میں پوری طرح گھر کر جاتی ہے۔ اب وہ مسلسل اسی کے متعلق سوچتا رہتا ہے کہ تعلیم ہر انسان کے لیے کتنی ضروری چیز ہے؟ وہ اس کا اظہار اپنی مالکن کے سامنے بھی کرتا ہے کہ ''میں اسکول جانا چاہتا ہوں۔''

پری چھم کے مل جانے کے بعد وہ ایک سراغ رساں بن کر راج محل کے کھنڈروں تک جاتا ہے۔ اور تہہ خانے اور سرنگوں سے ہوتا ہوا اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں ملک دشمن عناصر نے کئی نونہالوں کو یرغمال بنا کر رکھا ہوا تھا۔ لیکن وہ موقع پا کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس مہم میں پکیا کے ہمراہ اس کا دوست کریم ہوتا ہے۔ اب دونوں بچے چندر بھاگا کے ہمراہ جا کر انسپکٹر خان کو ساری باتیں بتا دیتے ہیں جو تیزی سے کارروائی کر کے مجرموں کے اڈے پر چھاپے مارتے ہیں اور کامیابی پاتے ہیں۔ ناول کے آخر میں پکیا اور کریم کو انعامات سے نوازنے کے علاوہ اسکول میں جا کر تعلیم پانے کا موقع بھی ملتا ہے۔ یہی ناول نگار کا اصل مقصد ہے۔ جس کی پیش کش میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔

حماسہ (دوسری جلد منظوم-تاریخ ہندوستان و پاکستان)

مصنف: نقشبند قمر نقوی بھوپالی

صفحات: 400، قیمت: 400 روپے

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 6

مبصر: عائشہ رضی، ململی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

نقشبندی قمر نقوی بھوپالی ایک منفرد ادیب، عالم دین اور سچے و ماہر مورخ ہیں، دینی، ادبی، تاریخی اور علمی میدانوں میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے ہیں جو قابل ذکر بھی ہے اور لائق ستائش بھی، موصوف اردو زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان

میں یدطولیٰ رکھتے ہیں، اس زبان میں ان کی کتاب 'دی لاسٹ سن رائز' اور 'دی پرافٹ آف اسلام' قابل دید ہے، قمر نقوی نے ادب و اخلاق اور تہذیب و تمدن پر وہ بیش قیمت ناول لکھے ہیں جنھیں پڑھ کر قاری جھومتا نظر آتا ہے۔ اس سے قبل موصوف کی 'راحلہ، کاشفہ، ندیمہ، ہمراہی اور گھنٹی بجتی رہی، چاند کی کہانی، منزل دور نہیں وغیرہ۔ کتابیں مشہور اور مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔ انھوں نے شکار کے اصول و آداب اور بہادری پر مختلف کتابیں تصنیف کیں جن میں 'میں مرنے پر مائل نہیں، خوفناک، ہولناک اور قطب شمالی کے سائے میں قابل ذکر ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ قمر نقوی نے شاعری کے اس رنگ و آہنگ کو بعینہ برقرار رکھا ہے اور اس زمانے کے واقعات، بادشاہوں کے عدل و انصاف، جنگی مہارت، رعایا پر عفو و کرم، سلطنت کی وسعت یا ظالم بادشاہوں اور ان کے ظلم و بے رحمی کو نہایت خوبصورتی اور چابکدستی سے پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب میں قمر نقوی نے واقعات و حادثات کو قلم بند کرنے کے ساتھ مسلم تاریخ کا ایک نیا اور روشن باب بھی ہمارے سامنے پیش کرنے کی سعی کی ہے، جس میں جنگ و جدال کے علاوہ ملکی اصلاحات، فوجی اصلاحات، رفاہی اصلاحات، تجارتی اصلاحات غرض کہ مختلف قسم کے اصلاحات اور ترجیحات کے علاوہ بادشاہوں امرا اور وزرا کے حالات و خدمات کو فنی مہارت سے منظوم شکل میں قلم بند کیا ہے۔

قمر نقوی نے اپنی اس کتاب 'حماسہ' جلد دوم کو دس ابواب میں ترتیب کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ خاندانوں کے نام اور ان میں پیدا ہونے والے سلاطین کا ذکر اچھے انداز میں کرتے ہیں۔

پہلے باب میں خلجی خاندان کی ابتدا بختیار الدین محمد بختیار خلجی کے بہار و بنگال کی تسخیر میں کوششیں، سلطان جلال الدین فیروز شاہ کی غیر ترکیوں کو مراعات، ہندوستان کی سیاست میں انقلاب بپا کرنا اور باغیوں کے کمر توڑنے کو سلیس اور سہل انداز میں بیان کیا ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں سلطان علاء الدین خلجی کی تاج پوشی، منگولوں کے حملے، اس کی پسپائی، سلطان کی ثابت قدمی کا ذکر بہت ہی چابکدستی سے کیا ہے۔

تیسرے باب میں سلطان علاء الدین کے کارناموں، عدل و انصاف، فوجی دستوں کے نظام اور سیاسی نظریوں کو جس طرح منظوم شکل میں قمر نقوی نے پیش کیا اس سے ایسا نہیں لگتا کہ ان واقعات کو گزرے سالوں بیت گئے ہوں۔

چوتھے باب میں خاندان تغلق اور اس میں پیدا ہونے والے بادشاہوں، غازی ملک، سلطان غیاث الدین کے طریقہ کار، فوجی مصالحت، رفاہی و ملکی اصلاحات، بغاوتوں اور حملوں سے پنجہ آزمائی کی ایک حسین اور طویل داستان کو نہایت مختصر اور پر اثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

پانچویں باب میں سلطان محمد تغلق کی ابتدائی زندگی، تربیت، دور حکومت کا ذکر اس باریکی اور لطافت کے ساتھ کرتے ہیں کہ جب تک قاری اس کو پڑھ نہیں لے گا اس کے قلب کو سکون اور روح کو قرار نہ آئے گا۔

چھٹے باب میں موصوف نے سلطان تغلق کے حالات، مذہبی رجحان، شخصیت، اخلاق و کرار اور عادات و اطوار کو بالکل صاف ستھرے طریقے سے پیش کر دیے اور اس میں کوئی کتر بیونت نہیں کی ہے۔

ساتویں باب میں محمد تغلق کی تاریخ و حالات بیان کیے گئے ہیں۔

آٹھواں باب سلطان غیاث الدین تغلق ثانی، سلطان ابوبکر شاہ تغلق، سلطان ناصر الدین محمد شاہ تغلق، اور سلطان محمد تغلق جیسے فرمانرواؤں کے مختصر حالات پر مشتمل ہے۔

نویں باب میں قمر نقوی نے خاندان سادات سلطان مبارک شاہ، سلطان سید محمد شاہ، علاء الدین عالم شاہ کی حکمرانی، حملے، باغیوں کی سرکوبی، ملک کے اندر سیاسی حالات کی درستگی جیسے مضامین کیے ہیں۔

دسواں باب جو آخری اور طویل باب ہے، موصوف نے اس کے اندر لودھی سلاطین، بہلول لودھی، سکندر لودھی، سلطان ابراہیم لودھی کے کارنامے، جوانمردی، مذہبی امور کی پاسداری، اصلاحی و رفاہی امور، کردار و اخلاق، اور اصلاحات کو شعری رنگ دیکر قاری کے لیے مزید دلچسپی کا سامان کر دیا ہے۔

کتاب نہایت سلیس، سادہ، عام فہم اور روانی سے بھرپور ہے، جو قمر نقوی کا امتیاز ہے۔

اس کتاب کی طباعت میں کچھ غلطیاں بھی راہ پا گئی ہیں، سب سے بڑی غلطی مصنف کے نام کے تعلق سے ہے، کتاب کے ٹائٹل اور بیک پیج پر مصنف کا نام نقشبند قمر نقوی بھوپالی لکھا ہوا ہے اور کتاب کے آخری صفحات یعنی 398، 399، 400 پر بھی نقشبند قمر نقوی بھوپالی ہی درج ہے جب کہ کتاب کے صفحہ 1/2 جو کاپی رائٹ اور اس سے پہلے صفحہ پر اردو اور انگریزی دونوں میں ہی نقشبند قمر نقوی بخاری لکھا ہوا ہے۔

دوسرا یہ کہ کتاب کا نام ٹائیٹل پیج پر 'حماسہ دوسری جلد منظوم تاریخ ہندوستان و پاکستان' ہے، جب کہ صفحہ 1/2 پر 'حماسہ ہندوستان اور پاکستان مستند منظوم تاریخ' درج ہے۔ اس کے علاوہ کچھ پروف کی غلطیاں بھی راہ پا گئی ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف تاریخ کے باب میں ایک اضافہ ہوگا بلکہ قاری کو پسند آنے کے ساتھ داد و تحسین بھی حاصل کرے گی۔

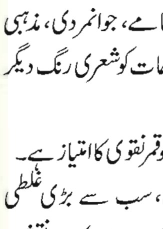

رشحات قلم (مجموعہ مضامین)

مصنف: انوار الحسن وسطوی

صفحات: 248، قیمت: -/200

ملنے کے پتے: بک امپوریم، پٹنہ، کتابستان، مظفرپور

تبصرہ نگار: عاقل زیاد، راشٹریہ سہارا، بورنگ کینال روڈ، پٹنہ

رشحات قلم، ایک ایسا نام جسے دیکھ کر شائقین کتب کم سے کم ایک بار ضرور اس جانب متوجہ ہوں گے، جیسے کہ میں ہوا۔ شخصیات پر مبنی تقریبا درجن بھر سے زائد مضامین سے مزین اس کتاب کے پڑھنے سے احساس ہوا کہ مصنف نے بڑے خلوص کے ساتھ متعدد شخصیات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ انوار الحسن وسطوی کی تازہ تصنیف جس کا مقصد میرے خیال سے اسلاف کی کارگزاریوں پر تاثرات کا اظہار یہ ہے جسے انھوں نے بڑی محنت اور قسطوں میں جمع کیا ہے۔ ممکن ہے یہ کتاب انھیں اس لحاظ سے ایک مدت تک زندہ رکھے کہ انھوں نے اس طرح قدما اور صلحا کے لیے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ مضامین گو کہ مختصر ہیں لیکن بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مضامین کے مطالعے سے بڑی حد تک آسودگی ہوتی ہے۔ بیشتر مضامین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس میں اپنے ذاتی مشاہدات اور تاثرات بھی پیش کیے ہیں۔ تحریک آزادی کے متوالوں کی داستان ہر زمانے میں لکھی جانے والی ہے، جن میں کچھ ایسی شخصیات ہیں کہ ان سے پہلو تہی کرنا 'کفر' کے مترادف ہے۔ مولانا آزاد، علامہ شبلی نعمانی، سر سید احمد خاں یا ایسی شخصیات پر لکھی تحریروں میں جہاں ایک جانب تاریخ کا مطالعہ جھلکتا ہے، وہیں دوسری جانب مصنف کی اعلیٰ ظرفی اور فکری بالیدگی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ جناب وسطوی اب عمر کے اس مرحلے میں ہیں جہاں تحریری قوت تو ماند پڑنے لگتی ہے لیکن اس عمر میں قوت تشخیص بڑھ جاتی ہے کہ زندگی تجربات و مشاہدات سے ہی تکمیل پاتی ہے۔

کچھ مضامین خود مصنف کے ہم عصروں اور ان کے قرب و جوار کے گمشدہ دانشوروں کی خدمات وشخصیات سے منسلک ہیں جو وسطوی صاحب کی ذاتی سوجھ بوجھ اور روشن خیالی کا بین ثبوت ہیں۔ ہمعصروں پر لکھی گئی ان تحریروں میں اگر انھوں نے وضع داری کا خاص خیال رکھا ہے تو دوسری جانب راست گوئی سے انھوں نے کسی قسم کی مصالحت نہیں کی ہے۔ اپنی بات دوٹوک لہجے میں کہہ کر نہ صرف انھوں نے اپنی سادہ لوحی کا ثبوت دیا ہے، بلکہ دیانت داری کا بھی اظہار کیا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر کی حب الوطنی سے اردو طبقہ ناآشنا نہیں ہے، تاہم مصنف نے جس پیرائے میں اور جس اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ایک بھولے ہوئے واقعہ کو یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔ وہیں مولانا ابوالکلام آزاد کی اردو نوازی پر انھوں نے بڑے دلچسپ طریقے سے خاکہ پیش کیا ہے۔ اسی کتاب میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی اردو دوستی اور اقبال شناسی کا انھوں نے جو ذکر کیا ہے وہ اپنی جگہ، دراصل اردو زبان پر ان کے جتنے احسانات ہیں کسی بڑے نام کے ساتھ تقابل کرتے وقت پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا نام بہرحال سرفہرست آتا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر صاحب کی مسلمانوں سے قربت اور ان کے مسائل سے دلچسپی وفکرمندی پر وسطوی صاحب کی معلومات سے بڑی حد تک خوشی محسوس ہوتی ہے۔ مضمون میں وسطوی صاحب نے پروفیسر آزاد کی دو نظموں کے اقتباس بھی پیش کیے ہیں جن سے پروفیسر صاحب کی مسلمانوں سے بےلوث ہمدردی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ علی سردار جعفری پر لکھے گئے مضمون میں جہاں ان کی گوناگوں خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، وہیں خدابخش لائبریری کے آل انڈیا مشاعرے میں علی سردار جعفری کی صدارت تھی اور بہار کی مایۂ ناز ہستی کلیم الدین احمد کو نظرانداز کیا گیا تھا، انوارالحسن وسطوی نے بڑی خوبی کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ یقیناً اسے پڑھ کر قارئین کی واقفیت میں اضافہ تو ہوتا ہی ہے ساتھ ہی علی سردار جعفری کی اعلیٰ ظرفی واعلیٰ اخلاقی قدروں سے آشنائی بھی ہوتی ہے۔ رشید حسن خاں کے علمی، تحقیقی اور تنقیدی کاموں اور ان کی ہمہ جہت شخصیات پر مختصر تعارف بھی اس کتاب کی زینت ہے۔ اسی طرح کتاب میں قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ جو بلاشبہ اتحاد ملت کے علمبردار تھے ان کی فقہی خدمات سے ایک دنیا روشن ہے۔

بحیثیت مجموعی کتاب نہ صرف قابل مطالعہ ہے بلکہ ایک دستاویز بھی ہے جس سے تحقیق کے طلبا وطالبات فیضیاب ہوسکتے ہیں۔ کتاب میں پروفیسر آل احمد سرور، عبدالقیوم انصاری، علامہ عبدالقیوم خضر، مولانا شبنم کمالی، سید تقی رحیم، پروفیسر عبدالمغنی، پروفیسر قمر اعظم ہاشمی کے علاوہ درجنوں شعرا وادبا کی خدمات وشخصیات پر مختصراً مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

شمیم سخن

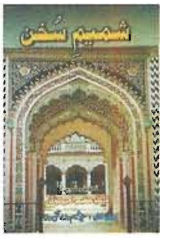

مصنف: ڈاکٹر عظیم امروہوی
صفحات: 169، قیمت: 150 روپے
ناشر: تخلیق کار پبلشرز، دہلی
مبصر: ڈاکٹر فداء المصطفیٰ فدوی، صدر شعبہ اردو وفارسی
ڈاکٹر ہری سنگھ گور سنٹرل یونیورسٹی، ساگر (ایم پی)

مرثیہ عربی، فارسی اور اردو شاعری کی اہم کلاسیکی صنف سخن ہے۔ یہ صنف موضوع کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ شخصی مرثیے اور شہدائے کربلا کے مرثیے۔ اردو میں شخصی اور کربلائی مرثیہ نگاری کی قدیم روایت دور جدید میں بھی برقرار ہے۔ انیس ودبیر اور ان کے دبستانوں سے تعلق رکھنے والے مرثیہ گو شعرا نے اردو مرثیہ گوئی کے ارتقا میں نمایاں طور پر حصہ لیا ہے۔

متاخرین مرثیہ گو شعرا میں سید جواد حسین شمیم امروہوی (1913-1838) صف اول کے مرثیہ گو شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کا خاندان ساداتِ امروہہ کا ایک معروف ومعزز خانوادہ ہے۔ انھیں ریاست رامپور کے درباری شاعر ہونے کا اعزاز اور فرزدق ہند کا خطاب حاصل تھا۔ نواب حامد علی خاں حامد والی رامپور خود ان کے تلامذہ میں شامل تھے۔

شمیم امروہوی کو مرثیہ نگاری میں غیرمعمولی قدرت حاصل تھی اور ان کی شاعری کا کمال مرثیہ گوئی میں ظاہر ہوا ہے۔ شمیم امروہوی نے تقریباً ڈھائی سو (250) مراثی لکھے ہیں۔ ان کی شخصیت اور مرثیہ گوئی محتاج تعارف نہیں ہے۔ شعرا کے مختلف تذکروں اور تاریخ ادب کی کتابوں میں انھیں اردو کے ممتاز مرثیہ نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اپنی زندگی میں ہی ان کی مرثیہ گوئی کو زبردست شہرت حاصل ہوچکی تھی۔

زیرنظر کتاب 'شمیم سخن' ڈاکٹر عظیم امروہوی کی تحقیق وتدوین پر مبنی شمیم امروہوی کے بارہ (12) مراثی کا مجموعہ ہے اور سید شمیم رضا وسید تقی رضا کی پیش کش ہے۔ ڈاکٹر عظیم امروہوی مشہور کثیرالتصانیف مصنف اور محقق ہیں، ان کی مختلف کتابیں منظرعام پر آچکی ہیں، نیز پی ایچ ڈی کا مقالہ 'خاندان شمیم کی مرثیہ گوئی' بھی شائع ہوچکا ہے۔ سید تقی رضا 'شمیم سخن' کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

اس کتاب (خاندان شمیم کی مرثیہ گوئی) میں بڑے دادا فرزدق ہند حضرت شمیم امروہوی کے صرف سات مراثی شامل تھے جب کہ انھوں نے تقریباً ڈھائی سو مراثی کہے ہیں، جن میں سے چند کے علاوہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔ ڈاکٹر عظیم امروہوی نے غیر مطبوعہ مراثی کی بڑی تعداد ہندوپاک کے کتب خانوں، ذاتی لائبریریوں، سوزخانوں اور تحت اللفظ خانوں کے بستوں سے شہر شہر اور بستی بستی جاکر حاصل کی، کیونکہ ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا موضوع بھی یہی تھا''۔

'شمیم سخن' میں شامل مراثی حسب ذیل ہیں: (1) عروس حجلۂ رحمت ثنائے باری ہے (حمد، معراج رسول، شہادت امام حسینؓ) (2) ...... آج رحمت رب قدیر ہے (غدیر وفات فاطمہؓ) (3) دریائے مغفرت کا سفینہ حسینؓ ہیں (امام حسینؓ) (4) جب آفتاب کو راحت سے انفراغ ہوا (امام حسینؓ) (5) مدح محبوب الٰہی کا عجب پایا ہے (امام حسینؓ) (6) کس تیغ کی دہشت سے جہاں زیروزبر ہے (حضرت عباسؓ) (7) مداح علمدار حسینؓ ابن علیؓ ہوں (حضرت عباسؓ) (8) عباسؓ بازوئے شہ گردوں سریر ہیں (حضرت عباسؓ) (9) خدا کے نور کا جلوہ کس آفتاب میں ہے (حضرت علیؓ) (10) یارب اس باغ کو گلزار تمنا کردے (حضرت قاسمؓ) (11) جب شاہ خاوری کا نشاں جلوہ گر ہوا (عونؓ ومحمدؓ) (12) یارب میرے شعروں کی زمیں چرخ بریں ہو (علی اصغرؓ)۔

عظیم امروہوی کی تحقیق کے مطابق 'شمیم امروہوی کا کافی غیر مطبوعہ کلام برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے اور ہجویات کا ایک قلمی دیوان رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے' شمیم امروہوی اور ان کی مرثیہ نگاری پر ڈاکٹر عظیم امروہوی کی تحقیق سند اعتبار کا درجہ رکھتی ہے۔ نومبر 2012 تک شمیم امروہوی کی وفات کو سو سال پورے ہوجاتے ہیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر عظیم امروہوی اور خانوادۂ شمیم کی مستحسن کاوش شمیم امروہوی کی شخصیت اور فکروفن کی بازیافت کے سلسلے کی ایک اہم کڑی یہ کتاب ہے۔

شمیم امروہوی کے مراثی فکروفن کی گوناگوں خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان کے یہاں کلاسیکی کربلائی مرثیے کے اجزائے ترکیبی اور جملہ فنی لوازمات کا بخوبی اہتمام پایا جاتا ہے۔ پیش نظر مجموعۂ مراثی کے مطالعے سے میرانیس اور خصوصاً مرزا دبیر کے شمیم امروہوی

پر اثرات اس طرح صاف نظر آتے ہیں کہ مرثیہ نگاری کی وہی فنی وفکری خصوصیات اور صنائع لفظی ومعنوی اور رعایت لفظی کی جلوہ گری ان کے مراثی میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔'شمیم سخن' میں موجود مرثیے شمیم امروہوی کے فن شاعری اور زبان وبیان پر قدرت اور فکروفن کی ندرت کی جملہ خصوصیات کے مظہر ہے۔

'شمیم سخن' میں شامل سید تقی رضا کا پیش لفظ اور ڈاکٹر عظیم امروہوی کا طویل وبسیط، معلومات افزا مقدمہ اور کتاب کے آخری حصے میں شمیم امروہوی کا تعارف وسوانحی خاکہ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کو دوچند کردیتے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف ایک مخصوص مذہبی حلقے کی روحانی تسکین کا سامان فراہم کرتی ہے بلکہ تمام اہل فکروفن اور باذوق قارئین کو دعوت مطالعہ دیتی ہے، لہٰذا ادبی وعلمی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی یقینی ہے۔

ہندوستانی فلمیں اور اردو

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر امام اعظم

صفحات: 272، قیمت: 250 روپے

ناشر: مصنف

مبصر: نظام صدیقی، الہ آباد (یوپی)

سائنس، فنون لطیفہ اور اسراریات کے درمیان مشترکہ طور پر تخلیقیت ایک سنگ میل ہے۔ درحقیقت تخلیقیت ایک حقیقی تخلیق کا شدید احساس وعرفان ہے۔ تخلیقیت کل ہے۔ تخلیقیت حرف اول اور حرف آخر ہے۔ تخلیقیت جوہر اصل اور مغز اصل ہے۔ تخلیقیت حیرت تمام اور رحمت تمام ہے۔ تخلیقیت ایک خود تخلیق کردہ زندہ، نامیاتی اور متحرک توانائی ہے۔

(Quote from "Urdu Poetry; The Creatrive Literature of Trace" By Nizam Siddiqui)

لیکن الوہی اور قدسی تخلیقیت کے برخلاف فنونی تخلیقیت کی اساس تخیلیت پر مبنی ہے یعنی تخلیقی تخیل پر حتیٰ کہ فلم اور قلم وقرطاس کی بنیاد بھی تخلیقی تخیل پر ہی ہے۔ کولرج، حالی، شبلی اور گوپی چند نارنگ نے تخلیقی تخیل کی معنویت اور قدروقیمت کو صرف شعروادب اور فنون لطیفہ تک محدود رکھا ہے لیکن شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس کا رشتہ 'قوموں کی حیات' سے جوڑ کر اس کو جو وسیع اور رفیع معنویاتی اور کیفیاتی وسعت، رفعت اور الوہیت عطا کی ہے اس سے مختلف اقوام عالم کے عروج وزوال پوری تواریخ تخلیقی انسانی بصیرت کے سامنے روشن اور منور ہوجاتی ہے۔

ڈاکٹر امام اعظم کی مرتب کردہ نہایت خوبصورت اور خوب سیرت کتاب 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' نے اردو ادب میں ایک نئی کنواری برف کو توڑا ہے۔ ان کا خیال انگیز 'ابتدائیہ' قابل مطالعہ ہے۔ انھوں نے ہندوستانی فلموں میں اردو ثقافت کے مختلف پہلو پر بھرپور روشنی مرکوز کی ہے۔ مجھے 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' میں خصوصی طور پر جناب مظہر امام کا 'دلیپ کمار سے مکالمہ' بہت پسند آیا۔ یہ دو بڑے فلمی اور ادبی عارفوں کا آمنا سامنا ہے۔ تکنیکی اور ساختیاتی سطح پر ابراہیم اشک کا 'ہندوستانی فلموں میں موسیقی اور سنگیت'، مراق مرزا کا 'ہندوستانی فلمیں اور اسکرین پلے'، خالد سعید کا 'فکشن الیکٹرونک میڈیا کے تناظر میں'، مجیر احمد آزاد کا 'ہندوستانی فلموں میں مکالمہ نگاری'، معین گریڈیہوی کا 'ہندوستانی فلموں میں کردار' قابل ذکر وفکر ہے۔ یہ فلمی اور برقیاتی میکانیات گزیدگی سے مبرا ہیں۔

اردوئی تہذیب وثقافت اور فلم کے روابط کے ضمن میں جناب حسن امام درد، شاکر خلیق، رئیس انور، منصور عمر، محمد خالد عابدی، قاسم خورشید، وصیہ عرفانہ، عطا عابدی، سرور کریم، ہمایوں اشرف اور نسیم احمد نسیم کے مضامین معلومات آفریں اور فکر افروز ہیں۔

ملاقات نگاری اور شخصیات افروزی کے ضمن میں جناب سید منظر امام، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی اور زہرہ شمائل کے مضامین قابل قدر ہیں اور رازِ نہاں خانۂ دل کو بیک وقت عیاں اور نہاں کرتے ہیں۔

شعری سوانح عمری نگار عبدالمنان طرزی کی نظمیہ کارگہ شیشہ گری میں 'فلم اور ادبی تناظر' میں 'لے سانس بھی آہستہ' کی عارفانہ کیفیت سے مجھے بار بار گزرنا پڑا۔ احسان ثاقب کی فکاہیہ نظم 'اردو کا رشتہ فلم کا میڈی سے' بہار آفریں ہے۔

یہ خوش جمال اور خوش اقدار روایت شکن مخاطبہ (ڈسکورس) صحیح معنوں میں فلم اور اردوئی تہذیب کی روح میں گردش کرتا ہوا آئینہ در آئینہ ہے۔ دونوں بڑی ثقافت ایک دوسرے کے روبرو ہیں جو بیک وقت تشکیل، ردِتشکیل اور بازتشکیل کے نازک ترین مراحل سے گزر رہی ہیں۔ یہ کتاب بیک وقت اطوفیا (Utopia) اور انا طوفیا (Disutopia) ہے۔ اس کو ہر ذاتی، مقامی اور قومی لائبریری میں رکھنا ناگزیر ہے۔

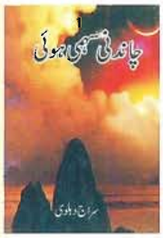

چاندنی سہمی ہوئی

شاعر: سراج دہلوی

صفحات: 208، قیمت: 200 روپے

ناشر: گلستان پبلی کیشنز، 67 مولانا شوکت علی اسٹریٹ، کلکتہ

مبصر: شاہنواز حیدر شمسی، معرفت علی جان منزل

مکان نمبر 120، غفورنگر، جامعہ نگر، نئی دہلی

غزل ممتاز صنف شاعری ہے۔ یہ ہماری تہذیب وثقافت کی علامت ہے اور رمز وایمائیت اور ایجاز واختصار اس کا معجزہ تنوع وہم رنگی، شگفتگی وغنائیت اور ساز وآہنگ نے اسے ہر کسی کی دلچسپی کا مرکز یوں بنادیا گویا 'جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے' مختلف الخیال اشعار اور عدیم المثال افکار نے دوسری تمام اصناف سے غزل کو ممتاز ومنفرد کیا۔ ایک خاص ساخت وہیئت اور وزن وبحور کا التزام فن کی سطح پر اس کی دائمیت کی دلیل ہے۔ غزل کا کارواں قلی قطب شاہ اور ولی دکنی سے سفر کرتا ہوا ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کے ساتھ سراج دہلوی کی دہلیز تک آپہنچا ہے۔

جن شعرا کے حوالے سے موجودہ عہد کی شناخت کی جاسکتی ہے ان میں ایک اہم نام سراج دہلوی کا ہے۔ انھوں نے سائنس وتکنالوجی کے اس بظاہر ترقی یافتہ دور کی خارجی چمک کے سائے میں انسانیت کی پھیکی پڑتی ہوئی رمق اور اس کی اعلیٰ وارفع قدروں کے زوال کو اپنی شاعری کا اہم موضوع بنایا ہے۔

سراج دہلوی کا اصل نام اوم پرکاش اگروال ہے۔ انھوں نے عہد طفولیت سے ہی تخلیقی مزاج پایا تھا اور شاعری ان کی فطرت میں رچی بسی تھی یہ ان کے والد کا فیض تھا جو علم وادب سے گہری انسیت رکھتے تھے اور اس کے فروغ میں سرگرم حصہ لیا۔ ان کے والد گوپی رام اگروال تقریباً ڈیڑھ درجن کتابوں کے مصنف تھے اور یہ کتابیں مذہبی عقیدے سے متعلق تھیں جو انھوں نے ہندی اور انگریزی میں تحریر کیں۔

اردو سے عدم واقفیت کی بنا پر سراج دہلوی اپنی شاعری کو ابتدائی دنوں میں منظر عام پر لانے سے قاصر رہے۔ ابتدائی 44 سالوں تک انھوں نے اوم پرکاش اگروال کی نسبت سے شاعری کی بعد میں اپنا قلمی نام سراج دہلوی تشخیص کرلیا اور فی الوقت اسی نام سے شاعری کررہے ہیں۔ سراج دہلوی کا شعری سرمایہ نصف صدی پر محیط ہے۔ انھوں نے 1965 میں شعری سفر کا آغاز کیا۔ اب تک ان کی شاعری سے متعلق بشمول 'چاندنی سہمی ہوئی' 22 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ 'چاندنی سہمی ہوئی' ان کی غزلوں کا مجموعہ ہے

جس میں 90 غزلیں شامل ہیں۔

انسانیت کی معراج وتشخص اور معاشرے کی خوشحالی وترقی کے اسباب وتدارک اور اعمال وافعال سراج دہلوی کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔

سراج دہلوی کی غزلوں میں انسانیت کی تعظیم وتکریم کے ساتھ ماں کے احترام و عقیدت کا جذبہ بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ ان کا فکر وشعور اور فہم وادراک معاشرے کی زبوں حالی وکسمپرسی کو خوش حالی وترقی میں تبدیل کردینے کا خواہاں ہے۔ وہ تعمیری اقدام کے لیا اٹھ کھڑے ہوتے ہیں سماج کی پستی وگمرہی پر اظہار تاسف کے علاوہ انھوں نے اس سے نجات کی راہیں بھی تلاش کی ہیں اور عروج وانتہا کے نسخے بھی بتاتے ہیں ان کی شاعری حوصلہ وعزم سے بھرپور ہے اور مضبوط نصب العین اور ثابت قدمی کی باتیں ملتی ہیں یہ شاعر مشرق علامہ اقبال کی شاعری کی یادیں تازہ کرتی ہیں جو ہر لمحہ نئی پود اور نوجوان نسل کو سابقین وفاتحین کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتی ہیں۔

سراج دہلوی کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وقت کا جو متبع بن کے رہا　　وقت اس کو سنوارتا ہے بہت

صدف سے جب کبھی موتی نکالنا ہوگا　　سمندروں کی تہوں کو کھنگالنا ہوگا
ملے گی منزل مقصود شرط ہے اتنی　　کہ حوصلوں کو ارادوں میں ڈھالنا ہوگا

عشق سچا اگر ہو تو سنسار کو سر جھکانا ہی سجدے میں کافی نہیں
بندگی اصل میں بندگی کیا اگر دل جھکایا نہیں بندگی کے لیے

فراق کے ساغر میں غوطہ زن ہوں میں　　مرے نصیب عطا کر وصال یار مجھے

کسی کے واسطے ہستی تلک اپنی فنا کرنا　　یہی اعمال انسانی سخاوت کی نشانی ہے

'چاندنی سہمی ہوئی' کے مطالعے ومشاہدے کی بنیاد پر یہ کلیہ قائم ہوتا ہے کہ سراج دہلوی عہد جدید کے نمائندہ وکامیاب شاعر ہیں اور ان کا تخلیقی تجربہ قابل قدر ہے انھوں نے بڑی اصلی وفطری شاعری کی ہے اور فکر وفن دونوں کی حریت کا پاس ولحاظ رکھا ہے۔ پیش نظر شعری مجموعہ کل 90 غزلوں پر مشتمل ہے اور صفحات ہیں 208 کتاب کا سرورق خوبصورت ودیدہ زیب ہے۔ ابتدا میں شاعر موصوف کے سوانحی اشارے کے بعد سراج دہلوی کی شاعری سے متعلق ڈاکٹر عادل حیات اور اشتیاق سعید کے تاثرات شامل ہیں جس سے ان کی تفہیم وتحسین میں مدد ملے گی۔

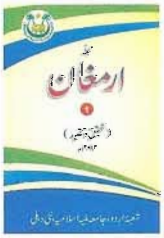

ارمغان (مجلّہ)

صفحات: 592

ناشر: شعبۂ اردو، جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مبصر: انوار الحق، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

زیر تبصرہ مجلّہ ارمغان، شیخ الجامعہ جناب نجیب جنگ کی سرپرستی میں اور پروفیسر خالد محمود، صدر شعبہ کی نگرانی میں شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے شائع ہوکر پہلی دفعہ منظر عام پر آیا ہے۔ شعبۂ اردو نہ صرف یہ کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ایک قدیم شعبہ ہے بلکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور اردو زبان کی ترویج وترقی کی تاریخ میں اس شعبہ نے بیش بہا کارنامے انجام دیے ہیں۔ یہ مجلّہ تحقیق وتنقید سے متعلق خاص کر ان موضوعات پر محیط ہے جن کی ضرورت اردو اسکالرز کو امتحانات کے مدّنظر ہوتی تھی۔ پروفیسر خالد محمود اور ان کے رفقا نے ریسرچ اسکالرز کی ضرورتوں کو سمجھا اور طلبہ دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے اس مجلّے کو ان کے لیے وقف کردیا۔

شعبۂ اردو نے نہ صرف یہ کہ ریسرچ اسکالرز کی ضرورت کے مطابق مضامین اس مجلّے میں شائع کیے بلکہ شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تمام طلبہ وطالبات کو یہ مجلّہ مفت مہیا کرواکر اس بات کو یقینی بنایا کہ طالب علموں کو اس سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم ہوسکے۔ اس مجلّے میں شامل قاضی عبدالودود کا مضمون 'اصول تحقیق' عبدالستار دلوی کا مضمون 'اردو میں لسانی تحقیق کی اہمیت' گوہر نوشاہی کا مضمون 'اقتباسات وکتابیات' اور گیان چند جین کا مضمون 'ضمیمہ، فرہنگ، اشاریہ اور تحقیقی اصطلاحوں کی فرہنگ' کے علاوہ تحقیق کے ذیل میں کل نو ایسے مضامین ہیں جن کا تعلق براہ راست ریسرچ کے طالب علموں کے نصاب سے ہے۔ اس کتاب کے پانچ اہم حصے بنائے گئے ہیں مذکورہ پہلا حصہ تحقیق ہے، جس میں تحقیق کے اصولوں اور ضابطوں سے متعلق معرکتہ الآرا مضامین کو یکجا کردیا گیا ہے جو نہ صرف طالب علموں کے لیے بلکہ ان تمام حضرات کے لیے مفید ہے جو تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں اور اصولوں کی پروا کرتے ہیں۔ ان مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی فن تحقیق سے بہ آسانی واقف ہوسکتا ہے۔ تحقیق کا گرتا معیار آج علم وادب کی دنیا میں ایک بڑا مسئلہ بنتا جارہا ہے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ محققین اصول تحقیق سے واقف نہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی بات ہر کوئی کرتا ہے مگر اس کے حل کے لیے قدم کوئی نہیں بڑھاتا ہے۔ اصول تحقیق اور اصول تنقید یہ دو ایسے اہم اصول ہیں جن کی عدم واقفیت برسوں کی تحقیق کو بے معنی بنادینے کے لیے کافی ہے۔

مجلّہ ارمغان میں جملہ دونوں اصولوں پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے ان اصولوں پر مبنی اہم مضامین کو یکجا کردیا گیا ہے۔ جب بھی ہم اردو تحقیق کا تذکرہ کرتے ہیں ہماری نوک قلم پر قاضی عبدالودود، سید مسعود حسن رضوی ادیب، مالک رام، عبدالستار صدیقی، حافظ محمود خاں شیرانی، مولوی عبدالحق، مشفق خواجہ اور پروفیسر نذیر احمد جیسے لوگوں کے نام آجاتے ہیں اور یہ وہ حضرات ہیں جن کی تحقیقی خدمات کے متعلق مضامین اس کتاب کے تیسرے حصے میں شامل ہیں۔ ان مضامین کے خالق بھی ادبی دنیا کے اہم ستارے ہیں مثلاً قاضی عبدالودود کے متعلق رشید حسن خاں کا مضمون ہے اور حافظ محمود خاں شیرانی کے تحقیقی طریق کار کے تعلق سے خود ان کے بیٹے مظہر محمود شیرانی کا مضمون اس کتاب کی زینت ہے۔

آل احمد سرور، سید احتشام حسین، کلیم الدین احمد، سید عابد علی عابد، نورالحسن نقوی، گوپی چند نارنگ، محمد حسن، شمس الرحمٰن فاروقی، شمیم حنفی اور تنویر احمد علوی کے مضامین تنقید کے ذیل میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے یہ تمام حضرات اپنی خدمات کے اعتبار سے اردو تنقید میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان حضرات کے ان خاص مضامین کو مجلّہ ارمغان کا حصہ بنایا گیا ہے جو اصول تنقید، تنقید کے مسائل، لسانیات، یا نظریات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس مجلّے کے آخری حصے میں عبادت بریلوی کا مضمون 'کاشف الحقائق' محمد ذاکر کا مضمون 'آب حیات' ظفر احمد صدیقی کا مضمون 'شعرالعجم اور تنقید شعرالعجم' اور یعقوب یاور کا مضمون 'دریائے لطافت: ایک بازدید' شامل ہے۔ یہ چار کتابیں جن کے متعلق مضامین اس حصے میں شائع کیے گئے ہیں ملک وبیرون ملک کی مختلف جامعات کے نصاب کا حصہ ہیں۔

تحقیق وتنقید کے معروضی اصولوں، اور ان حضرات کے لیے بھی یہ کتاب نہایت ہی مفید ہے جو اردو تحقیق وتنقید سے روشناس ہونا چاہتے ہیں۔

■

ادارہ

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم

فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ نئی دہلی 110025

ایگزیکیوٹیو بورڈ کی XXXVI ویں میٹنگ کی روداد

تاریخ: 10.01.2013 وقت: 11:30 بجے صبح مقام: بورڈ روم (فرسٹ فلور)، انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر 87-86 لودھی روڈ، نئی دہلی

میٹنگ میں موجود قومی اردو کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر وسیم بریلوی، ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین، پرنسل پبلی کیشن آفیسر جناب نسیم احمد، ایگزیکیوٹیو بورڈ کے ممبر شیخ علیم الدین اسعدی، پروفیسر اختر الواسع، خصوصی مدعو ڈاکٹر پی کے حسین مداور، وزارت کے نمائندے ایس کے ساہا اور ستپال شرما

حاضرین:

(1)	پروفیسر وسیم بریلوی	(وائس چیئرمین، قومی اردو کونسل)
(2)	پروفیسر اختر الواسع	(رکن)
(3)	جناب شیخ علیم الدین اسعدی	(رکن)
(4)	ڈاکٹر پی کے حسین مداور	(خصوصی مدعو)
(5)	ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین	(ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)

وزارت کے نمائندگان:

(1) جناب پی کے ساہا (ڈی ایس [لینگو یجیز] وزارت فروغ انسانی وسائل)

(2) جناب ستپال شرما (اے ایف اے [فائنانس] وزارت فروغ انسانی وسائل)

افتتاحی کلمات میں قومی کونسل کے نائب چیئرمین نے ڈائرکٹر اور ایگزکیٹو بورڈ کے اراکین کو خوش آمدید کہا جس کے بعد ایجنڈا کے آئٹم پر گفتگو شروع ہوئی:

آئٹم نمبر XXXVI.1	**روداد کی تصدیق**
	ایگزیکیٹو بورڈ کی XXXV ویں میٹنگ منعقدہ 18-10-2012 کی روداد کی تصدیق کی گئی اور ریکارڈ میں محفوظ کرلیا گیا۔
آئٹم نمبر XXVI.2:	**عمل درآمد رپورٹ**
	ایگزکیٹو بورڈ کی میٹنگ منعقدہ 18 اکتوبر 2012 کی روداد پر عمل درآمد رپورٹ مطالعہ میں لائی گئی اور ریکارڈ میں محفوظ کی گئی۔ آئٹم نمبر XXXV.16: دیگر آئٹم--- فیصلہ لیا گیا کہ اسٹاف کی نگرانی کے لیے قومی کونسل کی آفس میں بایومیٹرک مشین نصب کی جائے گی۔ ایگزکیٹو بورڈ کی میٹنگ منعقدہ 18-10-2012 کی روداد کے آئٹم نمبر 2 سے متعلق وزارت کے مشاہدہ پر مبنی مراسلہ مورخہ 22-12-2012 کے بموجب DS (L) اور (IFD) AFA نے اتفاق کیا کہ قومی کونسل ہدایت نامہ کے زمرے میں آنے والے افراد کو فائدہ پہنچا سکتی ہے جس کے لیے ایک سال کے اندر زیر غور لائی گئی تجاویز کی روشنی میں ایک اسکیم تیار کرنی ہوگی اور اس کے لیے ضوابط اور پیمانے متعین کرنے ہوں گے۔ کاغذات کی مناسب جانچ پڑتال کرنے کے بعد فنڈ کی فراہمی اور مبلغ کی مقدار کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔
آئٹم نمبر XXXVI.3:	**قومی کونسل کے ملازمین کی پنشن اور مستحقات کے لیے CAG کے نئے طریقہ حساب کے شیڈول B-7 کے مطابق کورپس فنڈ کو عمل میں لانا۔**
	قومی کونسل کے مستقل ملازمین کے ریٹائرمنٹ کے حقوق کے کورپس فنڈ کو جاری رکھنے کے CAG کے مطالعہ کو دھیان میں رکھتے ہوئے ایگزکیٹو بورڈ نے فائنانس کمیٹی کی تجویز کو اپنی میٹنگ منعقدہ 26-12-2011 میں منظوری دی۔ قومی کونسل کے ڈائرکٹر کے نام سے ایک علیحدہ اکاونٹ (ریٹائرمنٹ حقوق) کھولنے، 31-12-2012 تک بقایہ پنشن کو ٹرانسفر کرنے اور اس کے بعد ہر سال وزارت سے حاصل شدہ گرانٹ ان ایڈ اور داخلی آمدنی سے DOP&T کی ہدایت کے مطابق مسلسل ٹرانسفر کی منظوری دی۔

چوں کہ کورپس فنڈ کو کسی قومی بینک میں عملی جامہ پہنایا جاتا ہے، قومی کونسل اسٹیٹ بینک آف انڈیا، جسولا برانچ میں ڈائرکٹر قومی کونسل کے نام ایک سیونگ اکاؤنٹ (ریٹائرمنٹ حقوق) کھولے گی اور مندرجہ ذیل سالوں میں حاصل شدہ گرانٹ ان ایڈ کے علاوہ رقم سے مبلغ 18969070 روپے مذکورہ بالا اکاؤنٹ میں منتقل کرے گی تاکہ پنشن مع حقوق کو بحال رکھ سکے۔

الف: سال 13-2012 میں وزارت سے حاصل شدہ گرانٹ کے علاوہ= 1,00,00000 ایک کروڑ روپے۔

ب: سال 14-2013 میں گرانٹ کے علاوہ = -/89,69070 (بشمول مستقل بقایہ سال 2012)

ج: بعدازاں ہر آنے والے سال کے گرانٹ سے گزشتہ سال کی بقایہ رقم منتقل کی جائے گی۔

اے ایف اے اور آئی ایف ڈی نے بہرحال توجہ دلائی کہ وزارت کو اطلاع دی جاتی رہے۔

آئیٹم نمبر XXXVI.4: تین سالہ جامع کورس 'اردو زبان میں ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس'، 'اردو زبان میں ایک سالہ ڈپلومہ کورس' اور 'اردو زبان میں ایک سالہ ایڈوانسڈ ڈپلومہ کورس' شروع کرنے کی تجویز پر غور وفکر۔

ایگزکٹیو بورڈ کے ذریعہ تجویز کو بحیثیت مجموعی منظوری دی گئی۔

فیصلہ ہوا کہ مالی اور انسانی وسائل کے پہلوؤں کو شامل کرتے ہوئے اسکیم میں ترمیم کی جائے گی۔ نظر ثانی شدہ اسکیم ایگزکٹیو بورڈ کی آئندہ میٹنگ میں پیش کی جائے گی۔

آئیٹم نمبر XXXVI.5: قومی کونسل کے اسٹاف کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی تجویز پر غور۔

فیصلہ لیا گیا کہ MoA اور FRSR کی ہدایت کے حوالے سے تجویز کو پرکھا جائے گا۔ اس کے بعد اسے وزارت میں بھیجا جائے گا۔

آئیٹم نمبر XXXVI.6: قومی کونسل کے ذریعہ عالمی اردو کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پر غور وفکر۔

تجویز منظور نہیں کی گئی۔

آئیٹم نمبر XXXVI.7: دوردرشن، پرائیوٹ ایجنسیوں اور افراد کے ذریعہ لئے گئے نابغۂ روزگار اردو اسکالرس کے انٹرویو، مشاعرے، مباحثے اور تقریروں کی کم یاب آڈیو اور ویڈیو کی دستاویز کو ڈیجیٹائز کرنے کی تجویز پر غور وفکر۔

بورڈ نے بشمول پروفیسر امتیاز احمد، ڈائرکٹر خدابخش لائبریری، پٹنہ مندرجہ ذیل پینل کی منظوری دی تاکہ وہ پینل نظر ثانی کرے اور معیار واہلیت کے حوالے سے مالیاتی حد کی سفارش کرے۔

الف: پروفیسر زیڈ اے وسیم بریلوی، نائب چیئرمین، قومی کونسل — ب: جناب بشارت احمد، سابق ڈائرکٹر، دوردرشن دہلی،

ج: جناب شکیل شمسی، سابق پروڈیوسر اینڈ ایسوسی ایٹ، دوردرشن — د: ڈاکٹر شکیل اختر، پروڈیوسر جامعہ ریڈیو، ایم سی آر سی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ہ: پروفیسر معین الدین جینابڑے، جواہرلال نہرو یونیورسٹی — و: پروفیسر امتیاز احمد، ڈائرکٹر خدابخش لائبریری، پٹنہ

ز: ڈائرکٹر قومی کونسل۔ کنوینر

یہ بھی فیصلہ لیا گیا کہ قومی کونسل منظور شدہ ڈیجیٹلائزڈ دستاویزات کی ذخیرہ اندوزی اور اس کی حفاظت کے عمل اور اسکیم کو فروغ دے گی۔

آئیٹم نمبر XXXVI.8: NIELIT چنڈی گڑھ کے اشتراک سے موجودہ CABA-MDTP مراکز میں اردو میڈیم سے 'ڈپلومہ ان الکٹرونکس اینڈ انرجی ایفیسینٹ پروڈکٹس' کا ضرورت پر مبنی پیشہ ورانہ کورس شروع کرنے پر غور وفکر۔

اردو میڈیم سے 'ڈپلومہ ان الکٹرونکس اینڈ انرجی ایفی سینٹ پروڈکٹس' شروع کرنے کی منظوری دی، جس کے اخراجات کلی طور پر وزارت مواصلات و اطلاعاتی ٹکنالوجی کے ذمے ہوگا اور NIELIT چنڈی گڑھ کے اشتراک سے اس کورس کو چلایا جائے گا۔

آئیٹم نمبر XXXVI.9: ٹیکنیکل ایجوکیشن کی ذیلی کمیٹی کی میٹنگ منعقدہ 2012-11-8 اور 2012-12-28 کی روداد کی تصدیق۔

ٹیکنیکل ایجوکیشن کی ذیلی کمیٹی کی میٹنگ منعقدہ 2012-11-08 اور 2012-12-28 کی روداد کی تصدیق آئیٹم نمبر 2 میں مندرجہ ذیل ترمیم کے ساتھ کی گئی۔

کمپیوٹر اپلی کیشن، بزنس اکاؤنٹنگ اور ملٹی لنگول ڈی ٹی پی مراکز کی اسکیم کے تحت کمپیوٹر مراکز ایسے تعلیمی اداروں میں قائم کیے جائیں گے جو مرکزی یا ریاستی حکومتوں سے منظور شدہ ہوں اور دسویں کلاس تک اردو زبان کی تعلیم دیتے ہوں	منظور شدہ/اچھی شہرت کے حامل ایسے غیر سرکاری تعلیمی ادارے جو تعلیمی سرگرمیوں اور اردو زبان کے فروغ میں مصروف ہوں ان کے اندر CABA-MDTP مراکز کا قیام قابل غور ہوگا بشرطیکہ مذکورہ غیر سرکاری تنظیم پلاننگ کمیشن میں رجسٹرڈ ہو

اسکیم کے دیگر مشمولات میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

آئیٹم نمبر XXXVI.10: تصنیف، ایڈیٹنگ، تالیف، ترجمہ، تصحیح ونظر ثانی اور پروف ریڈنگ وغیرہ کے نظر ثانی شدہ معاوضہ پر غور وفکر جو 2011-10-3 سے قابل عمل سمجھا جائے گا۔

فیصلہ لیا گیا کہ تصنیف، ایڈیٹنگ، تالیف، ترجمہ، نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کا نظر ثانی شدہ معاوضہ ایگزکٹیو بورڈ کی میٹنگ منعقدہ 2011-10-3 جس میں اسے منظوری دی گئی تھی اسی وقت سے ہی نافذ العمل قرار پائے گا۔

2011-10-2 یا اس سے قبل تفویض کردہ کام کا معاوضہ 2011-10-3 سے قبل قومی کونسل کی پرانے شرح کے مطابق ادا کیا جائے گا۔

چیئرمین کے شکریہ کے ساتھ میٹنگ اختتام پذیر ہوئی۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

پروفیسر وسیم بریلوی
وائس چیئرمین قومی کونسل
برائے فروغ اردو زبان

یونیورسٹیوں کی اردو سرگرمیاں

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

سرسید اور آزاد

علی گڑھ: شعبۂ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد خصوصی لیکچر 'معاشرہ میں تکثیری مسائل پر سرسید اور مولانا آزاد کے افکار کا مطالعہ' سے خطاب کرتے

ہوئے دہلی اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پدم شری پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ سرسید احمد خاں کی تہذیبی اور علمی فکر کے بغیر جس طرح جدید ہندوستان کی تاریخ مرتب نہیں کی جاسکتی اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی علمی خدمات اور سیاسی افکار کے بغیر موجودہ ہندوستان کی بھی تاریخ کا تصور ممکن نہیں ہے۔ انھوں نے جدید ہندوستان کے تناظر میں کہا کہ دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہوچکی ہے اور ایک ملا جلا تکثیری سماج نہ صرف ضرورت بلکہ مجبوری بن چکا ہے۔ صدرِ جلسہ معروف استاد پروفیسر محمود الحق نے رسید کے مذہبی افکار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس موضوع پر علمی تحقیقی اور معروضی انداز میں سوچنے کی ضرورت ہے۔ پروگرام کے کنوینر پروفیسر ظفر الاسلام نے سرسید احمد خاں کی شخصیت اور ان کے بے مثال علمی اور عملی کاوشوں کے ساتھ جدید ہندوستان میں مولانا آزاد کی فکری اساس پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 10 مارچ 2013

نقش عرفان وتصوف درزبان فارسی

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مرکز تحقیقاتِ فارسی کے زیرِ اہتمام 'نقشِ عرفان وتصوف درزبان فارسی' عنوان کے تحت منعقدہ سہ روزہ سیمینار کا افتتاحی جلسہ آرٹس فیکلٹی لاؤنج میں منعقد ہوا جس کی صدارت وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ضمیرالدین شاہ نے اور افتتاح اقلیتی کمیشن کے چیئرمین وجاہت حبیب اللہ نے کیا۔ ہندوستان میں ایران کے سفیر غلام رضا انصاری نے مہمانِ خصوصی اور ایران کلچر ہاؤس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر علی فولادی اور قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان دہلی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نے مہمانِ اعزازی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب ایس ڈی اے ایس لندن نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی کے تاریخ کے استاد پروفیسر چارلس میلولے اور اے ایم یو کے پرووائس چانسلر برگیڈیئر (ریٹائرڈ) سید احمد علی افتتاحیہ جلسہ کے اسپیشل گیسٹ تھے۔ سیمینار کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے مرکز کی ڈائرکٹر پروفیسر آزرمیدخت صفوی نے کہا کہ تصوف کا خون ہم تمام لوگوں کے خون میں دوڑتا ہے۔ عارف ایک انسان دوست ہوتا ہے۔ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے وائس چانسلر جنرل ضمیرالدین شاہ

نے کہا کہ ہندوستان اور ایران دونوں ممالک صوفیانہ عقائد وفکر کا محور رہے ہیں۔ ایران کے سفیر غلام رضا انصاری نے ہندوستان اور ایران کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ تعلق نہایت قدیم ہے اور عہدِ حاضر تک خوشگوار ہے۔ انھوں نے سیمینار کے موضوع کے انتخاب پر پروفیسر صفوی کا شکریہ ادا کیا اور انھیں مبارکباد دی۔ پروفیسر چارلس میلولے نے کہا کہ تصوف ایک نیچورل ٹینڈینسی ہے۔ اس کی مختلف تعریف کی جاتی ہے اور اس کے تعلق سے مختلف عقائد موجود ہیں۔ انھوں نے کہا کہ شاہ نامہ میں بھی Mystical Sentiments موجود ہیں خواجہ محمد اکرام الدین نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس لفظ تصوف کے تعلق سے آج تمام دنیا میں گفتگو ہورہی ہے اور اس سے بہت سی غلط فہمی بھی پیدا ہورہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان کو اگر دنیا میں کئی اعتبار سے شناخت حاصل ہے تو ایک یہ بھی ہے کہ یہ محبت وعقیدت کا بھی حصہ رہا ہے اور تصوف کے نظریات فارسی کے راستے سے اردو تک آئے ہیں۔ پرووائس چانسلر سید احمد علی نے کہا کہ تصوف بغیر عرفان کے وجود میں نہیں آسکتا یعنی اس کے لیے علم اور wisdom ضروری ہے۔ صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے وجاہت حبیب اللہ نے ایران اور ہندوستان کے قدیم تعلقات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ تاج محل ہند ایرانی آرٹ کا مظہر ہے۔ ہندوستان میں بے شمار فرامین واسناد فارسی زبان میں ہیں۔ اس موقعے پر مرکز تحقیقات سے شائع ہونے والی سات کتابوں کا وائس چانسلر، وجاہت حبیب اللہ، ایرانی سفیر اور پرووائس چانسلر کے ہاتھوں اجرا ہوا۔ روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 10 مارچ 2013

اردو طلبا کا استقبال

علی گڑھ: ڈاکٹر بابا امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی اورنگ آباد شعبہ کی اُردو کے طلبا وطالبات کی علی گڑھ آمد پر مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں ریسرچ ایسوسی ایشن کی جانب سے ایک استقبالیہ جلسے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت صدر شعبۂ اردو پروفیسر محمد زاہد نے کی۔ جلسے میں استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر سید محمد امین میاں قادری نے کہا کہ اورنگ آباد جہاں سے آپ لوگ تشریف لائے ہیں وہ جنوبی ہندوستان میں اردو کا مرکز ہے اور وہاں کے ادیبوں اور شعرا کے ذریعے کیے گئے کارہائے نمایاں کو اردو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ اورنگ آباد سے تشریف لائی شعبہ اردو کی پروفیسر ڈاکٹر مسرت فردوس نے کہا 1970 سے یونیورسٹی میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی تحقیق کا کام جاری ہے۔ 1999 میں باقاعدہ شعبہ اُردو کا قیام عمل میں آیا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شعبہ اردو کے صدر پروفیسر محمد زاہد نے صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ایک یونیورسٹی سے دوسری یونیورسٹی میں آئے طلبا کے ٹور بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کیونکہ انھیں وہاں کی روایات کے ساتھ ساتھ بیشتر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جلسے کی نظامت پروفیسر صغیر افراہیم نے کی۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، یکم مارچ 2013

دہلی یونیورسٹی

شعبۂ اردو میں خصوصی خطبہ

نئی دہلی: دہلی یونیورسٹی کی آرٹس فیکلٹی میں شعبہ اردو کے زیر اہتمام منعقد کیے گئے 'نظام سالانہ اردو خطبات' کے تحت 'عصر حاضر میں اردو کی صورتِ حال اور حکومت کی ذمے داریاں' کے موضوع پر خصوصی کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے اتراکھنڈ کے گورنر عزت مآب ڈاکٹر عزیز قریشی نے کہا کہ آزاد ہندوستان میں اردو اور اردو والوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی ہے۔ جن ریاستوں میں اردو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا وہاں بھی اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈی یو کے پرووائس چانسلر پروفیسر وویک سنیجا نے پروگرام کی صدارت کی۔ جب کہ مہمان اعزازی کے طور پر پروفیسر عبدالستار دہلوی، شاہد علی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر محمد ظاہر اور پروفیسر سید محمد ہاشم نے شرکت کی۔ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر توقیر احمد خان نے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے عزت مآب گورنر اتراکھنڈ ڈاکٹر عزیز قریشی کا مکمل تعارف پیش کیا۔ پروگرام کا آغاز اور اختتام قومی ترانہ سے ہوا اور شروع میں تمام مہمانان کا استقبال کیا گیا۔ پروفیسر توقیر احمد خاں نے آخر میں تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ ریسرچ اسکالر شمیم احمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا طغریٰ مہمانِ خصوصی ڈاکٹر عزیز قریشی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 21 فروری 2013

دہلی یونیورسٹی کے ہر کالج میں اردو کی تعلیم ممکن

نئی دہلی: دہلی یونیورسٹی کے پرووائس چانسلر پروفیسر وویک سنیجا نے بتایا کہ ڈی یو انتظامیہ نے دہلی یونیورسٹی میں اگلے تعلیمی سال 14-2013 سے اپنے ہر کالج میں ایسا نظم کیا ہے جس سے کہ ہر کالج میں اردو پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان محض ایک زبان نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب ہے۔ انھوں نے کہا کہ دہلی یونیورسٹی نے ایم اے کے طلبا کے لیے انٹرڈسپلینری کورس کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے اور دہلی یونیورسٹی میٹا کالجز سسٹم کے ذریعے ڈی یو کے ہر کالج میں اردو تعلیم کا انتظام کرنے کی تیاری کررہی ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 24 فروری 2013

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

رابندر ناتھ ٹیگور: اکیسویں صدی میں

نئی دہلی: ٹیگور نے ہندستانی تہذیب کو پوری دنیا کے نقشے پر نمایاں کیا جس سے ہندستان کی قدیم اور مقامی تہذیب وثقافت کی شہرت عالم گیر سطح پر ہوئی۔ ٹیگور کثیرالجہات شخصیت کے حامل تھے۔ ان کا ذہن بے حد زرخیز تھا۔ انھوں نے اردو فکشن، شاعری، ڈرامہ، مصوری، موسیقی، ناول ہر میدان میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ یہ بے حد خوشی اور حیرت کی بات ہے کہ شعبہ اردو میں کسی غیر اردو شاعر و ادیب پر اس قدر اہم سہ روزہ سیمینار کا انعقاد دوسری بار اس قدر شاندار اور منظم ڈھنگ سے کیا گیا اور سیمینار میں بے حد علمی تحقیقی اور معیاری مقالات پیش کیے گئے۔ ٹیگور نے بنگلہ زبان و ادب کو کلاسیکیت کے حصار سے باہر نکالا اور مقامی بولی کو اپنے ادب میں شامل کیا۔ ٹیگور نے سانحہ جلیاں والا باغ کے بعد اپنا خطاب واپس کر دیا۔ وہ ایسے اکیلے دانشور ہیں جن کا قومی ترانہ ہندوستان اور بنگلہ دیش دونوں ملکوں میں ہے۔ ان خیالات کا اظہار 'ٹیگور ریسرچ اینڈ ٹرانسلیشن اسکیم' شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے منعقدہ سیمینار میں دانشوروں نے کیا۔ اسکالرز نے ان خیالات کا بھی اظہار کیا کہ جامعہ ابتدا سے روشن خیالی کا گہوارہ اور علم و ادب کا مرکز رہا ہے۔ ٹیگور نہ صرف ہندوستانی ادبیات کا بلکہ عالمی ادب کی وراثت کا حصہ ہے جس نے انسانی وحدت کا پیغام دیا۔ ہندوستانی ادبیات کے اس عظیم فن کار کے حوالے سے جامعہ میں وزارت ثقافت حکومت ہند کی جانب سے پروجیکٹ کا مکمل کیا جانا ایک تاریخی عمل ہے۔ یکم تا 3 مارچ 2013 تک منعقدہ اس سیمینار میں ملک کے ممتاز دانشوروں اور ادیبوں کا اجتماع رہا۔ افتتاحی اجلاس میں ڈاکٹر عزیز قریشی گورنر اتراکھنڈ بطور مہمان خصوصی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ بطور مہمان اعزازی شریک ہوئے۔ جبکہ جلسے کی صدارت جامعہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ (آئی اے ایس) نے کی اور کلیدی خطبہ پرسار بھارتی کے سی ای او اور ٹیگور شناس جناب جواہر سرکار (آئی اے ایس) نے پیش کیا۔ اس سیمینار میں ملک بھر سے آئے دانشوروں نے ٹیگور کے نئے گوشوں پر کئی اہم تحقیقی، علمی اور بصیرت افروز مقالے پیش کیے اور اسی موقع پر شعبے کی جانب سے پروفیسر خالد محمود اور پروفیسر شہزاد انجم کی مرتب کردہ کتاب 'رابندر ناتھ ٹیگور: فکروفن' کے عنوان سے تحقیقی مقالات پر مبنی ایک مبسوط اور ضخیم کتاب کی رسم اجرا بھی گورنر اتراکھنڈ کے ہاتھوں انجام پائی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اس عظیم الشان سیمینار میں 37 مقالات پیش کیے گئے۔ اختتامی اجلاس میں بطور مہمان خصوصی پروفیسر سید محمد راشد، پرووائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے شرکت فرمائی اور صدارت پروفیسر عتیق اللہ نے کی۔ آخر میں شعبہ کے صدر پروفیسر وہاج الدین علوی اور ٹیگور پروجیکٹ کے کوآرڈینیٹر پروفیسر شہزاد انجم نے شیخ الجامعہ جناب نجیب جنگ، رجسٹرار جامعہ پروفیسر سید محمد ساجد، سبھی مندوبین، اسکالرز، صدور، مقالہ نگار، طلبا و طالبات، جامعہ کے کارکنان اور سبھی شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: شہزاد انجم، پروفیسر شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی 8 مارچ 2013

اسلامی فن خطاطی نمائش

نئی دہلی: روزنامہ سیاست حیدرآباد کے زیر اہتمام اسلامی خطاطی کی نمائش کا افتتاح محترمہ شیلا ڈکشٹ وزیر اعلیٰ حکومت دہلی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ نمائش کے افتتاح کے بعد محترمہ شیلا ڈکشٹ نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قرآنی خطاطی کے فن پارے دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی اور یہ میرے لیے باعث سعادت ہے۔ جناب نجیب جنگ وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے فن خطاطی کے قرآنی شہ پاروں کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک انتہائی اہم ترین نمائش ہے اور جامعہ

ملیہ اسلامیہ میں اس کا انعقاد ہمارے لیے انتہائی خوشی کا باعث ہے۔ پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ دہلی کے وزیر اعلیٰ محترمہ شیلا ڈکشٹ کے ہاتھوں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ کی صدارت اور سعودی عرب کے سفیر کی موجودگی میں اس نمائش کا افتتاح اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن سب سے پہلے جس عرب کی سرزمین پر نازل ہوا، سنا اور لکھا گیا موجودہ سفیر اسی سرزمین مقدس کی نمائندگی کرتے ہیں اور آج چودہ سو برس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد قرآن انسانیت کی فلاح و صلاح کا کامل منشور تو ہے ہی لیکن ساتھ میں اس کے حوالہ سے خطاطی فنون لطیفہ میں اپنی جگہ بنا چکی ہے۔ اس نمائش کا اہتمام ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز کے تعاون سے مقبول فدا حسین آرٹ گیلری، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں کیا گیا۔ اسلامی خطاطی کے ماہرین جناب

محمد نعیم صابری، جناب شیخ محمد عبداللطیف فاروقی، جناب سید نصیر الدین وقار، جناب عبدالنصیر سلطان بھی اس موقع پر موجود تھے۔ سفیر سعودی عرب ہزایکسیلینسی ڈاکٹر سعود محمد الساطی، محمد محسنی فرد، پولیٹیکل کونسلر (سعودی سفارت خانہ نئی دہلی)، جناب سید مجتبیٰ ہاشمی، جناب محمد صابر فہیم، جناب یا حبیب، محترمہ ثریا، محترمہ کریمہ، محترمہ لیلا ماں نوری (''کابل ٹائمس'') بھی اس تقریب میں شریک تھے۔ نمائش کی افتتاحی تقریب کے موقع پر جناب سید شہاب الدین سابق ایم پی کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے اساتذہ اور طلبہ کی کثیر تعداد شریک تھی۔ روزنامہ سیاست حیدرآباد کے ایڈیٹر جناب زاہد علی خاں، جناب ظہیر الدین علی خاں مینیجنگ ایڈیٹر سیاست، جناب عامر علی خاں نیوز ایڈیٹر سیاست نے نمائش کے انتظامات کی نگرانی کی اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

پریس ریلیز، پروفیسر اختر الواسع، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، 11 مارچ 2013

منشی نول کشور لیکچر

نئی دھلی: فارسی زبان و ادب میں ہندی الفاظ بڑی تعداد میں آہستہ آہستہ شامل ہوتے رہے، جس کے نتیجے میں یہاں فارسی میں ہندوستانی الفاظ کی کثرت پائی جانے لگی۔ دہلی اور دکن کے صوفیا کے ملفوظات کے ذریعے ادب میں عوامی زبان کی رسائی ممکن ہوئی۔ ان خیالات کا اظہار دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے پروفیسر چندر شیکھر نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو کے زیر اہتمام منعقد کیے گئے تیسرے منشی نول کشور یادگاری خطبہ کے موقعے پر 'ہندوی اور ہندوستانی فارسی ادب' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔ منشی نول کشور یادگاری خطبہ کی صدارت پروفیسر محمد ذاکر نے کی جب کہ ڈاکٹر کوثر مظہری نے منشی نول کشور کا تعارف پیش کیا۔ اس موقعے پر جامعہ کے شعبۂ اردو کی صدر پروفیسر شہناز انجم نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، جبکہ نظامت اس خطبے کے کنوینر ڈاکٹر احمد محفوظ نے کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 13 فروری 2013

جواهر لال نهرو یونیورسٹی

فارسی روایات پر توسیعی خطبہ

نئی دھلی: سنٹر آف سوشل سسٹم، اسکول آف سوشل سائنسز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے زیر اہتمام 'ہندوستان میں فارسی روایات اور جدید رجحانات' کے موضوع پر توسیعی خطبہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقعے پر مقرر ڈاکٹر اخلاق آہن نے تاریخی حوالوں سے ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کی ثقافتی و تہذیبی اہمیت و افادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ ہندوستان کی تہذیبی زندگی کے تقریباً تمام گوشوں پر سب سے گہرے اثرات فارسی روایات کے رہے ہیں۔ دنیا میں ہندوستان تہذیب و ثقافت کی شناخت انھیں روایات کے ذریعے ہوئی ہے۔ اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر سجا تا وینکٹیش نے کی۔ خطبے کے بعد بڑی تعداد میں موجود اساتذہ وطلبا نے بحث میں حصہ لیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، مارچ 2013

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

شاہان دکن کا فارسی زبان و ادب کے فروغ میں حصہ

حیدر آباد: مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں ایک بین الاقوامی سیمینار 'عادل شاہانِ دکن کا فارسی زبان، ادب و ثقافت کے فروغ میں حصہ' کے زیر عنوان سے ڈی ڈی آڈیٹوریم میں افتتاحی اجلاس منعقد ہوا جس میں پروفیسر محمد میاں، وائس چانسلر مانو نے افتتاحی اجلاس کی صدارت کی۔ ممتاز مورخ اور ماہر آرٹ جناب جگدیش متل، مہمانِ خصوصی اور پروفیسر شرف عالم، سابق وائس چانسلر ایم ایچ، عربی وفارسی یونیورسٹی، پٹنہ مہمانِ اعزازی تھے۔ اس سے قبل پروفیسر محمد میاں نے مرکز برائے اردو زبان، وادب وثقافت میں 'بیجاپور کے فارسی ورثے' کے موضوع پر آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (ناگپور) کی تصویری نمائش کا افتتاح انجام کیا۔ ڈاکٹر شکیب نے کہا کہ 1327 میں سلطان محمد بن تغلق کا دہلی سے دکن کو پایۂ تخت میں تبدیل کرنا ایک اہم تاریخی واقعہ تھا جس نے اس علاقے کو کئی طرح سے تبدیل کر دیا۔

روزنامہ 'ہمارا مقصد' دہلی، 27 فروری 2013

مانو کے لکھنؤ کیمپس میں توسیعی خطبہ

لکھنؤ: حکمت اور عقل مندی سے کائنات کے معمے کو حل نہیں کیا جاسکتا بلکہ انسان دوستی اور خود شناسی کا جذبہ ہی عالمی برادری کی میراث ہے۔ مطالعہ ادبیات کا پہلا سبق ہی انسان دوستی اور خدمت خلق سے عبارت ہے جس کی توسیع صوفیائے کرام کے ساتھ ساتھ ادب وشعر

سے وابستہ شخصیات نے کیا جس کی سربراہی کا سہرا شیخ سعدی اور مولانا روم کے سر باندھا جاسکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر آزرمی دخت صفوی نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کے لکھنؤ کیمپس کے زیر اہتمام توسیعی خطبے کے دوران رائے اوماناتھ بلی آڈیٹوریم کے جے شنکر ہال میں 'فارسی ادبیات میں عرفانیاتی انسان دوستی کے نقوش' کے موضوع کے تحت کیا۔ خطبے کی صدارت انٹیگرل یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر وسیم اختر نے فرمائی۔ مانو لکھنؤ کیمپس کے انچارج ڈاکٹر عبدالقدوس نے خیر مقدمی کلمات کہے۔ ڈاکٹر سرفراز احمد خاں نے کلمات تشکر ادا کیے جبکہ ڈاکٹر عشرت ناہید نے نظامت کا فریضہ انجام دیا۔ صدارتی خطاب میں پروفیسر وسیم اختر نے کہا کہ صوفیا نے معرفت الٰہی کے حصول کا جو راستہ اختیار کیا اس میں خلق خدا سے قربت اور ان کی غم گساری کے جذبے موجزن رہے ہیں۔ کیمپس کے انچارج ڈاکٹر عبدالقدوس نے مہمانوں اور حاضرین کا خیر مقدم کیا اور یونی ورسٹی کی علمی سرگرمیوں سے واقف کرایا۔ انھوں نے کہا کہ علم و دانش کی جو روایت ایران سے ہندستان تک پھیلی ہوئی ہے ہمیں اس روایت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ڈاکٹر سرفراز احمد خاں نے مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز، ڈاکٹر عبدالقدوس، انچارج، مانو لکھنؤ کیمپس، 26 مارچ 2013

مانو کی نہرو اسٹڈیز ورکشاپ

نئی دھلی: یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے چیئرمین پروفیسر وید پرکاش انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے 'سنٹرل فار جواہر لال نہرو اسٹڈیز' کے تحت 22 سے 24 فروری تک جاری 3 روزہ ورکشاپ کی

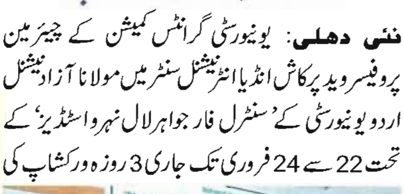

افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی ہمہ جہت ترقی اور قومی تعمیر کے تئیں پہلے وزیر اعظم کے کمٹمنٹ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پروفیسر وید پرکاش نے زور دے کر کہا کہ پنڈت نہرو کی کتابوں کا اردو ترجمہ ہونا چاہیے اور ان کو قاری تک پہنچایا بھی جانا چاہیے۔ اس موقعے پر سنٹر کی طرف سے ترجمہ شدہ نہرو پر 3 کتابوں کا اجرا بھی پروفیسر پرکاش کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ ورکشاپ کی صدارت کرتے ہوئے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر محمد میاں نے اس امر پر زور دیا کہ پنڈت نہرو کی تمام تر تحریری کاوشوں کو معیاری اردو ترجمہ کے ساتھ ان لوگوں تک پہنچایا جانا چاہیے جو ابھی تک اس

سے نا آشنا ہیں۔ ورکشاپ کے افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ دیتے ہوئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر سید شاہد مہدی نے کہا کہ عالمی تاریخ پر جواہر لال نہرو کی نظر اور مسلم دنیا کے تعلق سے ان کا نظریہ قابل ستائش ہے۔ سید شاہد مہدی نے کہا کہ نہرو کی تمام کتابوں کا اردو میں معیاری ترجمہ ہونا چاہیے اور انھیں خوشی ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے سنٹر فار جواہر لال نہرو اسٹڈیز کے تحت یہ کام بحسن وخوبی انجام پا رہا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر محمود الرحمان نے کہا کہ پنڈت نہرو عظیم مفکر، ادب نواز، زبان شناس اور دور اندیش تھے۔ آج کے دور میں ان کے نظریہ کی افادیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ سنٹر فار جواہر لال نہرو اسٹڈیز کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شاہد پرویز نے اپنے خیر مقدمی کلمات میں سنٹر کے اغراض ومقاصد اور اب تک کی کارکردگی کا تفصیلی تذکرہ کیا۔

پریس ریلیز، شاہد پرویز، مانو، دہلی ریجنل سنٹر، 15 مارچ 2013

ممبئی یونیورسٹی

عربی واردو کے باہمی ادبی تراجم

ممبئی: شعبہ عربی ممبئی یونیورسٹی کی جانب سے منعقدہ 2 روزہ قومی سیمینار کے افتتاحی اجلاس کے مہمان خصوصی جناب نواب ملک نے کہا کہ عربی دنیا کی قدیم ترین زبان ہے جب کہ اس کے مقابلے اردو کا شمار جدید ترین زبانوں میں ہوتا ہے لیکن دونوں زبانوں کے درمیان علمی و ادبی اور مذہبی تراجم کی شاندار روایت رہی ہے۔ حکومت مہاراشٹر کے سابق وزیر اور ایم ایل اے نواب ملک نے دونوں زبانوں کے درمیان ترجمے کے عمل کو افکار وخیالات کے دائرے کو وسعت عطا کرنے کا اہم وسیلہ قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ دنیا کے اقتصادی نظام کو استحکام عطا کرنے میں کسی نہ کسی سطح پر عربی کا بھی کردار ہے جس کی ایک چھوٹی سی مثال ہندوستان کے وہ ہزاروں افراد ہیں جو خلیج ممالک میں حصول رزق کے لیے جاتے ہیں۔ شعبہ عربی کے کارگزار صدر پروفیسر صاحب علی کی مخلصانہ کاوشوں کا اعتراف کرتے ہوئے نواب ملک نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ یہ سیمینار عربی اور اردو کے باہمی تراجم اور ان زبانوں سے وابستہ مخصوص تہذیبی منظر نامہ کو نمایاں کرنے میں معاون ہوگا۔ افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر عبدالستار دلوی نے کہا کہ اردو کے معروف ومستند صاحبان قلم سے عرب دنیا کی بڑھتی دلچسپی کے سبب وہاں اردو ادیبوں اور شعرا کی نگارشات کے تراجم بہت ذوق اور باقاعدگی کے ساتھ کیے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے خصوصی طور پر مصر کا ذکر

کرتے ہوئے کہا کہ وہاں کے جامعات میں سرسید، حالی، شبلی، ڈپٹی نذیر احمد اور اقبال کے تراجم کے ساتھ ہی عہد حاضر کے دیگر معیاری صاحبان قلم کی تخلیقات کے ترجمے ہوئے ہیں۔ دہلی کے پروفیسر نعمان خان نے صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے سیمینار کی کامیابی کی امید ظاہر کی اور پروفیسر صاحب علی کی سربراہی میں شعبۂ عربی کی سرگرمیوں کو اس کے روشن مستقبل کا اشاریہ قرار دیا۔ شعبۂ عربی کے کارگزار صدر پروفیسر صاحب علی نے افتتاحی اجلاس کے آغاز میں سیمینار کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ موضوع کے حوالے سے عربی و اردو میں مختلف علوم وفنون سے متعلق تخلیقات کے تراجم کی روایت دونوں زبانوں کی لسانی وثقافتی ہم آہنگی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ آخر میں شعبہ عربی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر نورالدین نے تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ افتتاحی اجلاس کے بعد سیمینار کے پہلے دن مقالہ خوانی کے تین اجلاس ہوئے جن میں ملک کے مختلف شہروں سے تشریف لائے ادبا و ناقدین و اسکالروں نے اپنے مقالے پڑھے۔ پروفیسر صاحب علی نے مخدوم علی ماہمیؒ یادگاری سالانہ لیکچر کے جلد ہی آغاز کا بھی اعلان کیا۔

پریس ریلیز، صاحب علی صاحب، مہاراشٹر، 13 فروری 2013

منٹو پر سیمینار

ممبئی: شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی کی جانب سے منعقدہ 2 روزہ بین الاقوامی کانفرنس میں مقالہ خوانی کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے معروف نقاد اور اسکالر پروفیسر قاضی افضال حسین نے کہا کہ منٹو کو سمجھنے کے لیے طے شدہ خطوط کے بجائے سماج کے نیرنگیوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ انھوں نے منٹو کے فنی تجزیہ سے متعلق ناقدین کے رویہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ محض چند افسانوں کے حوالے سے منٹو کے فن کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ جب کہ ضرورت ہے کہ منٹو کی تخلیقی کائنات کے ان گوشوں پر بھی نظر ڈالی جائے جن کا جائزہ لیے بغیر اس کے فن کے متعلق کوئی معقول رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ بین الاقوامی کانفرنس کے دوسرے دن مقالہ خوانی کے 6 اجلاس ہوئے جن کی صدارت قاضی افضال حسین کے علاوہ پروفیسر شمیم حنفی، سید محمد اشرف، جناب سکندر احمد، اور پروفیسر یونس اگاسکر نے کی۔ ان اجلاس کے تحت کافی اہم مقالے پڑھے گئے۔ اس کانفرنس میں منٹو کی حقیقت پسندی، اس کے سماجی اور سیاسی سروکار اور فن وادب کے تئیں اس کے نقطۂ نظر پر بھی معلوماتی گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ نے جرمنی میں منٹو کے افسانوں کے ترجمے اور دیگر تحقیقی کاموں پر گفتگو کی اور اسی طرح پروفیسر کلثوم بشر نے بنگلہ دیش میں منٹو فہمی کے سلسلے میں ہونے والی کاوشوں کا ذکر کیا۔

پریس ریلیز، صاحب علی صاحب، مہاراشٹر، 6 مارچ 2013

مراٹھواڑہ یونیورسٹی

منٹو پر سیمینار

اورنگ آباد: شعبۂ اردو ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی میں ایک روزہ قومی سیمینار بعنوان 'اردو افسانے کی ایک صدی اور منٹو' منعقد ہوا۔ اس سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت وائس چانسلر ڈاکٹر وجے پانڈھری پانڈے نے کی۔ بعد ازاں ڈاکٹر صدیق الدین نے سیمینار کے اغراض ومقاصد اور منٹو کے افسانوی فن سے متعلق اظہار کیا۔ وائس چانسلر ڈاکٹر پانڈھری پانڈے نے سیمینار کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ پروفیسر علی صدر شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی نے سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کیا۔ اس موقعے پر پروفیسر غیاث الدین کے ناول زوال آمد خاک کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ ڈاکٹر مسرت فردوس کے شکریہ پر اس سیمینار کا دوسرا اجلاس پروفیسر علی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پروفیسر محمد غیاث الدین، ڈاکٹر انور ظہیر انصاری، ڈاکٹر مسرت فردوس اور ڈاکٹر موسیٰ اقبال نے اپنے مقالے پیش کیے۔

روزنامہ 'اورنگ آباد ٹائمز' اورنگ آباد، 5 فروری 2013

تیلگو یونیورسٹی

تیلگو یونیورسٹی میں اردو نواز خواتین کا جلسہ

حیدرآباد: خواتین کی ادبی انجمن 'محفل خواتین حیدرآباد' نے اپنا 42 واں سالانہ 30 جنوری تلگو یونیورسٹی آڈیٹوریم نامپلی میں نہایت شاندار اور اعلیٰ پیمانہ پر منعقد کیا۔ مظفر النسا ناز نے مہمانان کو ہدیۂ گل پیش کیا۔ نامور استاد پروفیسر سیدہ جعفر کی زیر صدارت بیگم سرور بابو خاں سرپرست اعلیٰ نے محفل خواتین کے سالانہ میگزین کی رسمِ اجرا انجام دی اور دلکش ومعیاری میگزین کی اشاعت پر محترمہ عزیز النسا معتمد محفل خواتین، مظفر النسا ناز اور اراکین محفل کو مبارکباد پیش کی۔ پروفیسر ایس اے شکور ڈائرکٹر سکریٹری اردو اکادمی، مہمان خصوصی نے محفل خواتین کی کارکردگی کے خراجِ تحسین پیش کیا۔ کہا کہ وہ خواتین قابل قدر ہیں جو بہ لحاظ تعداد مرد حضرات کے برابر اردو زبان وادب کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔

روزنامہ 'منصف' حیدرآباد، 5 فروری 2013

عالمی اردو نامہ

پاکستان

ناصرِ ناکاگاوا کی کتاب کی تقریب رونمائی

کراچی: جاپان میں مقیم پاکستانی نژاد جاپانی صحافی ناصر ناکاگاوا کی کتاب ’دیس بنا پردیس‘ کی تقریب رونمائی گزشتہ دنوں آرٹس کونسل آف پاکستان (کراچی) میں منعقد کی گئی جس کا انعقاد جاپان انٹرنیشنل پریس کلب اور کراچی پریس کلب کے تحت کیا گیا۔ تقریب کے مہمان خصوصی سابق صوبائی وزیر اور معروف دانشور رؤف صدیقی تھے جبکہ دیگر معزز مہمانان میں معروف صحافی، مفکر، دانشور، معروف ادیب و شاعر اور جہان پاکستان کے گروپ مینیجنگ ایڈیٹر محمود شام، جیو نیوز کے سینئر کرائم رپورٹر و سینئر صحافی افضل ندیم ڈوگر، معروف سینئر صحافی وکیل فاروقی، پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل، آرٹس کونسل آف پاکستان (کراچی) کے گورننگ بورڈ کے رکن اور معروف ٹی وی پروڈیوسر اقبال نفیس، فلم، ٹی وی اور اسٹیج کے معروف اداکار، ہدایتکار اور پروڈیوسر تنویر جمال، کراچی پریس کلب کے صدر امتیاز خان فاران، روزنامہ امت کے سینئر صحافی مرتضٰی زلفی، معروف افسانہ نگار طاہر نقوی اور ٹوکیو یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سابق پروفیسر عامر علی خان، روزنامہ جنگ، جیو نیوز، دی نیوز، جیو ٹی وی اور اخبار جہاں کے بیورو چیف برائے جاپان اور معروف نوجوان کالم نگار عرفان صدیقی شامل تھے۔ آرٹ کونسل میں منعقدہ اس خوبصورت ادبی تقریب میں ہر مکتبہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے دوسو سے زائد افراد نے شرکت کی۔ اس تقریب کا اہتمام ’آج‘ ٹی وی کے سینئر صحافی سید جاوید اقبال نے کیا تھا جبکہ نظامت کے فرائض کراچی کے معروف کمپیئر سردار خان نے سرانجام دیے۔

مہمان خصوصی سابق صوبائی وزیر عبدالرؤف صدیقی، محمود شام، پروفیسر معین الدین عقیل، تنویر جمال، عالمی شہرتِ یافتہ افسانہ نگار طاہر نقوی، اقبال لطیف اور دیگر معزز مہمانان نے ناصر ناکاگاوا کی کتاب کو خوبصورت الفاظ میں سراہتے ہوئے اسے اردو صحافت و ادب میں ایک خوبصورت اضافہ قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ ناصر ناکاگاوا کی کتاب میں سادہ اور قابلِ فہم اسلوب میں کوئی بھی مضمون چند صفحات سے زیادہ نہیں جس کی وجہ سے قاری بوریت کے بجائے اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ محمود شام نے اپنے خطاب میں ناصر ناکاگاوا کی کتاب کے چند مکالمے اور پیراگراف بھی پڑھے اور ان کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی جو جاپان جانے کے خواہشمند ہیں یا جاپان میں ایک طویل عرصے سے مقیم ہیں۔ مہمانِ خصوصی عبدالرؤف صدیقی نے ناصر ناکاگاوا کی کتاب کو اس قدر پسند کیا کہ انھوں نے اسی وقت پچاس کتابیں خرید لیں اور اپنے قریبی دوستوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔ پروفیسر معین الدین عقیل نے کہا کہ جاپان میں ناصر ناکاگاوا سے ان کی کئی ایک ملاقاتیں ہو چکی ہیں اور جس طرح انھوں نے جاپان میں اردو نیٹ جاپان کے ذریعے اردو کو فروغ دیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ تنویر جمال نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ناصر سے میرے دیرینہ تعلقات ہیں اور میں جب بھی جاپان جاتا ہوں تو ان سے ملاقات ضرور ہوتی ہے ناصر ناکاگاوا نے جاپان میں رہ کر پاکستان اور جاپان کے مابین بہترین پل کا کام کیا ہے ان کی یہ کتاب بھی یقیناً دونوں ممالک کے ثقافتی وتجارتی تعلقات کو مزید مستحکم کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ عرفان صدیقی جو اس تقریب کے لیے خصوصی طور پر کراچی تشریف لائے تھے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے خوبصورت الفاظ میں ناصر ناکاگاوا اور ان کی کتاب کا تعارف پیش کیا اور جاپان سے تشریف لانے والے دوستوں اور کراچی کے اہلِ قلم کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ناصر ناکاگاوا نا صرف جاپان بھر بلکہ پاکستان سمیت دیگر سینکڑوں ممالک میں یکساں ہر دلعزیز شخصیت ہیں جنھوں نے اپنے حسن و اخلاق اور تعمیری تحاریر سے کمیونٹی کو یکجا کرنے میں اپنا بہترین کردار ادا کیا ہے۔ آخر میں ناصر ناکاگاوا نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے جاپان سے تشریف لانے والے تمام معزز دوستوں، بے بے آف اردو نیٹ جاپان شفاعت مغل اور ان کے والد فرحان مغل، سید جاوید اقبال، افضل ندیم ڈوگر، عرفان صدیقی، مہمانِ خصوصی عبدالرؤف صدیقی اور اپنے بچپن کے دوستوں صلاح الدین عباسی، عمران بیگ اور عبدالوحید کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز اردو نیٹ جاپان، 5 جنوری 2013

تہران

پریم چند پر تحقیق

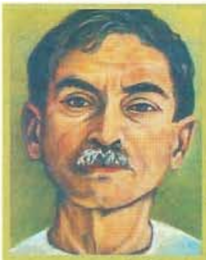

تہران یونیورسٹی میں ایم اے اردو کے ایک طالب علم محمد علی ذاکری نے اردو کے اہم ترین افسانہ نگار منشی پریم چند پر اپنا تحقیقی مقالہ یونیورسٹی میں منعقدہ ایک تقریب میں پیش کیا۔ تہران یونیورسٹی کی غیرملکی زبانوں کی فیکلٹی کے شعبہ اردو کے طالب علم محمد علی ذاکری کے تحقیقی مقالہ کا عنوان تھا ’پریم چند کے افسانوں میں استعمار دشمنی‘ وطن دوستی اور کمزور طبقہ کی زندگی کی عکاسی‘‘ محمد علی ذاکری نے اپنا مقالہ شعبہ اردو کے صدر جناب ڈاکٹر محمد کیومرثی کے زیرنگرانی مکمل کیا جب کہ شعبہ اردو کے استاد جناب ڈاکٹر علی بیات نے رہنمائی کی۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی میں ایک رسمی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں شعبہ اردو کی استانی اور سابق صدر محترمہ ڈاکٹر زیب النساعلی خان نے ایکسپرٹ کی حیثیت سے شرکت کی۔ تقریب میں محمد علی ذاکری کے سابق اساتذہ جناب ڈاکٹر محمد مہدی شرافت اور محترمہ زہرا زیدی بھی موجود تھیں۔ روزنامہ ’ہندستان ایکسپریس‘ دہلی، 22 فروری 2013

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں

خبر نامہ

اردو زبان وادب کے نادرونایاب آڈیو ویڈیو کا تحفظ وقت کی اہم ضرورت: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اگزیکیوٹیو بورڈ نے حال ہی میں یہ فیصلہ لیا ہے کہ اردو زبان وادب کے نایاب آڈیو ویڈیو ریکارڈ کے تحفظ کی سمت میں قومی اردو کونسل مثبت قدم اٹھائے، کیوں کہ ایسی چیزیں نئی نسل کے لیے نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی کی پہلی میٹنگ فروغ اردو بھون میں کونسل کے وائس چیئر مین پروفیسر وسیم بریلوی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں ماہرین کو مدعو کیا گیا تھا۔ میٹنگ میں شریک دوردرشن کے سابق ڈائرکٹر بشارت احمد، روز نامہ انقلاب کے مدیر شکیل حسن شمسی، جامعہ ریڈیو ایف ایم کے سربراہ شکیل اختر نے بورڈ کے اس فیصلے کی نہ صرف ستائش کی بلکہ اس بات پر زور دیا کہ کونسل اس فیصلے کو جلد از جلد عملی جامہ پہنائے کیونکہ یہ اردو زبان کے فروغ کے سمت میں اہم قدم ہوگا۔

کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نے ماہرین کو یقین دلایا کہ کونسل بورڈ کے فیصلہ اور ماہرین کی آرا کی روشنی میں جلد ہی ایک ڈیجیٹل لائبریری کا قیام عمل میں لائے گی جس میں نایاب آڈیو اور ویڈیو کو جدید طریقے سے محفوظ رکھا جائے گا تاکہ نئی نسل اپنے پسندیدہ قدیم وجدید شعرا، ادبا کے خطابات ودیگر موضوعات کے کلاسیکی سرمائے سے استفادہ کر سکے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس سلسلے میں جلد ہی ایک اشتہار دیا جائے گا، جس میں ملک کے دور دراز علاقوں میں اردو ماہرین کے پاس پائی جانے والی نایاب ریکارڈنگس کو طلب کیا جائے گا اور پھر ان ریکارڈنگس کے لیے باقاعدہ ایک لائبریری کا قیام عمل میں لایا جائے گا ساتھ ہی حکومتی اداروں سے بھی رابطہ قائم کیا جائے گا۔

پریس نوٹ، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 26 فروری 2013

قومی اردو کونسل اسلامک اسٹڈیز کی اردو انسائیکلوپیڈیا اور نصاب پر جلد ہی سہ روزہ ورکشاپ منعقد کرنے جارہی ہے: ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین

نئی دہلی: قومی اردو کونسل کے صدر دفتر 'فروغ اردو بھون' میں اسلامک اسٹڈیز پینل کی ذیلی کمیٹی کے تحت جناب اختر الواسع کی صدارت میں ایک میٹنگ کا انعقاد کیا گیا۔ گزشتہ میٹنگ میں زیر بحث نکات کی روشنی میں ایک لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے، جس کے ذریعے قومی اردو کونسل اسلامک اسٹڈیز جیسے اہم موضوع پر ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ اس لائحہ عمل کے تحت نہ صرف اسلامی تاریخ کے اہم باب کچھ اور روشن ہوں گے بلکہ اس عہد کے تقاضوں کے مدنظر، موجودہ اسلامک اسٹڈیز کے ثقافتی پہلوؤں کو بھی وسعت دی جائے گی۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر اختر الواسع نے کیا، انھوں نے اسلامک اسٹڈیز کی اردو انسائیکلوپیڈیا اور ہندوستان کے مشاہر اسلام کے حوالے سے ایک ادارتی بورڈ کے قیام کی تجویز بھی کونسل کے سامنے رکھی، جس کو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ

اکرام الدین نے شرکا کی رضا سے فوراً ہی منظوری دے دی۔ انھوں نے کہا کہ آج اس پینل کے ذریعے ہم ان سبھی کتابوں کی نشاندہی کریں گے جو نصابی ضرورتوں کو پورا کریں گی ساتھ ہی عام قارئین کے لیے بھی کارآمد ثابت ہوں گی۔ ڈائرکٹر نے ایک اہم فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ کونسل جلد ہی مشاہیر اسلام پر مونوگراف (Monograph) شائع کرے گی۔ اسلامک اسٹڈیز کی عربی، فارسی اور انگریزی میں دستیاب کتابوں کا اردو ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اردو قارئین کو اسلامک اسٹڈیز کے سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی اور ادبی ورثے سے متعارف کرایا جا سکے۔ امام غزالی، ابن سینا، ایڈورڈ سعید، بہت سی اہم تحریریں ہیں جن کا ترجمہ ہونا ضروری ہے اور قومی اردو کونسل جلد ہی ان اہم کتابوں کے ترجمہ کرائے گی۔ کونسل کے ڈائرکٹر خواجہ اکرام الدین نے یہ اعلان بھی کیا کہ جلد ہی قومی اردو کونسل اسلامک اسٹڈیز کے موجودہ نصاب کا احاطہ کرنے کے لیے ذاکر حسین اسٹڈیز کے اشتراک سے سہ روزہ ورکشاپ کا بھی اہتمام کرے گی۔ اس میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ غیر مسلموں کے علوم اسلامی کی اشاعت میں خدمات بالخصوص مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، بھگوان داس، سندر لال، مالک، ایم این رائے، نول کشور اور غیر اسلامی ہندی نعت گو شعرا کے حوالے سے بھی کام کیا جائے۔ اس کے علاوہ Oxford Centre of Islamic Studies جیسے اداروں کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کے پاس موجود ادب سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک اہم تجویز کے تحت پٹیالہ یونیورسٹی کے گرو گوند سنگھ شعبہ کے معروضی مطالعے کی سیریز آن انڈین ریلجن Series on Indian religion کو قومی اردو کونسل ترجمہ کروا سکتی ہے۔ India's Contribution to Islamic Science کے زیر عنوان تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور کلام کی روشنی میں نظری اور عملی سوچ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میٹنگ میں مولانا خوشتر نورانی، مولانا یٰسین اختر مصباحی، پروفیسر اشتیاق دانش، کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر (اکیڈمک) محترمہ شمع کوثر یزدانی نے بھی شرکت کی۔

پریس نوٹ، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 8 مارچ 2013

قومی اردو کونسل ہندی اردو کے باہمی رشتوں، بچوں کے ادبی و تخلیقی ادب کو فروغ دینے کے لیے تین نئے پینلز کی تشکیل کرے گی: پروفیسر وسیم بریلوی

نئی دھلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، اردو زبان و ادب کے فروغ اور اس کی ہمہ جہت ترقی کے لیے مختلف جہتوں اور زاویوں پر کام کر رہی ہے اور ادب کے تمام گوشوں پر بھی اپنی توجہ مرکوز کر رہی ہے۔ اس حوالے سے اب تک لٹریچر پینل کے تحت تمام امور پر غور و خوض کیا جاتا تھا لیکن آج چونکہ اردو زبان و ادب میں نت نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔

عہد حاضر کی ان تبدیلیوں کے پیش نظر کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر وسیم بریلوی نے تخلیقی ادب، ذولسانی (ہندی اردو) اور بچوں کے ادب کے لیے باضابطہ پینل تشکیل دیے جانے کا مشورہ دیا جس پر عمل کرتے ہوئے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نے مذکورہ پینلز کی تشکیل کی ہے اور عنقریب ہی ان کی میٹنگوں کا انعقاد ہوگا۔ تخلیقی ادب پینل، کے تحت تخلیقی ادب پر زور دیا جائے گا اور ماہرین کی مدد سے نئے تخلیقی ادب کو فروغ دیا جائے گا اسی طرح کونسل بچوں کے ادب کو بھی فروغ دے گی، چونکہ اردو زبان میں بچوں کے ادب پر کام کم ہوا ہے اس لیے کونسل عہد حاضر کے جدید تقاضوں کی روشنی میں بچوں کے ادب کے فروغ کے لیے کوشش کرے گی۔ کونسل نے ہندی اردو کے باہمی رشتوں کو مضبوط بنانے کے لیے ذولسانی پینل تشکیل دیا ہے۔ ہندی اردو کے اس مشترکہ پینل کے تحت کلاسیکی اور ہمعصر ہندی کے اعلیٰ تنقیدی، تحقیقی و تخلیقی ادب کے تراجم اردو میں کرائے جائیں گے اسی طرح اردو کے کلاسیکی اور ہمعصر اعلیٰ ادب کو ہندی میں منتقل کرنے کے لیے ہندی کے اداروں سے رابطہ کرے گی۔ کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نے مذکورہ پینل کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ کونسل ذولسانی پینل کے تحت ہندی زبان و ادب کے ماہرین و اداروں سے بھی رابطہ قائم کرے گی تاکہ ہندی اردو ماہرین کی مدد سے کونسل ہندی اردو کے رشتوں میں بھی ایک بہترین مفاہمت پیدا کر سکے۔ انھوں نے ملک کے تمام محبان اردو سے اپیل کی کہ فروغ اردو مشن کے تحت تمام اردو والے خط و کتابت و ای میل کے ذریعہ کونسل کو اپنی آرا سے نوازیں تاکہ کونسل محبان اردو کی آرا اور ان کے مشوروں کی روشنی میں لائحہ عمل مرتب کر سکے۔

پریس نوٹ، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 12 مارچ 2013

اردو اسٹڈی سینٹر پر قانونی بیداری کیمپ برائے خواتین

مورخہ 3 فروری 2013 روشنی نیشنل سیوا گرام ادیوگ سنستھان کلھن سرائے خیرآباد پر اردو اسٹڈی/کمپیوٹر سینٹر حال میں قانونی بیداری کیمپ برائے خواتین۔ قومی خواتین کمیشن بھارت سرکار کی جانب سے منعقد کیا گیا۔ مہمان خصوصی محترمہ سمینہ شفیق صاحبہ رکن قومی خواتین کمیشن نئی دہلی، عالی جناب مولانا و مفتی آفتاب عالم صاحب ندوی مبلغ ندوۃ العلما لکھنؤ عالی جناب حاجی محمد حنیف صاحب چیئرمین نگر پالیکا پریشد خیرآباد و دیگر مقررین

جناب مرزا جلیس احمد (ایڈوکیٹ)، جناب محمد عامر صاحب مینیجر اسٹڈی پوائنٹ جناب عبدالقیوم صدر کانگریس کمیٹی سیتاپور، جناب جمنا پرشاد کانگریس نیتا، حاجی جلیس احمد صاحب، محترمہ وپاشا صاحبہ اسسٹنٹ مہیلا شرمک کیندر اور محترمہ متھلیش ویش صاحبہ نے علاقے کی بڑی تعداد میں حاضر خواتین کو خطاب کیا۔ کیمپ پروگرام کی صدارت عالی جناب حاجی محمد حنیف صاحب چیئرمین نگر پالیکا پریشد خیرآباد نے کی اور نظامت کے فرائض اردو اسٹڈی سینٹر کے استاذ مولانا انیس قاسمی نے انجام دیے۔ محترمہ سمینہ شفیق صاحبہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ خواتین کے ساتھ آئے دن آبروریزی، جہیز قتل، خانہ جنگی، چھیڑ چھاڑ موبائل کے ذریعے پریشان کرنا، اغوا اور زنا الجبر جیسی سنگین وارداتیں پیش آ رہی ہیں۔ خواتین کو چاہیے کہ وہ نازیبا سلوک کا ڈٹ کر مقابلہ کریں تاکہ ان پر ہو رہے ظلموں کو روکا جا سکے۔ مولانا آفتاب ندوی نے کہا کہ مغربیت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اسلامی ملکی تہذیب و تمدن کے دائرے میں رہیں۔ پروگرام کی صدارت کر رہے حاجی محمد حنیف انصاری نے کہا کہ ہماری بیشتر خواتین غیر تعلیم یافتہ ہونے سے اپنے حقوق سے ناآشنا ہیں۔ اس لیے تعلیم یافتہ خواتین غیر تعلیم یافتہ کو تعلیمی دائرے میں لانے پر زور دیں تاکہ وہ اپنے حقوق کو پہچان سکیں۔ عبدالقیوم صدر کانگریس کمیٹی نے کہا کہ قومی خواتین کمیشن کی جانب سے منعقد قانونی بیداری کیمپ برائے خواتین موجودہ دور میں اہم ضرورت کی چیز ہے۔ مرزا جلیس، محترمہ ویپاشا، محترمہ سروتی باجپئی، وغیرہ نے بھی اس موقعے پر جانکاریاں دیں۔ آخر میں سنستھان کے منیجر جناب زین العابدین صاحب و کمپیوٹر سینٹر کے منیجر مہتاب انور نے سبھی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

بذریعہ ڈاک، زین العابدین، روشنی سیوا سینٹر، 3 فروری 2013

مدرسہ محمدیہ میں جلسہ تقسیم اسناد

چھندواڑا: ڈاکٹر ایس پی کوسٹہ جناردیو کے ذریعے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان وزارت ترقی انسانی وسائل محکمہ اعلیٰ تعلیم حکومت ہند کے تعاون سے چل رہے عربی زبان کے ایک سالہ سرٹیفکیٹ سند تقسیم پروگرام مدرسہ محمدیہ جناردیو ضلع چھندواڑہ مدھیہ پردیش میں منعقد کیا گیا جس میں عربی ٹیچر مولا محمد عابد اثری نے عربی زبان کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی۔ اسٹڈی سینٹر انچارج محمد طاہر نے اس موقعے پر NCPUL کے ذریعے ہندوستان میں عربی اسٹڈی سینٹروں کی جانکاری دیتے ہوئے بتایا کہ 290 عربی سینٹر 19 ریاستوں کے 138 ضلعوں کے طالب علموں میں عربی اردو کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ان سینٹروں سے لگ بھگ 28 ہزار طالب علم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان میں تقریباً 10 ہزار لڑکیاں بھی عربی بول چال سیکھ رہی ہیں۔ چناردیو مدرسہ محمدیہ چھنواڑہ ایم پی میں 25 سے 30 لڑکے لڑکیاں عربی سرٹیفکیٹ کورس کر رہے ہیں۔ اس موقعے پر گورنمنٹ کالج کی پرنسپل ڈاکٹر ایس پی کوسٹہ نے کہا کہ روزگار کے لیے ایک سے زیادہ زبانوں کا علم ضروری ہے۔ پروگرام میں وکاس کھنڈ مدیر التعلیم سی کے دوبے نے کہا کہ عربی بول چال زبان میں کم پڑھے لکھے نوجوان بھی خلیجی ممالک میں اچھا روزگار حاصل کر رہے ہیں۔ پروگرام میں ہائر سیکنڈری اسکول کی پرنسپل محترمہ یاسمین خان نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مسلم سماج میں عربی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ صرف قرآن کو پڑھنے سے اس کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ ایسے میں ایک سالہ عربی کورس کافی مددگار ثابت ہوگا۔ سند تقسیم پروگرام میں معزز مہمان ایس ڈی ایم کھیم چند بوپلے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی بات کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لیے خواب دیکھیں اور اسی کے مطابق پڑھائی کریں۔

بذریعہ ڈاک، تسنیم محمد طاہر محمدی، مدرسہ محمدیہ، چندواڑا (ایم پی) 13 جنوری 2013

قومی اردو کونسل کے تعاون سے

حکیم عبدالحمید کی لسانی اور تعلیمی خدمات

نئی دهلی: صائم ایجوکیشنل ٹرسٹ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے 'حکیم عبدالحمید کی لسانی اور تعلیمی خدمات' کے موضوع پر غالب اکادمی، بستی حضرت نظام الدین میں ایک روزہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر اظہار خیال کرتے ہوئے سابق مرکزی وزیر جگدیش ٹائٹلر نے کہا کہ حکیم عبدالحمید ہمیشہ اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے۔ انھوں نے مزید کہا کہ کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک وہ تعلیم کی اہمیت اور افادیت سے پوری طرح واقف نہ ہو۔ حکیم صاحب نے مسلمانوں کو عصری تعلیم سے جوڑنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ اس سے قبل صائم ایجوکیشنل

ٹرسٹ کے رکن منیر انجم نے کہا کہ ٹرسٹ کے بیشتر اراکین حکیم صاحب کی تعمیر کردہ غالب اکادمی سے فارغ ہیں اور مختلف اداروں میں برسرکار ہیں۔ متین امروہوی اور احمد علی برقی نے حکیم عبدالحمید کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین صفدر حسین خان نے کہا کہ حکیم عبدالحمید بذاتِ خود ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے، انھوں نے بیک وقت کئی شعبوں میں خدمات انجام دیں۔ قومی کونسل کے رکن علیم الدین اسعدی نے کہا کہ کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں حکیم عبدالحمید کی خدمات نہ ہوں۔ غالب اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر عقیل احمد، پروفیسر ابن کنول، ڈاکٹر محمد خالد صدیقی، پروفیسر رشید الظفر، ڈاکٹر ریاض عمر، ڈاکٹر اشہر قدیر، ڈاکٹر صغیر اختر اور ڈاکٹر ابرار رحمانی نے حکیم عبدالحمید کی حیات و خدمات کے مختلف پہلوؤں پر مقالے پیش کیے۔ اس موقعے پر پروفیسر عبدالحق، ڈاکٹر عابد رضا بیدار، دوست محمد نبی خان نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ صدارتی خطبہ میں ڈاکٹر عزیز صدیقی نے کہا کہ حکیم عبدلحمید صاحب نے تغلق آباد کے ویرانے میں 193 ایکٹر رقبے پر ہمدرد یونیورسٹی قائم کر کے جو مثال قائم کی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر شعیب رضا فاطمی نے اور مہمان خصوصی کے طور پر عابد علی خان نے شرکت کی۔ روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 3 مارچ 2013

کمال احمد صدیقی کے ساتھ ایک شام

نئی دهلی: غالب اکادمی بستی حضرت نظام الدین میں دہلی اردو اکادمی اور قومی اردو کونسل کے اشتراک سے معروف محقق اور نقاد کمال احمد صدیقی کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر عبدالحق نے کی اور نظامت شعیب رضا فاطمی نے کی۔ خیر مقدمی کلمات ادب کرتے ہوئے اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اخترالواسع نے کہا کہ کمال احمد صدیقی فکر و فن کے اعتبار سے ایک عظیم شخصیت کا نام ہے۔ آپ نے تحقیق، تنقید اور فن مصوری میں بھی کمال حاصل کیا ہے۔ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین نے کہا کہ کمال احمد صدیقی جیسے ادیبوں کی ہمیں

قدر کرنی چاہیے اور اس طرح کی محفلوں میں نئی نسل سے متعارف کرانا چاہیے۔ ڈاکٹر مولا بخش نے کہا کمال احمد صدیقی ترقی پسند ادیب، نقاد، محقق، شاعر اور ماہر عروض کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا کے اسرار و رموز پر بھی خاص دسترس رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل اختر نے کہا کہ کمال صدیقی ایک محقق کے ساتھ ساتھ ایک اچھے مصور بھی ہیں جن کی 70 سے زائد پینٹنگس ہیں جن کی وقتاً فوقتاً علی گڑھ میں نمائش بھی ہوتی رہی ہے۔ ڈاکٹر جمیل اختر نے مزید کہا کہ کمال صدیقی کی غالب پر جو تحقیق ہے وہ حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر سلمیٰ شاہین نے 'تخلیق، تحقیق اور تنقید کی تثلیث کمال احمد صدیقی' کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ محفل کے کنوینر کمال احمد صدیقی نے تمام افراد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں نے جو میرے لیے محفل سجائی ہے اس میں شرکت کر کے بہت سے افراد سے ملاقات کا موقع ملا۔ آخر میں دہلی اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے تمام حاضرین اور مہمان کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقعے پر معروف شاعر گلزار دہلوی، شیخ علیم الدین اسعدی، ڈاکٹر عقیل احمد، ڈاکٹر ابوظہیر ربانی، ڈاکٹر تابش مہدی، شمس الحسن کے علاوہ کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 3 مارچ 2013

راجستھان کے اردو شعرا

بانسواڑہ: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون سے ابھینو شکشا سمیتی بانسواڑہ راجستھان کے زیر اہتمام دو روزہ کُل ہند اردو سیمینار بعنوان 'راجستھان کے اردو شعرا' تاریخ 23,24 فروری 2013 راجستھان کے شہر بانسواڑہ میں منعقد ہوا۔ اس سیمینار کی افتتاحی تقریب کی صدارت راجستھان کے وزیر مملکت جناب مہندر جیت سنگھ مالویہ کے چیف سکریٹری ڈاکٹر دینش چندر بھٹ نے کی جبکہ مہمانِ خصوصی NCERT کے جناب ڈاکٹر نعمان خان صاحب تھے اور مہمانِ عزازی میرا گرلس کالج صدر شعبہ اردو محترمہ ڈاکٹر ثروت خان صاحبہ تھیں۔ صدر جلسہ جناب ڈاکٹر بھٹ صاحب نے اپنے صدارتی خطبے میں اردو کی تعلیم اور اس کے فروغ پر زور دیتے ہوئے کہا کے ہم اور بھی کالجوں میں اردو کے شعبے قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سیمینار کے پہلے اجلاس 23 فروری 2013 میں جن مقالہ نگار کے اپنا مقالہ پیش کیا ان میں ڈاکٹر ثروت خان اودے پور۔ ڈاکٹر ممتاز جے پور۔ ڈاکٹر قمرالدین اودے پور اور جناب ضیاء الحسن قادری بیکانیر تھے۔ 24 فروری 2013 کو صبح 10 بجے سیمینار کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ جس میں مقالہ نگاروں نے اپنے تحقیقی و تنقیدی مقالے پڑھے۔ اس سیمینار میں تمام حضرات نے راجستھان کے اردو شعرا کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خواجہ غریب نوازؒ، غالب، مومن، میر، داغ اور اقبال کے تلامذہ سے لے کر آج تک کے اردو شعرا کے کلام اور خدمات کا اعتراف کیا جن میں کئی نئی معلومات سامنے آئی جو قابل ستائش ہے۔ اس دو روزہ کُل ہند اردو سیمینار کے اختتام پر سیمینار کے کنوینر اور ناظم جناب سعید روشن اور ابھینو شکشا سمیتی کی سکریٹری محترمہ مالینی کالے نے پر تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کا بھی شکریہ ادا کیا۔ پریس ریلیز، محمد احسن، چترا کالے، بانسواڑہ، 7 مارچ 2013

مولوی مہیش پرشاد توسیعی خطبہ

وارانسی: شعبۂ فارسی، بنارس ہندو یونیورسٹی اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے بروز شنبہ 16 فروری 2013 مولوی مہیش پرشاد توسیعی خطبے کا انعقاد عمل میں آیا۔ توسیعی خطبہ شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے پیش کیا۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو، فارسی اور عربی کے سابق پروفیسر اور ماہر غالبیات مولوی مہیش پرشاد کی شخصیت اور علمی کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ مولوی صاحب کی ولادت 19 اپریل 1891 کو فتح پور کایستھان ضلع الہ آباد میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام گوری شنکر سری واستو تھا۔ عربی میں اعلیٰ تعلیم کی آرزو کے ساتھ اورینٹل کالج، لاہور جا کر مولوی، عالم اور فاضل کی اعلیٰ اسناد حاصل کیں۔ وہ پہلے ہندو تھے جنھیں یہ اعلیٰ اسناد ملیں۔ 1920 میں بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو، فارسی و عربی میں بہ حیثیت لکچرار تقرر ہوا اور وہاں 30 جون 1951 تک درس و تدریس کے فرائض انجام دے کر 31-30 اگست کی درمیانی شب میں انتقال کیا۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے مولوی مہیش پرشاد کی غالبیات کے باب میں اہم خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب نے جس محنت اور دقت کے ساتھ غالب کے خطوط کی جمع آوری، ترتیب و تدوین و تصحیح کا کام انجام دیا ہے اور غالب سے متعلق دیگر موضوعات پر دو درجن سے زائد مضامین سپرد قلم کیے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس موضوع پر وسیع مطالعے کے حامل تھے اور خطوط غالب کی تاریخی ترتیب و تدوین و تصحیح کا جو کارنامہ انھوں نے انجام دیا وہ بلاشبہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آغاز میں صدر شعبۂ فارسی ڈاکٹر حسن عباس نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں قومی کونسل کے تعاون سے منعقد اس جلسے کی غرض و غایت پر مختصراً روشنی ڈالی اور موضوع 'مولوی مہیش پرشاد: حیات اور ادبی خدمات، نیز مقرر پروفیسر ظفر احمد صدیقی کا تعارف کرایا اور حاضرین و شائقین کی اس جلسے میں دلچسپی رکھنے کا شکریہ ادا کیا۔ جلسے کی صدارت ڈین، فیکلٹی آف آرٹس نے کی۔ انھوں نے بھی خطبۂ صدارت میں مولوی مہیش پرشاد کی عظیم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی یاد اور علمی کارناموں کے ذکر پر مشتمل پروفیسر ظفر احمد صدیقی کے نہایت مفصل و مدلل اور پر از معلومات خطبے پر انھیں سراہا اور شعبۂ فارسی نیز کونسل کی جانب سے ایسے بیش قیمت جلسے کے انعقاد پر مبارکباد دی۔ جلسے کے دوران مولوی مہیش پرشاد کا ہندی میں لکھا سفرنامۂ ایران 'میری ایران یاترا' کی رونمائی بھی ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر سید حسن عباس نے کیا ہے۔ پروفیسر شمیم اختر نے شکریے کی رسم ادا کی اور جلسے کی نظامت ڈاکٹر محمد عقیل نے کی۔

پریس ریلیز، ڈاکٹر ایس عباس، صدر شعبۂ فارسی، بی ایچ یو، وارانسی 1 مارچ 2013

اعتذار

اردو دنیا کے فروری 2013 کے شمارے میں اندر کے کور پیج پر قومی اردو کونسل سے شائع شدہ کتابوں کا اشتہار دیا گیا ہے جس میں کلیات آل احمد سرور کے مرتب کے طور پر سید اقبال احمد قادری کا نام چھپ گیا ہے۔ کلیات آل احمد سرور کے مرتب محی بخش قادری ہیں اور ان کا نام بھی کتاب کے فوٹو پر واضح ہو رہا ہے۔ ادارہ اس سہو کے لیے معذرت خواہ ہے۔

اخبار مدینہ بجنور اور اردو زبان

چاند پور: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے تعاون سے سماجی، تعلیمی اور ثقافتی ادارے، منڈلیہ وکاس سنستھان چاند پور، کے زیر اہتمام 'اخبار مدینہ بجنور کی اردو زبان و ادب کے لیے خدمات اور تحریک آزادی میں کردار' موضوع پر مقامی ایچ ایم اے رضوی کالج میں قومی سیمینار کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس کا افتتاح جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کے شعبہ ماس کمیونی کیشن کے پروڈیوسر ڈاکٹر شکیل اختر نے اور صدارت ڈاکٹر ظل ہما نے کی۔ نظامت کے فرائض ادارے کے سکریٹری الیاس انجم نے انجام دیے۔ اسکائی لائن انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر، چاند پور کی طالبات نے مہمانان کا گلپوشی سے خیر مقدم کیا۔

اپنے افتتاحیہ خطاب میں ڈاکٹر شکیل اختر نے سیمینار کے انعقاد کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور پروگرام کے بانی الیاس انجم کی ستائش کی۔ انھوں نے کہا کہ اخبار مدینہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی کا ایک بڑا اخبار تھا۔ جنگ آزادی میں 'مدینہ' کا کردار اور قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ سیمینار کے شرکا میں جناب نعیم انور، ہائی کمیشن آف پاکستان، نئی دہلی، دہلی میں مقیم ہائی کمشنر فار پاکستان منظور علی میمن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹر عبید اقبال عاصم، گوا سے شیخ سلیمان کرول وغیرہ شامل تھے۔ مہمان ذی وقار کی حیثیت سے اپنے خطاب میں نعیم انور نے کہا کہ مدینہ کے ایڈیٹر رہے مولانا عثمان فارقلیط اور دوسرے ایڈیٹرس نے ملک کی آزادی کے بعد اپنی تحریروں میں تقسیم کے دور کے واقعات کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا۔ سیمینار میں شیخ سلمان کرول، منظور علی میمن نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر عبید اقبال عاصم، ڈاکٹر سبطین سید اور منیر اختر وغیرہ نے مقالے پیش کیے۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 27 فروری 2013

اردو میڈیم اسکول ہی اردو کے روشن مستقبل

تلسی پور: پوروانچل اتھان سمیتی کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے یک روزہ قومی سیمینار 'اردو میڈیم اسکول/اردو کا روشن مستقبل' کے موضوع پر منعقد ہوا جس کا افتتاح مہمان خصوصی بابو سر جو پرساد سنگھ، سابق ایم ایل سی گونڈا نے کیا۔ سمیتی کے صدر ڈاکٹر عبداللہ خان رؤف نے حاضرین کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہوئے سمیتی کے منصوبے و عزائم پر تفصیلی روشنی ڈالی اور کہا کہ اردو کی ترقی اسی صورت میں ممکن ہے جب اردو میڈیم اسکول کھولنے پر خصوصی توجہ دی جائے۔ سیمینار کی صدارت اسسٹنٹ پروفیسر طارق کبیر (ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ شعبہ اردو ایم ایل کے پی جی کالج) نے کی۔ انھوں نے کہا کہ اردو میڈیم اسکول ہی اردو کے روشن مستقبل کے ضامن ہیں۔ سیمینار میں لکھنؤ، گورکھپور، دہلی وغیرہ سے تشریف لائے دانشوروں و ناقدین نے مقالے پڑھے۔ سیمینار کی نظامت ڈاکٹر افروز طالب نے کی۔ آخیر میں سمیتی کے سکریٹری ایڈوکیٹ مدن گوپال تیواری نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور تمام سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز، ڈاکٹر عبداللہ خان رؤف، پروانچل اتھان سمیتی، بلرام پور 2 مارچ 2013

گزارش

مضمون نگاروں سے گزارش ہے کہ اپنی نگارشات کے ساتھ ایک عدد پاسپورٹ سائز کی تصویر ضرور ارسال کریں۔ مضمون کے ساتھ تحریری طور پر یہ تصدیق کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ مضمون غیر مطبوعہ ہے اور کسی بھی رسالے اخبار یا کتاب میں شایع نہیں ہوا ہے۔ مضمون تحریر کرتے ہوئے یہ ذہن میں رکھا جائے کہ نئے موضوعات اور جدید تقاضوں پر لکھے گئے مضامین کو اشاعت میں ترجیح دی جائے گی۔ (ادارہ)

اردو سے متعلق دیگر قومی اور علاقائی خبریں

قومی :

غالب کے ناقدین اور شارحین

نئی دہلی: غالب اکادمی کے زیر اہتمام 'غالب کے ناقدین اور شارحین' کے موضوع پر آج ایک روزہ کل ہند سیمینار کا انعقاد بستی حضرت نظام الدینؒ میں واقع غالب اکادمی کے آڈیٹوریم میں کیا گیا۔ سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت پروفیسر قاضی افضال حسین نے کی۔ اس موقع پر سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے مشہور ناقد پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ غالب صرف مشرق کے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے بڑے شاعر تھے۔ پہلے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر قاضی افضال نے کہا کہ تنقید کا بنیادی مقصد متن کی تعبیر دریافت کرنا ہے۔ پہلے اجلاس میں ڈاکٹر ابرار رحمانی نے 'غالب پر کلیم الدین احمد کی ایک نظر' کے موضوع پر ڈاکٹر مولا بخش نے 'غالب اور امتیاز علی عرشی' پر ڈاکٹر شمس بدایونی نے نسخہ نظامی پر ڈاکٹر زیبا محمود نے تفہیم غالب اور شمس الرحمٰن فاروقی کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر صادق اور پروفیسر شمس الحق عثمانی نے کی۔ اس اجلاس میں پروفیسر انور پاشا، پروفیسر ظفر احمد صدیقی، پروفیسر جینا بڑے، پروفیسر قاضی جمال حسین، پروفیسر صادق، ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی نے بھی اپنے مقالے پیش کیے۔ نظامت کے فرائض شعیب رضا فاطمی نے انجام دیے۔ اس سیمینار میں متین امروہوی، نسیم عباسی، علیم الدین اسعدی، ڈاکٹر ابوظہیر ربانی، ڈاکٹر ابوبکر عباد اسرار جامعی وغیرہ موجود تھے۔

روزنامہ'راشٹریہ سہارا' دہلی،24 فروری 2013

آکاش وانی نجیب آباد کا قرۃ العین حیدر پر سیمینار

نجیب آباد: آکاش وانی نجیب آباد کے زیر اہتمام 'اردو ادب کو قرۃ العین حیدر کی خدمات' موضوع پر منعقدہ سیمینار کو خطاب کرتے ہوئے شکیل جمالی نے کہا کہ قرۃ العین حیدر کی کہانیوں میں ہندوستان کی تقسیم کا بہت درد ملتا ہے۔ ڈاکٹر نیر جلال نے کہا کہ اردو ادب میں قرۃ العین حیدر وہ پہلی ناول نگار ہیں جن کے ناولوں میں زندگی کی بقا بھی ملتی ہے اور فنا بھی ہے جنھوں نے اپنے ناولوں میں مستقبل، حال اور ماضی، کی بدلتی تہذیب اور کردار کو بڑی ہی خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ راشد جمال فاروقی نے کہا کہ انھوں نے اپنی کہانیوں میں موسموں کے بدلتے منظر، مغربی تہذیب اور مشرقی تہذیب کی پینٹنگ کو بڑی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انل بھارتی کی نظامت میں منعقدہ سیمینار کو پروگرام ایگزیکیٹو افسر وبھوتی بھوشن بھٹ، راجن گپتا، اقبال صدیقی نے بھی خطاب کیا۔ اس موقع پر شارق کفیل، شاداب، ظہیر ربانی، فاروق بجنوری، اندردیو بھارتی، ڈاکٹر آفتاب نعمانی نے شرکت کی۔

روزنامہ'راشٹریہ سہارا' دہلی،28 فروری 2013

حیات اللہ انصاری میوزیم کا افتتاح

لکھنؤ: آل انڈیا تعلیم کے گھر کے زیر اہتمام فرنگی محل میں 'حیات اللہ انصاری شخصیت اور فن' موضوع پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس سیمینار میں حیات اللہ انصاری کے باقیات اور نادرات پر مشتمل حیات اللہ میوزیم کا افتتاح بدست جناب نرائن دت تیواری عمل میں آیا۔ صدارت عالمی شہرت یافتہ شاعر و ادیب پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے کی۔ جلسے کو خطاب کرتے ہوئے مسٹر نرائن دت تیواری نے کہا کہ حیات اللہ انصاری نہ صرف مجاہد آزادی ہیں بلکہ انھوں نے ادبی، علمی، سماجی وملکی امور میں وہ کام کیے ہیں جس کی بنیاد پر انھیں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ انھوں نے حیات اللہ انصاری لائبریری کے لیے اپنی پنشن سے دس ہزار روپے کتابوں کے لیے دینے کا اعلان بھی کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔ امرناتھ مصرا نے کہ اردو نہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے بلکہ یہ ہندوستان کی ہر قوم کی زبان ہے اگر ہندی ماں ہے تو اردو موسی۔ اس موقع پر سیمینار کو خطاب کرتے ہوئے صدر تقریب پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے کہا کہ اردو ایک تحریک ہے، ایک تہذیب ہے جس پر سیاست کبھی غالب نہیں آسکتی۔ عابد سہیل نے کہا کہ حیات اللہ انصاری جتنے بڑے صحافی تھے وہ درجہ انھیں نہیں ملا۔ سابق صدر شعبہ اردو پروفیسر صادق علی نے کہا کہ حیات اللہ انصاری کے نقش پا ہمارے لیے قابل تقلید ہیں۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت کی تمثیل یہ ہے کہ انھوں نے ایک زندگی میں کئی زندگیاں گزاریں۔ احمد ابراہیم علوی نے کہا کہ بڑے لوگ بڑے ہو کر بھی چھوٹے رہ کر زندگی گزارتے ہیں انھیں میں سے ایک نام حیات اللہ انصاری کا ہے جن کی علمی و عملی زندگی ہمیشہ روشن رہے گی۔ پروگرام میں معززین شہر کے علاوہ یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات کی بڑی تعداد موجود تھی۔ پروگرام کے اختتام پر ڈائرکٹر سدرت اللہ انصاری نے تمام مندوبین، شرکا کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ'سیاسی تقدیر' دہلی،20 فروری 2013

اردو اور طب یونانی کے تعلق پر سیمینار

نئی دہلی: مرکزی وزارت صحت و خاندانی بہبود کے محکمہ آیوش میں طب یونانی کے نئے ایڈوائزر ڈاکٹر رئیس الرحمٰن کے اعزاز میں ایک اجلاس منعقد کی گئی تھی۔ جس میں پروفیسر عبدالحق اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ طب یونانی اردو کی وجہ سے زندہ ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے

لازم و ملزوم ہیں۔ اس تقریب میں ڈاکٹر رئیس الرحمٰن نے اس بات کا پرزور مطالبہ کیا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں طب یونانی کا شعبہ قائم کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ تمام تر پریشانیوں کے باوجود آج طب یونانی کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے اس موقع پر مہمان اعزازی سابق سفیر ممبر پارلیمنٹ م افضل نے کہا کہ طب یونانی کو کھویا ہوا وقار واپس دلانے کیلئے مضبوط قوت ارادی اور عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ قومی اردو کونسل کے سابق وائس چیئرمین چندر بھان خیال نے کہا کہ اردو اور طب یونانی کے فروغ کے سلسلہ میں ہمیں اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالنی چاہیے کیونکہ کوئی بھی مسئلہ شکایات کی بجائے عملی کوششوں سے حل ہوتا ہے۔ سینئر صحافی معصوم مرادآبادی نے کہا کہ ہمارے ملک کے مخصوص ماحول میں دیسی طریقہ علاج ہی کارگر ہوسکتا ہے اس موقع پر پروفیسر ابن کنول نے کہا کہ اردو کے فروغ سے ہی یونانی کا فروغ بھی وابستہ ہے۔ تقریب

کے روحِ رواں ڈاکٹر سید احمد خاں نے کہا کہ وزارت صحت میں ڈاکٹر رئیس الرحمٰن جیسے باصلاحیت اور حوصلہ مند ایڈوائزر کی تقرری سے طب یونانی سے وابستہ لوگوں کو بڑی امیدیں قائم ہوئی ہیں۔ اس موقع پر روزنامہ 'جدید خبر' کے ایڈیٹر معصوم مرادآبادی کو مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی طرف سے 'ایوارڈ برائے صحافت' ملنے پر خصوصی تہنیت پیش کی گئی اور انھیں شال اڑھا کر اعزاز سے نوازا گیا۔ سینئر صحافی مودود صدیقی کی صحافتی خدمات کے صلہ میں انھیں بھی شال اور گلدستہ پیش کیا گیا۔

پریس ریلیز، محمد عمران قنوجی، پریس سکریٹری، آل انڈیا یونانی طبی کانگریس، نئی دہلی، 10 مارچ 2013

کل ہند فارسی اساتذہ کانفرنس

لکھنؤ: کل ہند فارسی اساتذہ کی کانفرنس کے افتتاحی جلسے کے بعد منعقد مقالہ خوانی کا لکھنؤ یونیورسٹی کے ڈی پی اے ہال میں منعقد ہوا۔ مقالے کا عنوان 'ایران اور ہند کے باہمی تعلقات اور فارسی زبان و ادب کے فروغ میں لکھنؤ کا حصہ' جلسے کی صدارت پروفیسر آذرمی دخت صفوی اور پروفیسر بلقیس حسینی نے کی اور نظامت کے فرائض اسد رضا خورشید نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں کل 20 مقالے پیش کیے گئے۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 26 فروری 2013

ندا فاضلی کی کلیات پر مذاکرہ

نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام 'شامِ شہریاراں' کے موقعے پر معروف شاعر ندا فاضلی کی شعری کلیات 'شہر میں گاؤں' پر ایک علمی مذاکرے کا اہتمام پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کی صدارت میں کیا گیا۔ جناب شاہد ماہلی نے ندا فاضلی کی شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ندا فاضلی ہمارے اُن بڑے شعرا میں سے ہیں جنھوں نے انسانی قدروں کو اپنی شاعری میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا۔ خالد علوی نے اپنی گفتگو میں ندا فاضلی کی نظموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی نظموں میں بے پناہ نئے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں اور ان الفاظ کے ذریعے نئے نئے معنوں کو بھی خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر احمد محفوظ نے کہا کہ ندا فاضلی کی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شعری زبان آسان، سلیس اور سمجھنے والی ہے اور ایسی ہی شاعری عوام سے فوراً رشتہ قائم کرلیتی ہے۔ جلسے کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کہا کہ ندا فاضلی کی شاعری ہمیں اس لیے اپیل کرتی ہے کہ انھوں نے زندگی کے تمام اہم معاملات کو شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔

روزنامہ 'جدید میل' دہلی 21 فروری 2012

ہنس راج رہبر صدی تقریب

نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی کے آڈیٹوریم میں اردو اور ہندی کے معروف شاعر اور ادیب ہنس راج رہبر کی صدی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے وشوا ناتھ ترپاٹھی نے کہا کہ رہبر اپنے آپ میں ایک انجمن تھے۔ وہ اردو زبان سے اس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے اپنا تخلص بھی اردو سے ہی لیا تھا۔ منیجر پانڈے نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہنس راج رہبر، منشی پریم چند سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے کہا کہ رہبر ایک بے باک ادیب تھے، وہ حق گوئی کے ساتھ جیتے تھے اور حق بات پر ہمیشہ جان دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ معروف افسانہ نگار مشرف عالم ذوقی نے کہا کہ رہبر اردو کا شاعر اور ادیب تھے، لیکن اس کو اردو والوں نے فراموش کردیا۔ اس کے علاوہ پروفیسر چمن لال نے بھی اظہار خیال کیا۔ آخر میں وجے گوئل اور کویتا نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ پروگرام کی صدارت نند کشور وکرم، جب کہ نظامت بلرام اگروال نے کی۔ اس موقعے پر فاروق ارگلی، جاوید رحمانی، امیر اعظمی کے علاوہ ہنس راج کے اہل خانہ موجود تھے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 10 مارچ 2013

ساحر لدھیانوی پر خصوصی ڈاک ٹکٹ

نئی دہلی: صدر پرنب مکھرجی نے مشہور شاعر ساحر لدھیانوی کی سالگرہ کے موقعے پر راشٹرپتی بھون میں ان پر ایک یادگار ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔ مکھرجی نے اس موقعے پر اپنی تقریر میں کہا کہ ساحر کو عام آدمی کے روزمرہ کے کرب اور جدوجہد کے اظہار کو زبان دینے کے لیے یاد رکھا جائے گا۔ انھیں نوجوانوں کے شاعر کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے کیوں کہ انھوں نے محبت اور حسن پر بھی گیت لکھے۔ انھوں نے سماجیت اور عصری مسائل پر گہرے جذبات کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ ساحر کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو نظموں کو فلمی موسیقی میں خوبصورتی سے ڈھالنے کا کام کیا۔ انھوں نے فلم رائٹرس ایسوسی ایشن کے ذریعے نغمہ نگاروں کو ان کا جائز مقام دلانے کے لیے بھی جدوجہد کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 9 مارچ 2013

مولانا آزاد کا یومِ وفات

مولانا آزاد کے افکار کی معنویت

نئی دہلی: معروف مجاہد آزادی، صحافی، مفکر، مفسر قرآن، دانشور، سیاست داں اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کو آزادی کے بعد سے آج تک وہ مقام اور حق نہیں ملا جس کے وہ مستحق اور حق دار تھے۔

ان خیالات کا اظہار سابق مرکزی وزیر پروفیسر سیف الدین سوز نے مولانا آزاد اکادمی کے زیر اہتمام 'مولانا آزاد کے افکار کی عصری معنویت' کے موضوع پر منعقد سہ روزہ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں بطور مہمان خصوصی تقریر کرتے ہوئے کیا۔ مولانا آزاد کی برسی کے موقعے پر آئی ٹی او کے نزدیک آئی سی سی آر کے آزاد بھون میں منعقد کی گئی اس تقریب کی صدارت قومی اقلیتی کمیشن برائے ادارہ جات کے چیئرمین جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے کی، جب کہ ممبر پارلیمنٹ و آئی سی سی آر کے صدر ڈاکٹر کرن سنگھ نے سیمینار کا افتتاح کیا۔ نظامت کے فرائض مولانا آزاد اکادمی کے سکریٹری عطاء الرحمٰن قاسمی نے انجام دیے اور تمام مہمانان کا تعارف کرایا۔ اکادمی کے صدر مولانا جنید احمد قاسمی نے تمام مہمانان کا خیر مقدم و اظہار تشکر کرتے ہوئے سیمینار کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر کرن سنگھ نے مولانا ابوالکلام آزاد کی حیات و شخصیت کے بارے میں بتاتے ہوئے ان کی قوم و ملک کے تئیں خدمات اور قربانیوں کا ذکر کیا۔ مرکزی وزیر زراعت طارق انور نے اس موقعے پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر مولانا آزاد کی شخصیت کو جدوجہد آزادی سے الگ کر دیا جائے تو ملک کی تاریخ ادھوری رہ جائے گی۔ انھوں نے کہا مولانا بنیادی طور سے ملک کی تقسیم اور دو قومی نظریہ کے خلاف تھے۔ اس موقعے پر ممبر پارلیمنٹ احمد سعید ملیح آبادی نے مولانا ابوالکلام آزاد کی پیدائش سے انتقال تک کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ان کی عوامی، دینی، صحافتی و سیاسی بے لوث خدمات کا ذکر کیا۔ بعد ازاں ہندوستان میں افغانستان کے سفیر عزت مآب شاہدہ محمد عبدل ابدالی نے مولانا آزاد کو برصغیر کا ایک عظیم شخص قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ بیک وقت ایک شاعر، مفکر قوم

و ملک، علم دین، سیاست داں، ادیب وصحافی تھے۔ آخر میں جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ مولانا آزاد ایک صدی کا نام ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار اور جنگ آزادی کے سپہ سالار تھے اور ملک وقوم کے عظیم مفکر و مدبر تھے۔ اس موقع پر مصر کی ازہر یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر احمد عبدالرحمن، دوحہ قطر کے پروفیسر مصطفیٰ عقیل محمود، سابق چیف الیکشن کمشنر آف انڈیا ایس وائی قریشی، جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور بہار کے سابق وزیر شاکل نبی نے بھی اظہارِ خیال کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کی علمیت، صلاحیت، مذہب وقوم و ملک کے تئیں ان کی خدمات کا ذکر کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' 22 فروری 2013

بنگال میں جلسہ

کلکتہ: مغربی بنگال ترنمول کانگریس اقلیتی سیل کے زیراہتمام ایک جلسے کا انعقاد رپن اسٹریٹ میں کیا گیا۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے ریاستی وزیر حیدر عزیز صفوی نے کہا کہ مولانا آزاد کی خوبیوں کو بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ 'بھارت رتن' مولانا ابوالکلام آزاد کے تعلق سے وزیر موصوف نے ان کی دور اندیشی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے رہنما تھے جنھوں نے محمد علی جناح کے دو نظریہ اور تقسیم ملک کی سختی سے مخالف کی تھی۔ اقلیتی کمیشن کے چیئرمین انتاج علی شاہ نے کہا کہ کلکتہ سے ان کا دیرینہ رشتہ تھا۔ آزادی کی تحریک کے دوران انھوں نے زیادہ سے زیادہ وقت کلکتہ میں گزارا۔ اس موقعے پر اقلیتی سیل کے چیئرمین ادریس علی ایڈوکیٹ نے کہا کہ مولانا آزاد نے نہ صرف تقسیم ملک کی مخالفت کی بلکہ جیل بھی گئے۔ اس موقعے پر موجود افراد نے علامہ محمد اقبال کو بھی یاد کیا۔ اس موقعے پر شاہنواز راجا، عالم انصاری، احمد علی وارثی، امین انصاری، فرید خان، مختار عالم، اسلام الدین لالہ، محمد صلاح الدین شکیل احمد، فیروم منڈل، قدرت آدم بابو، شاہد رشید، وحید الحق، ایم اے علی، امجد انصاری، حاجی انور اور رفعت عمر قریشی وغیرہ موجود تھے۔ آخر میں عالم انصاری نے اختتامی کلمات کہے۔

روزنامہ 'اخبار مشرق'، کولکاتہ، 23 فروری 2013

بہار میں سیمینار

پٹنہ: مولانا آزاد کی تاریخ ساز مجاہدانہ خدمات اور زبان و قلم کے ذریعے برطانوی سامراج کے جبر و استبداد کے خلاف ہندستان کے غیور اور جذبۂ آزادی سے سرشار عوام کے دلوں میں انقلابی جذبات بیدار کرنے کے لیے زبان و قلم کے ذریعے انھوں نے جو خدمات انجام دیں وہ وطن عزیز کی آزادی کی ایسی سنہری تاریخ ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ملک کے ممتاز سیکولر رہنما پنڈت این کے شرما نے قومی رہنماؤں اردو کے ممتاز دانشوروں، صحافیوں اور عوام کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو کو دوسری قومی زبان کا درجہ سرکاری سطح پر قرار دے کر اردو کے ساتھ کی جانے والی ان تمام زیادتیوں کا ازالہ کیا جائے جو اسے علاقائی زبان کے زمرے میں شامل کر کے آزادی کی لڑائی لڑنے والی اس زبان کے ساتھ ایک پراسرار سازش کے ذریعے کی جاتی رہی ہے۔ اردو زندہ دل ہندستانیوں کی وہ زبان ہے جو نہ کسی کے مٹانے سے مٹ سکتی ہے نہ اس کی روشن و تابناک تاریخ کم کرنے کی کسی بھی مجرمانہ کوشش سے فرق پڑنے والا ہے۔ اس قومی سیمینار کے موقعے پر کانگریس سربراہ اور یو پی اے چیئرپرسن محترمہ سونیا گاندھی نے مولانا آزاد کی تاریخ ساز قربانیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے سیمینار کی کامیابی کے لیے اپنی نیک خواہشات پر مشتمل ایک پیغام بھی بھیجا جسے سیمینار کے کنوینر اور ممتاز قومی صحافی جناب خالد انور ایڈیٹر روزنامہ ہمارا سماج نے پڑھ کر سنایا۔ پٹنہ میں منعقد ہونے والا یہ سیمینار روزنامہ ہمارا سماج کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا جس میں مرکزی وزیر مواصلات جناب کپل سبل، اقلیتی امور کے مرکزی وزیر جناب کے رحمان خاں، عالم اسلام کی ممتاز علمی وروحانی شخصیت حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ مونگیر، جنتادل یو کے قومی رہنما جناب شیوانند تیواری اور بہار پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر جناب محمود صاحب کے ساتھ ہی مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے ممتاز ممبران پارلیمنٹ، ممبران اسمبلی، بہار سے شائع ہونے والے اردو کے ممتاز اخبارات کے مدیرانِ محترم کے ساتھ ہی بہار کی ممتاز علمی، ادبی، مذہبی، سماجی اور سیاسی شخصیات شامل تھیں۔ قومی سیمینار کنوینر اور ہمارا سماج کے ایڈیٹر جناب خالد انور نے مولانا آزاد کی تاریخ ساز انقلابی زندگی پر ایک خصوصی شمارہ بھی شائع کیا جس کا اجرا جناب کپل سبل اور جناب کے رحمان خاں کے مبارک ہاتھوں سے کرایا گیا۔

روزنامہ 'اخبار مشرق'، دہلی، 24 فروری 2013

کرناٹک میں سیمینار

ہوسکوٹہ: وزیر محنت شری بی این بچے گوڈا نے یہاں الامین انٹرنیشنل ریسی ڈنشیل اسکول کے احاطے میں مولانا ابوالکلام آزاد پر قومی سیمینار اور ان کی حیات و خدمات پر شائع کردہ کتاب کے اجرا اور الامین کے ایم فرید انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ سنٹر کے افتتاح کے بعد اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت اس بات پر غور کر رہی ہے کہ بنگلور یونیورسٹی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بنگلور نارتھ سنٹر ہوسکوٹہ میں قائم کیا جائے تاکہ اس علاقے میں اعلیٰ تعلیم کے لیے مزید کالج اور اداروں کو ترقی دی جاسکے۔ مسٹر بچے گوڈا نے مولانا آزاد کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ وقت کی ضرورت ہے کہ آزاد ہندوستان کے اولین وزیر تعلیم اور آزادی کی جنگ میں حصہ لینے والے مولانا آزاد کی زندگی کے حالات معلوم کرنے اور انھیں یاد رکھنے کے لیے ریسرچ کا کام ہو اور آج جو ریسرچ سنٹر قائم کیا گیا ہے وہاں ریاستی قومی اور بین الاقوامی سطح کے سیمینارس اور دیگر پروگرامس منعقد کیے جائیں۔ ٹمکور یونیورسٹی کے وائس چانسلر شری بی ایچ انیل کمار نے ریسرچ سنٹر کا افتتاح کرتے ہوئے اس ریسرچ سنٹر کو خوب سے خوب تر بنانے کے مشورے دیے۔

روزنامہ 'سالار'، بنگلور، 3 فروری 2013

دہلی:

سیمینار بیادِ رفتگاں

نئی دہلی: اردو اکادمی، دہلی کے قمر رئیس سلور جوبلی آڈیٹوریم میں 'بیادِ رفتگاں' کے عنوان سے سہ روزہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت سید شاہد مہدی، سابق وائس چانسلر، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے کی جب کہ مہمانِ خصوصی کے طور پر مشہور ادیب جناب عابد سہیل شریک ہوئے۔ اس موقع پر کنوینر سیمینار کمیٹی پروفیسر عبدالحق تھے جب کہ

اس سیمینار کے کنوینر پروفیسر شہپر رسول نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ ڈائس پر پروفیسر اختر الواسع، وائس چیئرمین اردو اکادمی موجود تھے۔ صدرِ جلسہ سید شاہد مہدی نے نہایت واضح الفاظ میں اردو اکادمی، دہلی کے تئیں اپنے نیک خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو اکادمی، دہلی ہندوستان کی سب سے فعال اردو اکادمی ہے۔ شاہد مہدی نے سیمینار میں شامل کیے گئے شخصیات احتشام حسین، اختر حسین رائے پوری، حیات اللہ انصاری، میراجی، جذبی اور منٹو کی کتابوں کے حوالے سے پرمغز باتیں کیں اور معین احسن جذبی سے اپنی دیرینہ رفاقت کا ذکر کرتے

ہوئے ان کی کتاب حالی کا سیاسی شعور پر گفتگو کی۔ میراجی کی مرتب کردہ کتاب مشرق ومغرب کے نغمے کے حوالے سے بھی ان کے ترجموں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ نہ صرف ایک بڑے شاعر تھے بلکہ پائے کے مترجم بھی تھے۔ پروفیسر اخترالواسع نے اس موقع پر مہمانوں اور شرکا کے لیے خیرمقدمی کلمات ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سیمینار کا مقصد بیسویں صدی کے ان باکمال اور برگزیدہ ادیبوں کی حیات وخدمات کا جائزہ لینا ہے، جنھوں نے اپنے فکر وفن سے نہ صرف اپنے ہمعصروں کو متاثر کیا بلکہ اس دور کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی اتھل پتھل کو اپنے تنقیدی و تحقیقی رویوں اور اپنی تخلیقات میں پیش کیا۔ بلاشبہ ان ادیبوں نے اپنی دانش وبینش سے پوری نسل کی ذہن سازی کی ہے۔ انھوں نے زور دے کر فرمایا کہ ہم یہاں یادِ رفتگاں کے لیے یوں جمع ہوئے ہیں تاکہ اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کرسکیں۔ سیمینار کمیٹی کے کنوینر پروفیسر عبدالحق نے کہا کہ بیسویں صدی کا آشوب ہمارے ادب کا آشوب ہے اور اس سیمینار کے ذریعے ہم اپنے اکابرین کو ان کے کارناموں کی روشنی میں دیکھتے ہوئے اپنا احتساب خود کریں گے۔ بعدازاں سکریٹری اردو اکادمی انیس اعظمی نے تمام مہمانوں اور شرکا کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز، راغب الدین، پروگرام آفیسر، اردو اکادمی، دہلی، 8 مارچ 2013

فخرالدین علی احمد کی یاد میں...

نئی دھلی: غالب اکادمی نئی دہلی میں ملک کے سابق صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد کے یوم وفات پر ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا، اردو پریس کلب کے زیراہتمام منعقد اس پروگرام میں آئے دانشوران نے ان کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر پرویز میاں (چیئرمین دہلی اسیٹ حج کمیٹی) نے کہا کہ فخرالدین علی احمد زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ پروفیسر انور پاشا نے فخرالدین علی احمد کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی۔ پریس کلب کے صدر شمیم احمد نے کہا کہ ان کی زندگی کے ہر گوشے میں ایسی ایسی بات پنہاں ہیں، جن کے اجاگر کرنے سے ملک میں امن وسلامتی کی فضا قائم ہوسکتی ہے۔ فخرالدین علی احمد کی پیدائش 13 مئی 1905 کو دہلی میں ہوئی، ان کے والد کرنل ذی النور علی تھے، ان کی ماں دہلی کے نواب کی بیٹی تھیں، احمد نے گوڈا جلی کے سرکاری اسکول اور دہلی سرکاری ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کی، اعلی تعلیم کے لیے وہ 1923 میں انگلینڈ گئے، جہاں انھوں نے سینٹ کیتھرین کالج، کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ 1928 میں انھوں نے لاہور ہائی کورٹ میں بحیثیت وکیل کام شروع کا۔ ملک کے پہلے وزیراعظم جواہر لال نہرو نے 1925 میں انگلینڈ میں ملاقات کی اور انڈین نیشنل کانگریس سے منسلک ہوگئے اور جدوجہد آزادی میں کھل کر حصہ لیا، حتی کہ 1942 میں ناقابل فراموش کردار کی وجہ سے ان کی گرفتاری عمل میں آئی۔ 1974 میں وزیراعظم اندرا گاندھی کی طرف سے صدارت کے لیے منتخب کیا اور 20 اگست 1974 کو صدر جمہوریہ بن گئے۔ 11 فروری 1977 کو دفتر میں ہی صدر جمہوریہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی قبر منہدی مسجد پارلیمنٹ احاطے میں واقع ہے۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 12 فروری 2013

اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اسکول کے اساتذہ کی تربیت

نئی دھلی: ابھی حال ہی میں دہلی کے قدیم اِدارہ اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اِسکول کے اساتذہ کے لیے تعلیمی اقدار پر مبنی ایک تربیت کا اِنعقاد مانیسر کے ٹری ہاؤس میں کیا گیا۔ اِنعقاد کا اصل مقصد اِدارہ کے اساتذہ میں تعلیمی اقدار کو فروغ دینا اور اُن اقدار کی نشاندہی کرنا جن کی بنیاد پر تعلیمی سرگرمیوں کو مزید فعال اور موثر بنایا جاسکے۔ اِنعقاد میں اِس بات پر خصوصی زور دیا گیا کہ تعلیمی میدان

میں ہورہی ترقی سے اُردو میڈیم کے اِداروں سے جڑے ہوئے اساتذہ کو بھی خاطر خواہ اِستفادہ کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اِس ورکشاپ میں ماہرین تعلیم جناب فیروز بخت احمد، جناب بابا اِکرام سنگھ، جناب محمد اطیب صدیقی اور محترمہ عذرا رزّاق نے شرکت کی۔ ان تمام حضرات نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اُن حقائق کی نشان دہی کی جن سے تعلیمی سرگرمیوں کو مزید مستحکم اور پایہ دار بنایا جاسکتا ہے۔ اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے جناب فیروز بخت احمد نے کہا نت نئے آلات آگئے ہیں۔ طلبا واساتذہ کے درمیان روابط میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور اسی طرح سے اُن کے آپسی تعلقات کے نظریات میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ پڑھانے کے لیے نئی نئی ترکیبوں اور طریقوں کو متعارف کرایا گیا ہے۔ جناب اطیب صدیقی مزید کہا کہ بورڈ کے اِمتحانات میں اُردو میڈیم کے نتائج روزافزوں بہتر ہورہے ہیں اور اگر اِس طرح کے پروگراموں کا اِنعقاد ہوتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب اُردو میڈیم کے طلبا دوسرے دیگر میڈیموں کے بچوں سے کہیں آگے نکل جائیں گے۔ پروفیسر عذرا رزّاق نے کہا کہ اُردو میڈیم اساتذہ کو کبھی بھی دیگر میڈیموں کے اساتذہ سے کمتر محسوس نہیں کیا جانا چاہیے۔ اُس کے بعد اینگلو عربک اِسکول کے پرنسپل جناب وسیم احمد نے تمام ماہرین اور اساتذہ کے تئیں اظہارِ تشکر کرتے ہوئے کہا کہ اِس طرح کے تربیتی ورکشاپ سے نہ صرف اِدارہ کے طلبا کو اِمکانی فائدہ پہنچے گا بلکہ اساتذہ کے کام کرنے کی صلاحیتوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

پریس ریلیز، فیروز بخت احمد، نئی دہلی، 11 مارچ 2013

غالب میموریل موومنٹ کے چیئرمین کا تقرر

نئی دھلی: دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین صفدر ایچ خان کو غالب میموریل موومنٹ کا چیئرمین نامزد کیا ہے۔ انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کے دفتر میں ڈائرکٹر جنرل ایس کے گوئل کی قیادت میں منعقد ایک میٹنگ میں غالب میموریل موومنٹ سے متعلق ممبران نے یہ فیصلہ کیا۔ واضح ہو کہ اس سے قبل عابد حسین، سابق سفیر ہند اس عہدے پر فائز تھے جن کا چند ماہ قبل انتقال ہوگیا تھا۔ صفدر حسین خان نے غالب میموریل موومنٹ کی کمان سنبھالنے کے بعد میڈیا سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ غالب کی حویلی کے کچھ کھلے حصے کو ماڈرن طریقہ اپنا کر حویلی کی تزئین کاری کی جائے گی۔ غالب میموریل موومنٹ کی سکریٹری جنرل اوما شرما نے صفدر ایچ خان نے کی نامزدگی پر خوشی کا اظہار کیا۔ میٹنگ میں ڈاکٹر ونے بھرت رام، چیئرمین ڈی سی ایم، معراج الدین سابق وزیر اترپردیش، چترا شرما، سلمیٰ حسین، شاہینہ خان، بدرالدجی صدیقی، محمد شاہد پیکارڈ واچ اور فیروز بخت شامل ہوئے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 19 فروری 2013

اردو طلبا کو سرکاری ایوارڈ

نئی دھلی: سٹی زون چیئرمین آل محمد نے چمیلی دیوی پرائمری اسکول چرخ والان میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہمارا مقصد ہے کہ سرکاری اسکولوں کو بہتر کرکے ان اسکولوں میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو اردو سے روشناس کرایا جائے اس کے لیے ہم نے ابھی سے تیاری شروع کردی ہے اور آئندہ مئی میں اردو کے تحریری، تقریری مقابلے منعقد کیے جائیں گے اور بچوں کی

حوصلہ افزائی کے لیے ان کو ایوارڈ سرکاری طور پر دیے جائیں گے اور بہت جلد اردو کی شناخت گنگا جمنی تہذیب کو زندہ رکھنے کے لیے سالانہ مشاعرے کا اہتمام کیا جائے گا۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 28 فروری 2013

غالب اکادمی کا یوم تاسیس

نئی دھلی: غالب اکادمی کے 44ویں یوم تاسیس کے موقعے پر طرحی مشاعرہ اور سیمینار کے اختتام پر محفل کلام غالب کا انعقاد کیا گیا۔ غالب اکادمی کے صدر پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ گلوکارہ انیتا سنگھوی کا تعلق اس خطے سے ہے جہاں سے ریشما اور مہدی حسن جیسے فن کار تعلق رکھتے ہیں، انیتا سنگھوی غزل گائکا کا روشن مستقبل ہے۔ اس کے بعد معروف گلوکارہ انیتا سنگھوی نے غالب کی غزلوں کو پیش کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر سید فاروق، ڈاکٹر عزیز احمد صدیقی، متین امروہوی، ڈاکٹر حسین ماجد، ڈاکٹر عقیل احمد، فاطمہ کرمانی، محمد سلیم دہلوی، فاروقی سلیم کے علاوہ دہلی کی معزز علمی و ادبی شخصیات موجود تھیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی 26 فروری 2013

اردو طالبہ کو 21 ہزار روپے کا انعام

نئی دھلی: پنجابی پرموشن کونسل کے ذریعے گرو تیغ بہادر خالصہ سینئر سیکنڈری اسکول کے بارہویں درجے کی طالبہ دُرشنا کو دہلی اقلیتی کمیشن کے ممبر سردار پشپندر کے ہاتھوں 21 ہزار روپے کا نقد انعام، سند اور شیلڈ سے نوازا گیا۔ واضح رہے کہ کونسل نے اردو اور پنجابی زبان کو فروغ دینے کی غرض سے مضمون نویسی کے مقابلہ کا انعقاد کیا تھا، جس میں نویں سے بارہویں درجہ تک کے 1900 بچوں نے حصہ لیا تھا۔ اس مقابلہ میں دُرشنا نے اردو میں اول مقام حاصل کیا ہے۔ اس موقعے پر دہلی اقلیتی کمیشن کے ممبر سردار پشپندر سنگھ، پنجابی پرموشن کونسل کے سرپرست تیج پال سنگھ کھلن، چیئرمین گرمیت سنگھ اور صدر جسونت سنگھ بابی جیسی اہم شخصیات موجود تھیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 26 فروری 2013

اردو پنجابی سے متعلق سروے مکمل

نئی دھلی: نویں سکھ صلاح کار کمیٹی کی میٹنگ میں سردار پشپندر سنگھ نے کہا کہ دہلی اسٹیٹ اقلیتی کمیشن کے ذریعے، پنجابی اور اردو زبان کے تعلق سے جو سروے کیا جارہا تھا وہ اب مکمل ہو چکا ہے اور کمیشن کو 135 صفحات پر مشتمل رپورٹ سونپ دی گئی ہے۔ کمیشن اب جلد ہی سرکار کو اپنی سفارشات بھیجے گا، تاکہ پنجابی اور اردو زبان کی ترقی کے لیے ضروری اقدامات کیے جاسکیں۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 21 فروری 2013

اردو اساتذہ کی تقرری کا مسئلہ

نئی دھلی: دہلی سرکار اور وزیر اعلیٰ شیلا دیکشت کو اردو میڈیم اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری نہ ہو پانے کا شدت سے احساس ہے۔ سرکار کی کوشش ہے کہ ان اسکولوں میں تعمیراتی کاموں کے ساتھ ہی جلد ہی مستقل اردو اساتذہ کی تقرری کو یقینی بنایا جائے۔ ان خیالات کا اظہار آج گورنمنٹ سرودیہ بال ودیالیہ پٹودی ہاؤس دریا گنج میں سالانہ تقریب کے موقعے پر مقامی ممبر اسمبلی پرہلاد سنگھ ساہنی نے کیا۔ اس موقعے

پر اسکول کی میگزین 'پرواز' کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ پرہلاد سنگھ ساہنی نے کہا کہ انھوں نے حلقہ کے اردو میڈیم اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کو یقینی بنانے کے لیے اپنی کوششیں تیز کردی ہیں۔ اس موقعے پر اساتذہ یونین کے سکریٹری اور ماہر تعلیم فرید احمد نے کہا اگر حکومت اور وزیر اعلیٰ اردو اور اردو میڈیم اسکولوں کے لیے واقعی فکرمند ہیں تو انھیں اردو کے اساتذہ کی مستقل تقرری کے فوری احکامات جاری کرنے چاہئیں۔ انھوں نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ متعصب نوکرشاہی وزیر اعلیٰ کے احکامات کو بھی بالائے طاق رکھ دیتی ہے اور ان پر کسی نہ کسی بہانے عمل کو ٹال دیا جاتا ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 19 فروری 2013

آندھرا پردیش

اکیسویں صدی کے اردو ادب پر سیمینار

حیدرآباد: شعبہ اردو گرراج گورنمنٹ کالج نظام آباد آندھرا پردیش میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (سی یو ای گرانٹس) کے زیر اہتمام دو روزہ قومی اردو سیمینار 'اکیسویں صدی اردو ادب چیلنجز اور ان کا حل' کے موضوع پر منعقد ہوا۔ دو روزہ قومی اردو سیمینار کا افتتاح پروفیسر محمد انور الدین شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے کیا۔ اس سیمینار کے مہمان خصوصی پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر نسیم الدین فریس، جناب تبسم فریدی، جناب محمد نصیرالدین صاحب بانی رکن تلنگانہ یونیورسٹی تھے۔ پروفیسر مظفر شہ میری نے کلیدی خطبہ دیا۔ ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی نے خطبہ استقبالیہ دیا اور اس سیمینار کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اردو کی وراثت کو نئی نسل کو منتقل کرنا اور اردو زبان کو عصر حاضر کی ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنا اور اردو میڈیم کے طلبا کے لیے بہتر مستقبل کی سمت آگے بڑھانا اس سیمینار کا اہم مقصد ہے۔ افتتاحی اجلاس کے خطابات کا مجموعی تاثر یہ رہا کہ اکیسویں صدی انفارمیشن ٹیکنالوجی، معلومات اور تیز رفتار ترقی کی صدی ہے۔ اس صدی میں دیگر زبانوں کے مقابلے میں اردو زبان کی ترقی کے امکانات ماضی کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ اردو کی عالمی بستیاں اور اردو بولنے والوں اور اردو لکھنے پڑھنے والوں کی بڑھتی تعداد اس بات کی غماز ہے کہ اردو کا مستقبل روشن ہے۔ اس سیمینار میں ملک کے مختلف علاقوں سے آئے 40 سے زائد مقالہ نگار اردو اساتذہ، اور اسکالرز نے اردو زبان و ادب کے مختلف موضوعات پر اکیسویں صدی کے حوالے سے بات کی۔ مقالہ نگاروں کو مہمانان خصوصی کے ہاتھوں سند اور مومنٹو پیش کیے گئے۔ اس موقع پر یو جی سی کو آرڈینیٹر مسٹر نریش کمار ریاستی صدر اے پی جی سی ٹی اے کی گلپوشی کی گئی۔ ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی کے شکریہ پر دو روزہ اردو سیمینار کا اختتام عمل میں آیا۔

پریس ریلیز، ڈاکٹر ناظم علی، نظام آباد، 7 مارچ 2013

مخدوم محی الدین کی 105ویں سالگرہ

حیدرآباد: مخدوم محی الدین کی 105 ویں سالگرہ تقاریب کے موقعے پر مخدوم فن اور شخصیت کے موضوع پر منعقد کردہ سیمینار مخدوم سوسائٹی، کووا، انجمن ترقی پسند مصنّفین اے آئی ٹی یو سی کی جانب سے سالار جنگ میوزیم کے آڈیٹوریم میں منعقد کی گئیں۔ سید عزیز پاشاہ نے کہا کہ مخدوم محی الدین ترقی پسند مصنّفین کے بانی تھے۔ ان کا انتقال ہوئے تقریباً 46 برس ہوگئے ہیں آج بھی ملک بیرون ملک اور ریاست کے عوام کے دلوں میں ان کی یاد تازہ ہے۔ پدم شری مجتبیٰ حسین نے کہا کہ ہم کو مخدوم محی الدین کے چھوڑے ہوئے ادھورے کام کو پورا کرنا چاہیے اور سیکولر نظریات کو آگے بڑھانا چاہیے۔ شاعر مضطر مجاز نے کہا کہ مخدوم محی الدین ہمیشہ نوجوانوں کو کافی

وقت دیا کرتے تھے اور انھوں نے حیدرآباد کے کئی شعرا کی حوصلہ افزائی کی۔ ڈائرکٹر کووا مظہر حسین نے کہا کہ مخدوم محی الدین کی شخصیت کے بارے میں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ بڑے شاعر کے ساتھ ساتھ ایک انقلابی شخصیت کے حامل تھے۔ اس موقعے پر سینئر صحافی ہادی راحیل، اے آئی ایس ایف کے نمائندے ولی اللہ قادری کے علاوہ دیگر نے خطاب کیا۔ نصرت محی الدین نے خیر مقدمی تقریر کی۔ بعد ازاں غزلوں کا پروگرام پیش کیا گیا اس موقعے پر غزل کے گلوکاروں وٹھل راؤ، خان اطہر، ظہیر الدین بابر، رکن الدین، ضیاء الحسن، سلیم خان، عابد علی خان، ساجد رؤف و دیگر نے مخدوم محی الدین کی غزلیں پیش کیں۔

روزنامہ 'منصف' حیدرآباد، 18 فروری 2013

اترپردیش:

سرسید پر سیمینار

لکھنؤ: چاند تعلیمی سوسائٹی کی جانب سے 'سرسید اور ان کی شخصیت' پر ہونے والے سیمینار میں صدر کی حیثیت سے پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے کہا کہ سرسید بہترین

صحافی بھی تھے اور ان کی نظر حال اور ماضی ہر طرف رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ تعلیم کو فروغ دینے کی منصوبہ بندی میں لگے رہتے تھے۔ لکھنؤ یونیورسٹی کی سابقہ پروفیسر صابرہ حبیب نے کہا کہ وہ اپنے آپ میں خود میں ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ مہمان خصوصی محمد ادیب رکن راجیہ سبھا نے کہا کہ ہم سب کو مل کر معاشرہ کی تعلیم کو عام کرنا ہوگا تاکہ سرسید کے خوابوں کو تعبیر ملے۔ سیمینار کی کنوینر ڈاکٹر خورشید جہاں نے خطبہ استقبالیہ دیا۔ اس موقعے پر امریکہ سے آئے عبداللہ، ڈاکٹر ارشاد، غفران نسیم سمیت کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 21 فروری 2013

شبلی نعمانی اور ان کے تعلیمی تصورات

اعظم گڑھ: علامہ شبلی کو اصلاح نصاب کے اپنے خاکے میں رنگ بھرنے کا موقع بہت کم ملا، تاہم ان کی فکری و علمی کوششوں سے ہندوستان میں دینی تعلیم کی فضا پر بڑے مثبت اور گہرے اثرات و نقوش مرتب ہوئے۔ یہ بات دارالمصنفین شبلی اکادمی میں مشہور ماہر اسلامیات اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر اختر الواسع نے اپنے توسیعی خطبے کے دوران کہی۔ معروف اسلامی اسکالر اور ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ نے کہا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق شبلی کی تعلیمی فکر آج بھی اتنی ہی معنویت کی حامل ہے جتنی کہ وہ کل تھی۔ مسلمانوں کے تعلیمی تقاضے پر ان کا یہ تبصرہ آج بھی اتنا ہی پرمغز اور قابل عمل ہے جتنا کہ وہ کل تھا کہ ''ہم مسلمانوں کے لیے نہ صرف انگریزی مدرسوں کی تعلیم کافی ہے، نہ قدیم عربی مدرسوں کی۔ ہمارے دور کا علاج ایک معجون مرکب ہے جس کا ایک جز مشرقی اور دوسرا مغربی ہے۔ پروگرام کی صدارت پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ڈائریکٹر شبلی اکادمی نے کی جب کہ امریکہ میں مقیم ڈاکٹر عبداللہ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے جلسے کو رونق بخشی اور نظامت کے فرائض عمیر الصدیق ندوی نے انجام دیے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 24 فروری 2013

علی گڑھ نمائش میں اردو تعلیمی کانفرنس

علی گڑھ: آج تعلیم کے میدان میں ہماری پسماندگی کے لیے جتنی حکومت ذمے دار ہے اتنے ہی ہم ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ریجنل اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن علی گڑھ کے زیر اہتمام علی گڑھ نمائش میں 'اردو تعلیمی کانفرنس' کو خطاب کرتے ہوئے پروفیسر صغیر افراہیم نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم صرف حکومتوں کو ہی اس کا ذمے دار ٹھہراتے رہتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم خود بھی اپنی زبان اور تہذیب کو بھولتے جا رہے ہیں۔ پروگرام کی صدارت کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد خالد حمید نے کہا کہ آج اردو زبان اپنا جائز حق پانے سے محروم ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار شاہ رخ شمشاد نے کہا کہ میں آج اس اردو تعلیمی کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ اس طرح کے بیداری پروگرام مستقبل میں بھی منعقد ہوتے رہیں گے۔ چیف ڈیولپمنٹ افسر شمیم احمد نے کہا کہ کوئی بھی زبان کسی قوم یا مذہب کی نہیں ہوتی بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے والا اور اس پر عبور حاصل کرنے والا شخص ہی اس کا عقیدت مند ہے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر جاوید، معروف صحافی پردیپ سکسینہ اور ڈاکٹر ایم یو خان نواب سعید، پرویز علی خاں، اور بی ایس اے شیو پرساد یادو نے بھی جلسے کو خطاب کیا۔ ریجنل اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن کی جانب سے معروف شاعر ناصر امروہوی کو عثمان خاں ایوارڈ اور خالد فریدی کو مولانا عبدالجلیل ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ بہترین ٹیچر کا ایوارڈ رافعہ نکہت کو دیا گیا، وہیں شاعر نسیم نوری، ڈاکٹر مجیب شہزر اور مشرف حسین محضر کو بھی اعزازات سے نوازا گیا۔ اس موقعے پر معروف شاعر ڈاکٹر مجیب شہزر کی کتاب 'آبشارِ غزل' کا اجرا بھی عمل میں آیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 19 فروری 2013

ریاستی امتحان میں اردو کا پرچہ شامل ہوگا

لکھنؤ: اترپردیش کے محنت و روزگار کے وزیر مملکت شاہد منظور نے کہا ہے کہ اترپردیش میں پی سی ایس (جے) کے امتحان میں اردو کو اختیاری مضمون کے طور پر شامل کیا جائے گا، جسے ماضی میں ختم کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ اکھلیش یادو کو تجویز ارسال کی گئی ہے اور امید ہے کہ اس کی منظوری مل جائے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ پی سی ایس (جے) کا امتحان اردو میڈیم سے دینے کی سہولت پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔ یہاں نامہ نگاروں کے سوالوں کو جواب دیتے ہوئے شاہد منظور نے یہ باتیں کہیں۔ یاد رہے کہ گزشتہ 12 فروری کو علی گڑھ میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر مملکت نے کہا تھا کہ اردو میڈیم سے پی سی ایس جے کا امتحان دینے کی سہولت ریاستی حکومت جلد ہی دینے والی ہے۔ ایک گفتگو میں انھوں نے یہ باتیں دوہرائیں اور کہا کہ اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ کو مکتوب ارسال کیا گیا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ اترپردیش میں پی سی ایس (جے) کے مقابلہ جاتی امتحان میں 50 نمبر کا اردو مضمون کا ایک اختیاری پیپر ہوا کرتا تھا جسے ماضی کی حکومت نے ختم کر دیا تھا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 17 فروری 2013

میرٹھ میں ناصر کاظمی کی برسی

میرٹھ: اردو کے مایہ ناز شاعر ناصر کاظمی کی 41 ویں یومِ وفات کے موقعے پر سماجی، ادبی و اصلاحی تنظیم خدمت ویلفیئر سوسائٹی کے گولہ کنواں دفتر پر ایک خصوصی پروگرام منعقد ہوا جس کی صدارت سی سی ایس یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے استاذ ڈاکٹر آصف علی نے کی۔ جب کہ نظامت کے فرائض تابش فرید نے انجام دیے۔ پروگرام کو خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر آصف علی نے کہا کہ ناصر کاظمی کی شاعری کے مداحوں کا ایک وسیع حلقہ دنیا بھر میں موجود ہے جو ہر سال ان کا یومِ ولادت اور یومِ وفات مناتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جو شعری خصوصیات ان کے پہلے مجموعے 'برگ نے' میں ملتی ہیں دوسرے شعری مجموعے 'دیوان' میں اس کی کیفیت مختلف ہے جب کہ تیسرے مجموعے

‘پہلی بارش’ میں انھوں نے ایک نیا تجربہ کیا جو کہ اردو شاعری کے لیے ایک نئی چیز تھی۔ شاعر اظہر اقبال نے پروفیسر گوپی چند نارنگ کی رائے دہراتے ہوئے کہا ’’اس عہد کی شاعری پر ناصر کاظمی کے دستخط ثبت ہیں۔‘‘ انھوں نے مزید کہا کہ ناصر کاظمی عمدہ غزل گو ہونے کے ساتھ نظم نگار بھی تھے۔ ان کی نظموں کا ایک مجموعہ ‘نشاط خواب’ 1977 میں شائع ہوکر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے اور ان کا ایک منظوم ڈرامہ ‘سر کی چھایا’ 1981 میں منظر عام پر آ چکا ہے۔

روزنامہ ‘ہمارا سماج’ دہلی، 3 مارچ 2013

بہار :

بزمِ قلم کار گیا کے زیر اہتمام قومی سیمینار

گیا: بزم قلم کار گیا کے زیر اہتمام ‘موجودہ نظامِ تعلیم: سمت اور نظریہ’ کے موضوع پر ایک قومی سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت بزم کے صدر پروفیسر شوکت علی نے کی۔ اس موقعے پر مہمان اعزازی پروفیسر طلحہ رضوی برق نے تقریر میں فرمایا کہ خودشناسی ہی علم کا نچوڑ ہے۔ انسان کے اندر جب تک خودشناسی نہیں آتی گویا اس کا علم مکمل نہیں ہوتا۔ سنٹرل اسکول گیا کے نائب صدر معلم ڈاکٹر رادھا نند سنگھ نے موجودہ نظام تعلیم کا موجد میکالے کو قرار دیا اور کہا کہ انگریزوں نے ایسا نظام تیار کیا جس سے بھارت کے لوگ آپس میں متحدہ نہ ہوسکیں اور ان کے تہذیب و تمدن و اخلاقی قدروں میں گراوٹ آئی۔ محترمہ گیتا کماری نے موجودہ نظام تعلیم کو اخلاقیات سے دور بتایا، انھوں نے کہا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں اساتذہ کے ساتھ ساتھ گارجین کا کردار بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ صدر شعبۂ سماجیات کے سابق استاد (مگدھ یونی ورسٹی گیا) پروفیسر انیرودھ پرساد نے تعلیم دینے والوں کی نیت اور ان کی سوچ ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے خرابی پیدا ہونے کا خدشہ بتایا۔ نالندہ کالج کے شعبہ انگریزی کے استاد پروفیسر شری کانت سنگھ نے کہا کہ جو نظام تعلیم غلامی کے دور میں انگریزوں نے بنایا تھی آج تک ہم اسی نظام تعلیم کو ڈھو رہے ہیں۔ دلی سے تشریف لائے صحافی اور ادیب پرانجل دھر نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ نظام تعلیم سے طلبا کے اندر علمی استعداد نہیں پیدا ہو رہا ہے۔ اس موقعے پر گیا کے اے ڈی ایم رام بلاس پاسبان نے موجودہ نظام تعلیم کو فرقہ پرستی کا ایک حصہ بتایا۔ صدارتی تقریر میں پروفیسر شوکت علی نے موجودہ نظام میں ترمیمات کی ضرورت پر زور دیا اور اخلاقی قدروں کی بنیاد پر نصاب کی تیاری کو ایک ضرورت بتایا۔ بزم قلم کار گیا کے سرپرست شری رائے مدن کشور نے بزم قلم کار کے ذریعہ کیے گئے سیمینار کے انعقاد پر روشنی ڈالی۔ بزم قلم کار گیا کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر شکیل علائی نے سکریٹری رپورٹ بھی پیش کی جس میں انھوں نے بزم قلم کار 32 سالہ خدمت پر تاریخی روشنی ڈالی۔ اس سیمینار میں سبھی اراکین موجود تھے۔ ڈاکٹر اے۔ جی خان، سید عبدالقادر، سید شاہ خالد قادری، آفتاب احمد، شکیل الرحمٰن وغیرہ کے علاوہ شہر والوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جن میں خصوصی طور پر آزاد خان، ایڈووکیٹ، زاہد صدیقی انجینئر، ڈاکٹر عظمت حسین خان، ڈاکٹر شمس الحسن خان، اُدے کمار (اے ڈی ایم) مگدھ کتاب میلے کے آرگنائیزر شری کندن کمار وغیرہ شخصیات موجود تھیں۔

پریس ریلیز شکیل علائی، جنرل سکریٹری، بزم قلم کار گیا، 4 مارچ 2013

اردو زبان کے مسائل اور ان کا حل

پٹنہ: انجمن ترقی اردو بہار کے زیر اہتمام سیمینار بعنوان ‘اردو کے مسائل اور ان کا حل’ کا انعقاد عمل میں آیا۔ انجمن ترقی اردو بہار کے سرگرم سکریٹری، جناب عبدالقیوم انصاری نے افتتاحیہ تقریر میں مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے صوبہ بہار میں اردو زبان کے مسائل پر تفصیلی گفتگو کی۔ انھوں نے بتایا کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہونے کے باوجود آج تک اسے جائز حق نہیں مل سکا ہے۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین نے صوبہ بہار میں اردو زبان کے تئیں سرگرمی اور اس کے مسائل کے حل کی کاوشوں کے لیے انجمن ترقی اردو بہار کی ستائش کی۔ انھوں نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی جانب سے اردو زبان کی ترقی اور ترویج کے لیے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ ساتھ ہی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ایڈوائزری بورڈ میں انجمن ترقی اردو بہار کو نمائندگی دینے کا بھی وعدہ کیا۔ خواجہ اکرام الدین نے اردو طالب علموں کو یہ مشورہ دیا کہ کمپیوٹر اور جدید ٹکنالوجی کے تمام لوازمات سے اردو والوں کو لیس ہو جانا چاہیے۔ خواجہ محمد اکرام الدین نے

انجمن ترقی اردو بہار کو سابق صدر انجمن پروفیسر عبدالمغنی کے نام سے یادگاری خطبہ منعقد کرنے کے لیے مجاز کیا۔ یہ خطبہ ہر سال انجمن ترقی اردو کی طرف سے منعقد ہوگا اور اس کے مصارف قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان قبول کرے گی۔ ڈائرکٹر موصوف نے کہا کہ خصوصی طور پر نیٹ اور جے آر ایف اور اردو لرننگ کورس کے لیے انجمن ترقی اردو کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے براہِ راست مالی معاونت دی جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کے فروغ میں مدارس اسلامیہ کا تاریخی کارنامہ ہے۔ اس لیے مدارس چاہے وہ سرکاری ہوں یا عوامی، انھیں اردو تحریک سے جوڑ کر مزید سرگرم اور فعال بنانے کی ضرورت ہے۔ تقریب کی نظامت پروفیسر صفدر امام قادری نے کی۔ انھوں نے سیمینار کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے انجمن ترقی اردو کو اردو عوام اور اہالیانِ حکومت کے بیچ ایک ذمہ دار اور موثّر پل قرار دیا۔ انھوں نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر سے انجمن کے کاموں میں پرجوش تعاون کی اپیل کی۔ اس سیمینار سے ڈاکٹر شکیل احمد قاسمی، ڈاکٹر زبیر بھاگلپوری اور جناب امتیاز احمد کریمی وغیرہ نے بھی خطاب کیا۔ اس موقعے پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین کو انجمن ترقی اردو بہار کی جانب سے اردو زبان کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات کے اعتراف میں بابائے اردو مولوی عبدالحق ایوارڈ سے نوازا گیا۔ انجمن ترقی اردو بہار میں چلائے جا رہے اردو لرننگ کورس کے فارغین کو خواجہ اکرام الدین کے ہاتھوں سے سرٹیفیکٹ اور میڈل تقسیم کیا گیا۔ اپنے صدارتی خطبے میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے سیّد اشرف فرید، چیف ایڈیٹر، روزنامہ قومی تنظیم نے اردو زبان کے مسائل سے روشناس کرایا۔

پریس ریلیز عبدالقیوم انصاری، انجمن ترقی اردو بہار، 23 فروری 2013

راجستھان:

اردو صحافت پر سیمینار

جے پور: انجمن فروغ اردو اور راجستھان اردو اکادمی

کے اشتراک سے 'اردو صحافت کی مختلف جہات' موضوع پر منعقدہ دو روزہ سیمینار میں مہمانِ خصوصی مشہور کالم نویس اور صحافی منصور آغا نے قارئین سے گزارش کی کہ اردو اخباروں کو خرید کر پڑھنے کا عہد کریں تبھی اردو اخبارات جاری رہ سکیں گے۔ مقالات کی تین نشستوں کے بعد اختتامی تقریب میں اردو اخبارات سے متعلق قرارداد پاس کی گئیں۔ ان قراردادوں میں اخبارات کو DAVP کی طرح 6 ماہ کی مدت کے بعد ریاستی حکومت کے اشتہارات کی منظوری۔ ریاست کے دوردرشن اور ریڈیو اسٹیشن سے اردو خبریں نشر کرنے کے قومی اردو اخبارات کے نمائندوں کا ایکریڈیشن کرنے، ہندی انگریزی کے قومی اخبارات کو دیے جانے والے اشتہارات اردو کے اخبارات کو بھی دینے جیسے مطالبے کیے گئے ہیں اور جرنلزم کی یونیورسٹی میں اردو جرنلزم کے شعبے قائم کرنے راجستھان کے 62 سال کی عمر سے زیادہ تسلیم شدہ صحافیوں کو حکومت کی جانب سے 5000 روپے ماہانہ پینشن دیے جانے کے فیصلے کا انجمن کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا۔ اختتامی اجلاس کی صدارت اکادمی کے صدر حبیب الرحمٰن نیازی نے کی اور انجمن کی سکریٹری اور ہماری طاقت پندرہ روزہ کی ایڈیٹر ڈاکٹر زیبا زینت نے شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'جدید میل' دہلی، 20 فروری 2013

'غالب: مختلف زبانوں میں' مذاکرہ کا اہتمام

جودھپور: ترجمہ دوسرے کی آنکھ کے خواب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ہنر ہے جس کے لیے لسانی تہذیب اور اسطوری معلومات کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ان خیالات کا اظہار معروف شاعر اور نقاد شین کاف نظام نے بزمِ اردو، جودھپور اور سروکار کے زیر اہتمام غالب کی 144 ویں برسی کے موقعے پر منعقد مذاکرے 'غالب- مختلف زبانوں میں' صدارتی خطبے میں کہا۔ انھوں نے غالب کے فارسی اشعار کے ترجمہ پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ غالب نے اردو کو رشک فارسی بنا دیا۔ غالب ہم عصر نہیں ہمہ عصر شاعر ہیں۔ ڈاکٹر سروج کوشل نے جگن ناتھ پاٹھک کے سنسکرت ترجمہ پر مقالہ پڑھتے ہوئے کہا کہ ترجمہ نگار نے چابک دستی سے اس ہنر کو انجام دیا ہے۔ انھوں نے مختلف مثالوں کے ذریعہ ایک ہی لفظ کے مختلف مقامات پر مختلف معنی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ ترجمہ بھی تخلیق ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر جاگرتی اپادھیائے نے دیوانِ غالب کے انگریزی ترجمہ پر اپنے مقالے میں کہا کہ ترجمہ نہایت مشکل فعل ہے جس میں جذبہ کی شدت کا برقرار رہنا ضروری ہے۔ انھوں نے ترجمہ کی خوبیوں اور خامیوں پر بھی روشنی ڈالی۔ راکیش موتھا نے ہندی ترجمہ میں غالب کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ غالب شعور پر قابض ہو جاتا ہے اور ان کا لہجہ مایوسی کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ خود کو جاننے کا ذریعہ ہے۔ راجستھانی شاعر اشوک جوشی کرانت نے اپنے مقالے میں غالب کی شاعری میں تجسس، اندازِ بیان اور تازگی کا خصوصی طور پر ذکر کیا۔ ڈاکٹر نثار راہی نے غالب کا سوانحی خاکہ پیش کیا۔ اس موقعے پر حبیب کیفی، اے ڈی راہی، کیلاش کبیر، برجیش عنبر، پروفیسر کنہیا لال راج پروہت، ڈاکٹر پدم جا شرما، ساغر القادری، محمد افضل جودھپوری وغیرہ موجود تھے۔ شین میم حنیف نے شکریہ ادا کیا۔ غالب کے فارسی، ہندی، انگریزی، سنسکرت اور راجستھانی ترجمے پر منحصر اس مخصوص مذاکرے کی نظامت اشراق الاسلام ماہر نے کی۔

بذریعہ ڈاک، ڈاکٹر نثار راہی، سکریٹری، بزم اردو جودھپور، 16 فروری 2013

موجودہ عہد میں تصوف کی معنویت

جے پور: 'تصوف کی روحانی دنیا میں موجودہ زندگی کی مشکلوں کو دور کرنے اور انسان کو سکون عطا کرنے کا قیمتی نسخہ موجود ہے۔ آج انسان خود ایک شے بن کر رہ گیا ہے۔ مصنوعی ترقی کے اس دور میں تصوف کی بنیادی تعلیم کے سہارے انسان کامیابی سے زندگی گزار سکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی کے ڈائرکٹر اور دہلی اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع نے پریس کلب، جے پور اور سہر دیہ سمواد کے زیر اہتمام تیسرے 'سنجیون خطبہ' میں کیا— انھوں نے کہا کہ تصوف خدا اور بندے کے تعلق کو محسوس کرنے اور سمجھنے کا نام ہے۔ انھوں نے ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تصوف اسی روایت کی توسیع ہے جو خدا کی تمام مخلوقات کو محبت اور اتحاد سے رہنے کا پیغام دیتی ہے۔ خطبہ کی صدارت راجستھان اردو اکادمی کے چیئرمین ڈاکٹر حبیب الرحمٰن نیازی نے کی۔ انھوں نے تصوف کا پیغام نئی نسل تک پہنچانے پر زور دیا اور کہا کہ بھائی چارے اور محبت کے ذریعے ہی ملک کی ترقی ممکن ہے۔ آغاز میں انجو ڈھڈّا مشر نے سنجیون خطبہ کے اغراض و مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے مرحوم سنجیو مشر کی صوفی اور جین کہانیوں پر مشتمل کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی خدمات کا جائزہ پیش کیا۔ فاروق انجینئر نے شکریہ ادا کیا۔ نظامت کے فرائض عادل رضا منصوری نے انجام دیے۔

بذریعہ ڈاک، ڈاکٹر نثار راہی، سکریٹری، بزم اردو جودھپور، 13 فروری 2013

کیرالہ:

کیرالہ میں 'جشن اردو'

کیرالہ: مارچ کو الجامعۃ الاسمیہ شانتا پرم، کیرالا میں ادارۂ ادب اسلامی، شانتاپورم کے زیر اہتمام ایک پروگرام 'جشن اردو' منایا گیا۔ اس موقعے سے خواتین، ادب اور اسلام، موضوع کے تحت ایک اہم سیمینار منعقد کیا گیا۔ اس کی صدارت ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی نے کی۔ سیمینار میں مختلف ذیلی عنوانات کے تحت مقالے پیش کیے گئے۔ صدارتی خطاب میں صدر موصوف نے فروغِ اردو زبان کے سلسلے میں ادارہ ادب اسلامی کی کوششوں کو، بالخصوص کیرالا کے تناظر میں، لائق تحسین قرار دیا۔ نظامت کے فرائض سعود اعظمی نے انجام دی۔ دوسری نشست میں مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا۔

پریس ریلیز، مصدق مبین، کیرالہ، 6 مارچ 2013

مغربی بنگال:

اردو یونیورسٹی پٹیالہ کے اساتذہ وطلبا کو استقبالیہ

پٹیالہ: اردو یونیورسٹی، مسلم انسٹی ٹیوٹ اسٹڈی سینٹر کے طلبا کی ادبی تنظیم 'بزمِ ادب' کی جانب سے اردو یونیورسٹی پٹیالہ کے اساتذہ وطلبا کے اعزاز میں مسلم انسٹی ٹیوٹ کے کمپیوٹر ہال میں اتوار، 17 فروری 2013 کو ایک استقبالیہ دیا گیا۔ جلسے کی صدارت اسٹڈی سینٹر کے پرنسپل پروفیسر

محمد سلیمان خورشید نے انجام دیے جب کہ نظامت ڈاکٹر نعیم انیس نے کی۔ جناب صفدر مرزا نے خیر مقدمی کلمات سے جلسے کا آغاز کیا۔ ایجوکیشن سب کمیٹی' دی مسلم انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین جناب محمد نسیم نے ان افراد کی کلکتہ آمد پر اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ شعبۂ اردو کی ایک طالبہ ڈاکٹر میناکشی ورما' چنڈی گڑھ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو سیکھنا اور پڑھنا میرا خواب تھا۔ دیرینہ خواہش تھی جواب جا کر پوری ہو رہی ہے۔ پنجابی ادب میں ایم فل کے طالب علم بہادر سنگھ نے کہا کہ پنجابی اگر اور بہتر طور پر سمجھنا ہے تو اردو زبان سیکھنا لازم ہے۔ اس کی مٹھاس مجھے سرشار کرتی ہے۔ اس پروگرام میں دیگر طلبا ریتو بالا، نشارانی، شنکر لال، جسپال سنگھ، سنیل کمار ملک، گرداس سنگھ نے بھی اردو زبان سیکھنے سے متعلق اپنے تجربات و خیالات سے سامعین کو آگاہ کیا۔ طلبا کی تقریر کے بعد شعری محفل کا ابھی

انعقاد کیا جس میں ڈاکٹر عقیل احمد عقیل، نوشاد مومن، ڈاکٹر ندیم احمد ندیم اور ابوالکلام نامی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ معروف ڈراما نگار کمال احمد نے کہا کہ یہ ایک حسنِ اتفاق ہی ہے کہ میں یہاں آنکلا اور اس خوب صورت محفل کا حصہ بنا۔ کلکتہ سے شائع ہونے والے اردو روزنامہ 'عکاس' کے مدیر کریم رضا مونگیری نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پنجاب وہ سرزمین ہے جہاں سے کسی وقت اردو کا سب سے بڑا روزنامہ 'ہند سماچار' شائع ہوا کرتا تھا۔ طالب علموں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ آپ لوگ اس بادِ مخالف میں بھی اردو سیکھ رہے ہیں' میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔ پروفیسر سلیمان خورشید نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں بھی پنجاب اور ہریانہ خطے کی اپنی الگ پہچان ہے۔ جلسے میں بزم ادب کے اراکین کے علاوہ طلبا و طالبات کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔

پریس ریلیز، انیس نعیم، 17 فروری 2013

مہاراشٹر :

اردو اساتذہ کا تربیتی پروگرام

اورنگ آباد: مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے مرکزی پیشہ ورانہ فروغ برائے اساتذہ اردو ذریعے تعلیم اور اسوسی ایشن آف اردو ایجوکیشن سوسائٹیز کے اشتراک سے اساتذہ کے لیے 5 روزہ تربیتی کیمپ کا آغاز اقرا اردو پرائمری اسکول میں ہوا۔ نظامت الیاس احمد نے کی۔ ڈائرکٹر پروفیسر مظہرالدین فاروقی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اساتذہ درس و تدریس کے دوران علم کی ترسیل کے ساتھ اپنی تہذیب کی معلومات بھی دیں۔ رشید انجینئر نے افتتاحی تقریر میں مرکزی پیشہ ورانہ فروغ برائے اساتذہ اردو ذریعہ تعلیم کی اس کوشش کو سراہا کہ وہ اساتذہ کی اچھے طریقہ سے تربیت کا نظم کرتا ہے۔ خواجہ معین الدین، مرزا سلیم بیگ نے بھی اس موقعے پر خطاب کرتے ہوئے تربیتی کیمپ کی اہمیت پر زور دیا۔ سیشن کے آغاز میں موظف ایجوکیشن آفیسر غلام صمدانی اور ڈاکٹر دوست محمد خان، سابق پرنسپل مرہٹواڑہ کالج آف ایجوکیشنل اورنگ آباد نے بہت خوبصورت اور دلچسپ انداز میں اساتذہ کی رہنمائی کی۔

روزنامہ 'اورنگ آباد ٹائمز' اورنگ آباد، 6 فروری 2013

سول سروسز امتحان اور اردو

مالیگاؤں: وژن سول سروسیز کے تحت 'سول سروسیز امتحان اور اردو زبان' کے عنوان پر مہاراشٹر کے شہر مالیگاؤں میں کل ہند تعلیمی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ کانفرنس محمد عمر ایجوکیشنل ریسرچ سینٹر، مالیگاؤں اور مہاراشٹر ساہتیہ پریشد، شاخ مالیگاؤں (رجسٹرڈ) کے اشتراک سے منعقد کی گئی تھی۔ ایڈووکیٹ خلیل احمد انصاری نے کانفرنس کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور زور دے کر کہا کہ کسی بھی قوم کی ترقی اس کے نوجوانوں پر منحصر ہوتی ہے۔ محترمہ شاہین قادری 'سول سروسیز امتحان میں خواتین کی کم شمولیت' کے عنوان پر اپنا پرمغز مقالہ پیش کیا۔ یوگیش چوہان نے بتایا کہ مادری زبان کے ساتھ ساتھ ریاستی زبان اور انگریزی زبان پر عبور ہونا بھی ضروری ہے۔ پروفیسر سجاد حسین جعفری نے 'حکومتی سطح کے روزگار مرکوز مقابلہ جاتی امتحانات' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے طلبا کی شخصیت سازی میں والدین اور اساتذہ کے کردار کی اہمیت پر زور دیا۔ صدارت کے فرائض محمد خورشید صدیقی کارگزار چیئرمین، مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی، ممبئی نے انجام دیے۔ اجلاس میں اپنی باتیں پیش کرتے ہوئے امداد حسین ریسرچ اسکالر، مغربی بنگال نے واضح الفاظ میں کہا کہ نئی نسل کو جدید طریقوں اور وسائل سے واقف کراتے ہوئے انھیں مستقبل کے لیے تیار کرنا ہماری ذمے داری ہے۔ مالیگاؤں کے ایم ایل اے مفتی محمد اسمٰعیل قاسمی نے کہا کہ انقلاب لانے کے لیے تھوڑے لوگ بھی کافی ہوتے ہیں۔ صدر اجلاس محمد خورشید صدیقی نے اردو اکادمی کی سرگرمیوں بالخصوص اسکالرشپ امتحانات سے متعلق سرگرمیوں کو بالتفصیل پیش کرتے ہوئے اس کے متحرک کردار پر روشنی ڈالی۔ اشفاق عمر کے شکریہ کے ساتھ کانفرنس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔ ڈاکٹر فخرالہدیٰ شیخ، پروفیسر عبدالمجید صدیقی، نعیم زاہد، رضوان عبدالمطلب، ڈاکٹر احتشام دانش، عتیق شعبان، خان انعام الرحمٰن، کلیم دانش، ابوذر انصاری، ڈاکٹر عبداللہ سمیت کثیر تعداد میں سرکردہ افراد موجود تھے۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 6 مارچ 2013

ذاکر حسین کے یومِ ولادت پر جلسہ

جلگاؤں: ڈاکٹر ذاکر حسین اردو ہائی اسکول و جونیر کالج بیاول میں دسویں بارہویں کے طلبہ و طالبات کے لیے الوداعی تقریب اور سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کے یوم ولادت کے موقعے پر ایک تقریب جناب الحاج طاہر سیٹھ صدر نیشنل ایجوکیشن سوسائٹی بیاول کی صدارت میں منعقد کی گئی۔ اس موقعے پر الحاج کریم سیٹھ، الحاج ابراہیم سیٹھ (چیئرمین)، الحاج عزیز خان، الحاج اختر حسین شیخ، عطاء اللہ سیٹھ، عمر سیٹھ، الحاج فضل الرحمٰن سیٹھ اور دیگر اراکین سوسائٹی بحیثیت مہمان خصوصی شریک ہوئے۔ ترانہ ذاکر حسین کے بعد رحیم رضا سر نے جلسے کی غرض و غایت بیان کی۔ ثاقب خان، فیض احمد، تاج بی بی، نازیہ پروین، اور سمیہ سلطانہ جب کہ بارہویں جماعت کے فرحین اختر خلیق الزماں، آفرین شیخ شاہد، ثنا آفرین شیخ اکبر و دیگر طلبہ نے الوداعی تقریب پر اپنے خیالات پیش کیے۔ اسی تقریب میں ذاکر حسین کوئز کانسٹیٹ اور املانویسی نیز کرکٹ کے مقابلوں میں نمایاں کارکردگی پیش کرنے والے طلبہ و طالبات کو مہمانوں کے ذریعے انعامات و سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا۔ جناب غلام عزت خاں نے نظامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیے۔

پریس ریلیز، صدر مدرس، ذاکر حسین اردو ہائی اسکول، یاول 13,17 فروری 2013

اعزاز و اکرام:

ڈاکٹر صفدر کو امرتا پریتم لٹریری نیشنل ایوارڈ

امراؤتی: اردو کے معروف ناقد اور جدید شاعر ڈاکٹر صفدر کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے لئے مہاتما پھلے ٹیلنٹ ریسرچ اکادمی کی جانب سے امرتا پریتم لٹریری نیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ناگپور میں منعقدہ ایک شاندار تقریب میں انھیں یہ اعزاز سابق چیف جسٹس شری کے جے روہی کے ہاتھوں دیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر وی ٹی پاٹل، سابق وائس چانسلر، پانڈے چری یونی ورسٹی، ڈاکٹر کمل سنگھ،

سنت گاڈگے بابا، امراؤتی یونی ورسٹی، ڈاکٹر چندر بھان بھوئر، ڈائرکٹر، مہاتما پھلے ٹیلنٹ ریسرچ اکادمی بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر صفدر اپنی گراں قدر تصانیف، 'اردو کی جدید شعری تنقید' اور 'شاعری وشیوہ پیغمبری' کے علاوہ اپنے دو شعری مجموعوں، 'لفظوں پہ رم' اور 'قل قل آبِ وضو' کے ذریعے ادبی حلقوں میں اپنی شناخت قائم کر چکے ہیں۔ اس موقعے پر ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن، ڈاکٹر محمد اسداللہ اور شاہد رشید نے انھیں مبارکباد پیش کی۔

پریس ریلیز، محمد اسدالدین، مہاراشٹر، 6 مارچ 2013

انجینئر احمد رئیس صدیقی کو مولانا باقر ایوارڈ

نئی دهلی: امامیہ ایجوکیشنل ٹرسٹ لکھنؤ کی چالیسویں تعلیمی کانفرنس کا شاندار انعقاد غالب اکادمی نئی دہلی میں عمل میں آیا جس میں نادیہ ٹائمز کے چیف ایڈیٹر و مالک

انجینئر احمد رئیس صدیقی علیگ کو مولانا باقر ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا، یہ ایوارڈ انجینئر احمد رئیس صدیقی کو ان کے تعلیمی کھیل اور صحافت کے میدان میں نمایاں کارکردگی کی بدولت پیش کیا گیا۔ واضح رہے کہ انجینئر احمد رئیس صدیقی این ٹی پی سی کے چیف انجینئر کے عہدے پر فائز رہتے ہوئے اردو ہندی انگلش میں سائنس، اسپورٹس اور ماحولیات کے اوپر دیگر مضامین بھی لکھتے رہے ہیں، اور اس کے علاوہ شعر وشاعری کا بھی شوق ہے۔ اور اردو سے محبت کی بدولت اردو میں ایک روزنامہ 'نادیہ ٹائمز' کی اشاعت بھی کرتے ہیں۔ ٹرسٹ کے جنرل سکریٹری مولانا سید علی حسین قمی نے ٹرسٹ کی خدمات کا ذکر کیا۔ مولانا تقی نقوی کو، ڈاکٹر ذاکر حسین ایوارڈ، سید امام حیدر زیدی کو آیت اللہ خمینی ایوارڈ، حسن احمد کو راجیو گاندھی ایوارڈ، اور مولانا سید علی نقوی کو خطیب الایمان ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی طلبا وطالبات کو انعامات سے سرفراز کیا گیا۔

روزنامہ 'ہندستان ایکسپریس'، دہلی، یکم مارچ 2013

محمد سرور الزماں سرور

ہزاری باغ: ہندو پاک کے شہرت یافتہ شاعر جناب ظہیر غازی پوری اسکول ہزاری باغ کے اول شاگرد کہنہ مشق شاعر محمد سرور الزماں سرور کو جھارکھنڈ مسلم سماج کے ذریعے یوم پیدائش غالب کے موقعے پر صدر سلام خان کی موجودگی میں مہمان خصوصی جھارکھنڈ قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر جناب سی پی سنگھ کے ہاتھوں غالب ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ سرور صاحب کے ادبی سفر کا آغاز 1970 میں ہوا تھا۔ ان کی پہلی غزل 1972 میں ماہنامہ معمار گلبرگہ میں شائع ہوئی۔ محمد سرور الزماں سرور کو غالب ایوارڈ ملنے سے ہزاری باغ کے ادبی حلقے کے ساتھ ساتھ پورے شہر اور ریاست کا سر فخر سے بلند ہوا ہے۔

پریس ریلیز، محمد سرور الزماں سرور، ہندی اردو میڈیا انچارج، کاروان ادب ہزاری باغ، جھارکھنڈ 14 جنوری 2013

اردو اکادمی کے سالانہ ایوارڈز 2012 کا اعلان

نئی دھلی: اردو اکادمی دہلی کی چیئر پرسن اور دہلی کی وزیر اعلیٰ محترمہ شیلا دکشت نے اکادمی کی ایوارڈ سب کمیٹی و ایگزیکٹیو کمیٹی کی تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے اکادمی کے 2012 کے ایوارڈز کی توثیق کردی ہے۔ امسال اردو اکادمی، دہلی کی جانب سے اردو شعر و ادب، صحافت، طنز و مزاح اور بچوں کے ادب سے متعلق آٹھ مقتدر ہستیوں کو اکادمی کے سالانہ ایوارڈز پیش کیے جائیں گے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: پروفیسر اسلوب احمد انصاری کو 2012 کا 'کل ہند بہادر شاہ ظفر ایوارڈ پیش کیا جائے گا۔ 'پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی ایوارڈ' پروفیسر محمد ذاکر کو پیش کیا جائے گا۔ ڈاکٹر عبدالرشید کو 'ایواڈ برائے تحقیق وتنقید' دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ رتن سنگھ کو 'تخلیقی نثر کا ایوارڈ' دینے اعلان کیا گیا ہے۔ شاد فدائی کو 'ایوارڈ برائے شاعری' پیش کیا جائے گا۔ ماجد رمن کو 'ایوارڈ برائے اردو صحافت' پیش کیا جائے گا۔ اسرار جامعی کو 'ایوارڈ برائے طنز و مزاح' پیش کیا جائے گا۔ واجد علی شاہ کو 'ایوارڈ برائے ادب اطفال' پیش کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ پروفیسر اختر الواسع کا خیال ہے کہ پرانے لوگوں کی خدمات کا اعتراف ماضی سے حال کے رشتہ کو مستحکم کرنا ہے۔ یہ تمام اعزاز دہلی میں ایک پروقار تقریب میں دیے جائیں گے جس میں ایوارڈ یافتگان کو رقم کے ساتھ شال، اسناد اور مومنٹو پیش کیے جائیں گے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 15 مارچ 2013

دہلی اردو اکادمی کے ایوارڈ

نئی دھلی: ایوارڈ و کلچرل سب کمیٹی اور اکادمی کی ایگزیکٹیو کمیٹی کی مشترکہ میٹنگ میں جس کی صدارت اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع نے کی سال 2012 کی بہترین کتابوں پر انعامات دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اکادمی کو موصول 36 کتابوں میں سے جن کتابوں کا انتخاب عمل میں آیا ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔ ناشر کے لیے منشی نول کشور انعام مبلغ سات ہزار ایک سو روپے عرشیہ پبلی کیشنز کو دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ سات ہزار ایک سو روپے کے انعام کے لیے منتخب کتابیں:
بجھتے لمحوں کا دھواں (پی پی سریواستو رند)، غالب کے گھر شادی (منظور عثمانی)، روئے شمیم سے نزہت، عشق کی بہتی ہے (حنیف ترین)، ہندی سنیما میں مسلم اداکارائیں (غیاث الرحمٰن)، سرگوشیاں (برج ناتھ بے تاب)، تاریخ یوسفی المعروف عجائبات فرنگ (ڈاکٹر مظہر احمد)، تیرے لیے (میکش امروہوی)، قلندر بولتا ہے (سلیم صدیقی)، پیروڈی کا فن (امتیاز وحید) پانچ ہزار ایک سو روپے کے انعام کے لیے منتخب کتابیں: موشگافیاں (زاہد علی خاں اثر)، ہرچہ بادا باد (ظفر عدیم)، تاروں کی آخری منزل (تبسم فاطمہ)، پچھلی پیت کے کارنے (خورشید اکرم)، آزادی کے بعد اردو سفرنامہ (سعید احمد)، سردار شناسی (عمر رضا) جہانِ سائنس (محمد نسیم اختر)، اردو نصاب اور مدارس (توقیر راہی)، سائبر دنیا میں اردو (مظہر حسنین)، حسنِ علم حسنین امروہوی)، کیوں اور کیسے (ناظمہ پروین) تمام انعام یافتگان کی خدمت میں ہر سال کی طرح اس سال بھی اردو اکادمی کے نشان (میڈل) اور سرٹیفکیٹ بھی پیش کیے جائیں گے۔ انعامات کا یہ جلسہ 19 مارچ 2013 کو اکادمی کے قمر رئیس سلور جوبلی آڈیٹوریم میں منعقد ہوگا۔

پریس ریلیز، انیس اعظمی، سکریٹری، اردو اکادمی دہلی، 9 مارچ 2013

رسم اجرا:

آج کی کہانیاں

نئی دھلی: اردو کے ممتاز نقاد اور دانشور پروفیسر گوپی چند نارنگ کی مرتبہ نئی کتاب 'آج کی کہانیاں' نیشنل بک ٹرسٹ کے ذریعہ شائع ہوکر منظر عام پر آئی ہے جس میں 52 بہترین اردو کہانیوں کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب آزادی کے بعد سے اب تک کے افسانوی سفر کو محیط ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں پروفیسر گوپی چند نارنگ نے لکھا ہے "کہنے کی ضرورت نہیں کہ اردو افسانہ میں جدیدیت کا سماجی بے تعلقی کا اوڑھا ہوا تقلیدی ایجنڈا جو مغرب کی اترن تھا اور اردو کے اقلیتی معاشرے کے تہذیبی مزاج سے لگاؤ نہیں کھاتا تھا، پوری طرح شکست ہو چکا ہے اور کشادہ سماجی سروکار کی آئیڈیالوجیکل و تخلیقی ترجیحات کے نئے توسیعی روپ طرح طرح سے اظہار پانے لگے ہیں۔ زیر نظر انتھالوجی میں ان تمام تخلیقی ترجیحات کی کماحقہ نمائندگی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

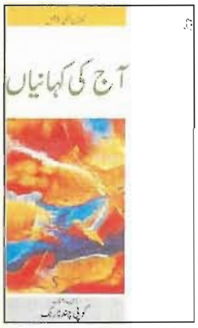

افسانوں کے متعدد انتخابات کے ہوتے ہوئے ایک اور انتھالوجی کے جواز کے بارے میں وہ مزید کہتے ہیں کہ "نیشنل بک ٹرسٹ سے کئی دہائیاں پہلے رضیہ سجاد ظہیر کا ایک نمائندہ انتخاب شائع ہوا تھا۔ ادھر دو کتابیں اور چھپی ہیں۔ دونوں کتابیں اچھی ہیں۔ اردو افسانے میں اتنی گہرائی و گیرائی ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تینوں کتابوں کو ملا کر شاید پوری تصویر سامنے آسکے۔ یہی اس کوشش کا جواز اس انتخاب میں بلراج مین را، بلونت سنگھ، جوگندر پال، جیلانی بانو، حیات اللہ انصاری، راجندر سنگھ بیدی، رام لعل کے ساتھ ساتھ موجودہ تخلیق کاروں کی کہانیاں بھی شامل کی گئی ہیں۔

روزنامہ 'انقلاب' نئی دہلی، 6 مارچ 2013

ایوانِ وفا

مرادآباد: نگر نگم ہال میں ریاجن کلیان سمیتی کے زیر اہتمام کے مشہور و معروف شاعر ضیا شادانی کے مجموعے کلام 'ایوانِ وفا' کی تقریب کا اجرا حیات النبی خاں

کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس موقعے پر ریاجن کلیان سمیتی کی جانب سے ضیا شادانی کو مومنٹو اور شال پیش کی گئی۔ معصوم مرادآبادی بحیثیت سرپرست اور یوسف انصاری ایم ایل اے نے بھی اپنے اپنے خیالات پیش کیے۔

روزنامہ 'جدید خبر' دہلی، 12 فروری 2013

معراجِ سخن

امروهه: ہندوستان میں اردو ادب اور شاعری کی اہم ترین صنف مرثیہ میں آج ایک اہم ترین اضافہ امروہہ کے آئی ایم انٹر کالج میں ہوا جہاں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی شان میں منتخب 14 مرثیوں پر مشتمل ڈاکٹر عظیم امروہی کی تازہ تصنیف 'معراج سخن' کی رونمائی شہر کارپوریشن کے چیئرمین ڈاکٹر افسر پرویز صدیقی اور اترپردیش اردو ادب سوسائٹی کے بانی کوثر علی عباسی نے کی۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر جمشید کمال نے بتایا کہ معراج سخن ڈاکٹر عظیم امروہی کا عظیم شاہکار ہے جس میں انھوں نے اردو زبان رثائیت سے وابستہ 14 شعرائے کرام کے مرثیہ تحقیق و ایک عظیم مقدمہ کے ساتھ پیش کیا۔ ماسٹر اسلم عثمانی نے کہا کہ یہ کتاب اپنے آپ میں منفرد ہے کیونکہ مرثیہ کے حوالے سے ابھی تک کوئی کتاب منظر عام پر نہیں آئی۔

روزنامہ 'سیاسی تقدیر' دہلی، 20 فروری 2013

نظیر ثانی اشک امرتسری

اردو شعر و ادب کی مشہور و معروف شخصیت ڈاکٹر معصوم شرقی کی کتاب 'نظیر ثانی اشک امرتسری، تعارف' تنقید اور تدوین کلام' کا اجرا 17 فروری 2013 کو مسلم انسٹی ٹیوٹ کولکاتا کی لٹریری کمیٹی کے زیر اہتمام ہوا۔ اجرا کی رسم کلکتے کی مشہور سماجی و ادب نواز شخصیت جناب جمیل منظر نے ادا کی اور صدارت پروفیسر سلیمان خورشید نے فرمائی۔ نظامت انجم عظیم آبادی نے کی۔ اپنے تمہیدی کلمات میں

ناظمِ جلسہ نے فرمایا کہ ڈاکٹر معصوم شرقی تحقیق کے ایسے آدمی ہیں جنھوں نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ ان کا یہ تحقیقی کام قابلِ مبارک باد اور لائق ستائش ہے۔ تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے قیصر شمیم نے کہا کہ عبدالغفار شہباز نے جو کام نظیر اکبرآبادی کے سلسلے میں 'زندگانی نظیر' کی شکل میں کیا تھا وہی کام ڈاکٹر معصوم شرقی نے اشک امرتسری کی بازیافت کر کے انجام دیا ہے۔ مشہور ادیب وڈراما نویس ظہیر انور نے کہا معصوم شرقی نے اشک کی شاعری کے نئے انداز و تناظر میں جھانکنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب بڑی تحقیق اور وسیع مطالعے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔ جمیل منظر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ معصوم شرقی کا یہ کارنامہ اہم اور انمول ہے۔ صدرِ جلسہ پروفیسر سلیمان خورشید نے کہا کہ نظیر کی سوچ اشک امرتسری کے یہاں ضرور ملتی ہے مگر اشک کی شاعری میں ان کا امتیازی پہلو نمایاں ہے۔ اشک پر کام کر کے معصوم صاحب نے اشک پر تحقیق کی شروعات کی ہے۔

پریس ریلیز ایم نصراللہ نصر 28 فروری 2013

دہلی کی مساجد پر کتاب کا عربی ترجمہ

نئی دهلی: جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر نجیب جنگ نے کہا ہے کہ مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی کی کتاب 'دہلی کی تاریخی مساجد' ایک اہم کتاب ہے اور مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی انمول ہیرا اور انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ انڈو عرب ثقافتی مرکز جامعہ ملیہ اسلامیہ میں معروف محقق و مصنف مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی کی مشہور زمانہ کتاب دہلی کی تاریخی مساجد کے عربی ترجمہ کے اجرا

کے موقعے پر اپنے خطاب میں کہا کہ کتاب کے مترجم پروفیسر احمد جلیسری نے کتاب کی اہمیت، مصنف کے مقام اور ترجمہ کا پس منظر بیان کیا۔ مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی نے کہا کہ اس کتاب کے اندر مختلف ادوار کی مساجد کا تذکرہ ہے جو اسلامی فن تعمیر کے شاہکار نمونے ہیں۔ پروفیسر ذکرالرحمٰن نے تعارفی خطاب میں کہا کہ دہلی میں سلطنت غلاماں سے لے کر سلطنت مغلیہ تک مساجد اور عبادت گاہوں کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔ انھوں نے جامع مسجد دہلی اور مسجد فتح پوری کی واگزاری کا بھی تذکرہ کیا۔ اس موقعے پر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث نے کہا کہ ہندوستان کے فن تعمیر سے عالم اسلام کو متعارف کرانے کی یہ مبارک کوشش ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 26 فروری 2013

کلیات صدیقی

حیدرآباد: جسٹس سید شاہ محمد قادری موظف جسٹس سپریم کورٹ نے مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ میں کلیات صدیقی کی رسم اجرا انجام دی اور اپنے خطاب میں کہا کہ ہمارا اعقیدہ ہے کہ جس محفل میں ذکر رسول ہوتا ہے وہاں انوار رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ حضرت کاملؒ شطاری نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ حضرت صدیقی دکن کے ایک عظیم نعت گو شاعر تھے۔ ان کے ہر شعر میں نبی اکرمؐ سے محبت کے جذبات نمایاں ہیں۔ پروفیسر اشرف رفیع نے اپنے وقیع مضمون میں کہا کہ 583 صفحات پر مشتمل اس ضخیم کلیات صدیقی میں معجز بیانیاں اور حیات طیبہ کا ہر گوشہ روشن ہے۔

روزنامہ 'منصف' حیدرآباد، 5 فروری 2013

دردِ دل لکھوں کب تک

امروهه: مشہور فلم ڈائرکٹر کمال امروہی کی دختر رخسار امروہی کے اوّلین شعری مجموعہ 'دردِ دل لکھوں کب تک' کا رسم اجرا دیوان خانہ کمال امروہی محلہ دربار شاہ ولایت میں ڈی ایم ونود کمار پوار کے دست مبارک سے عمل میں آیا۔ پروگرام کی صدارت پروفیسر منظر عباس نقوی نے کی اور نظامت کے فرائض پیمبر امروہی نے بخوبی انجام دیے۔ اس کے بعد معزز مقررین نے رخسار نقوی کی شخصیت اور ان کے شعری مجموعہ 'دردِ دل لکھوں کب تک' سے متعلق مقالے پیش کیے۔ سراج نقوی، روزنامہ صحافت کے ایڈیٹر حسن شجاعت، شعیب رضا فاطمی اور انیس امروہوی نے کتاب کے حوالے سے اپنی بہترین تقاریر سے حاضرین سے دادو تحسین حاصل کی۔ پروگرام کے آخر میں رخسار امروہوی نے لوگوں کی خواہش پر اپنے مجموعے کی چند غزلیں پیش کیں۔ اس موقعے پر شوق امروہوی، خورشید حیدر زیدی، قمر مبین، سبط جمال، اقبال خاں، سرور علی ایڈوکیٹ، کوثر عباسی، کے علاوہ کافی تعداد میں لوگ موجود رہے۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 26 فروری 2013

'جلوہ آرائیاں' اور 'پتھر میں شگاف'

نئی دهلی: فریڈم فائٹرس میموریل فاؤنڈیشن کی جانب سے AB-95 شاہجہاں روڈ، نئی دہلی میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا، جس میں ممبر پارلیمنٹ جے پرکاش اگروال، گلزار دہلوی، احمد جلیسری، اسد رضا، اسلم چشتی، وسیم راشد، مشرف حسین محضر، شمس رمزی، سکندر عاقل، قیصر عزیز، ایس یوظفر، انا دہلوی، جگدیش ہمراز، نسیم نیازی، چشمہ فاروقی، نسیم نوری اور بانی محفل معروف شاعر راشد باقی نے شرکت کی۔ احمد جلیسری کی کتاب 'جلوہ آرائیاں' اور محضر علی گڑھی کی کتاب 'پتھر میں شگاف'

کا اجرا عمل میں آیا۔ شاعر و صحافی اسد رضا مدیرہ وسیم راشد، پونہ سے آئے شاعر اسلم چشتی، چشمہ فاروقی اور شاعر جگدیش ہمراز وغیرہ کو شاعری وصحافت میں نمایاں خدمات کے لیے 2013 کے مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ سے نوازا گیا۔ صدر جلسہ ڈاکٹر گلزار دہلوی نے اپنے صدارتی کلمات میں اردو زبان کی عظمت اور ممبر پارلیمنٹ جے پرکاش اگروال کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حاضرین کو اپنے اشعار سے بھی نوازا۔ دیگر شعرا نے بھی اپنا کلام پیش کیا۔ نظامت شاعرہ راشد باقی و شمس رمزی نے کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا'، دلی، 27 فروری 2013

وفیات:

مانک ٹالا

ممبئی: اردو کے ممتاز اور سینئر فکشن نگار اور محقق (89 سالہ) مانک ٹالہ 19 فروری کی صبح ممبئی میں اپنے گھر پر انتقال کر گئے۔ مانک ٹالا جن کا خاندانی نام گوپال کرشن تھا، لاہور کے قریب ایک قصبے باغبان پورہ میں 21 ستمبر 1924 کو پیدا ہوئے تھے۔ جامعہ پنجاب سے انھوں نے بی ایس سی کی ڈگری لی اور انگریزی میں ایم اے بھی کیا۔ اُن کی کہانیوں کے کئی مجموعے شائع ہوئے جن کے نام اس طرح ہیں: پیاسی بیل اپریل 1964، گناہ کا رشتہ (جولائی 1974)، پنجرے کے پنچھی (ستمبر 1984)، ہوری کا دوسرا جنم (فروری 1999)، جب کہ 'دامن کی آگ' نامی ناولٹ (1972) بھی طبع ہوا۔ ان کا ایک مزاحیہ وطنزیہ ناولٹ 'ماڈرن قصہ چار درویش 1971 میں منظر عام پر آیا۔ ان کی پہلی کتاب (پریم چند اور تصانیفِ پریم چند: کچھ نئے تحقیقی گوشے) نومبر 1985 میں شائع ہوئی پھر پریم چند: کچھ نئے مباحث، 1988 میں، اسی طرح پریم چند: حیات نو 1993 میں، پریم چند کا سیکولر کردار اور دیگر مضامین (جسے وہ تالیف سمجھتے ہیں) 2001 میں شائع ہوئی جب کہ توقیتِ پریم چند 2002 میں سامنے آئی۔ دیانرائن نگم کی ادارت میں شائع ہونے والا کانپور کا مشہور جریدہ 'زمانہ' کے پریم چند نمبر کی از سر نو تدوین بھی مانک ٹالا کی سعی پر مشکور ہے، جس میں انھوں نے کئی تحقیقی خامیوں کی نشاندہی بھی کی۔ یہ کتاب جولائی 2002 میں قومی کونسل فروغ برائے اردو (دہلی) نے شائع کی تھی۔ ان کی ادبی تخلیقات پر مختلف اکادمیوں نے اکرام و اعزاز سے نوازا۔ پنجاب بھاشا وبھاگ نے ان کی تین کتابوں پر انعام دیا۔ مہاراشٹر اردو اکادمی نے دو کتابوں کے علاوہ سراج اورنگ آبادی ایوارڈ سے (97-1996) سے سرفراز کیا۔

روزنامہ 'خبر جدید' دہلی، 25 فروری 2013

ڈاکٹر حامد الانصاری انجم جمال اثری

سنت کبیر نگر: ملک کے مشہور ومعروف عالم دین، خطیب، مناظر، واعظ اور صحافی مولانا ڈاکٹر حامد الانصاری انجم جمال اثری اپنے آبائی

وطن لوہرسن بازار ضلع سنت کبیر نگر یوپی میں 17 فروری کو رحلت فرما گئے۔ ان کی عمر تقریباً 85 سال تھی۔ نماز جنازہ دو پہر دو بجے مقامی مدرسہ مدینۃ العلوم کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ مرحوم کی نماز جنازہ ان کے چھوٹے بیٹے ڈاکٹر شمس کمال انجم نے پڑھائی۔ مولانا کے پسماندگان میں پانچ بیٹے حماد انجم، ایڈووکیٹ، سہیل انجم (وائس آف امریکہ) قمر جمال انجم (جدہ)، مولانا آصف ہلال انجم، ڈاکٹر شمس کمال انجم صدر شعبہ عربی راجوری یونیورسٹی جموں اور دو بیٹیاں ہیں۔ مولانا مرحوم نے 1950 میں دہلی کے مدرسہ ریاض العلوم سے سند فراغت حاصل کی تھی اور 1955 میں طبیہ کالج قرول باغ سے تکمیل الطب کیا تھا۔ مولانا مرحوم ایک متنوع الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ شاعری میں ان کے استاد علامہ سرشار کسمنڈوی اور لطافت علی ہما صدیقی (کراچی) تھے۔ آپ کے تقریباً ایک درجن نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ آپ کی حیات وخدمات پر ایک کتاب نقوش جاوداں شائع ہوئی ہے اور دوسری انجم تاباں اور کلیات انجم زیر اشاعت ہیں۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 18 فروری 2013

خراج عقیدت:

ڈاکٹر تنویر احمد علوی

نئی دھلی: اردو فارسی کے ممتاز محقق، دانشور، عالم اور استاذ الاساتذہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے انتقال پر کئی ادبی شخصیات نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کا انتقال اردو فارسی شعر وادب کی دنیا کا عظیم خسارہ ہے۔ آج اردو ادب ایک ایسے عالم سے محروم ہوگیا ہے جس نے اپنی علمی بصیرت سے نہ جانے کتنے لوگوں کو فیض یاب کیا۔ ڈاکٹر

تنویر احمد علوی نہ صرف ادب کے ایک کامیاب استاد تھے بلکہ تحقیق وتنقید کے میدان میں ان کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر عبدالحق، پروفیسر عتیق اللہ، پروفیسر صادق و پروفیسر خالد محمود نے کیا۔ پروفیسر ابن کنول، پروفیسر توقیر احمد خاں نے کہا کہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نہ صرف علم کا خزانہ تھے بلکہ ایک مشفق استاد بھی تھے۔ اردو گھر میں تعزیتی میٹنگ کی صدارت انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کی۔ اس موقعے پر انجمن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ انتہائی شفیق استاد کے ساتھ ساتھ ایک سنجیدہ اور ذمہ دار محقق بھی تھے۔ انجمن کے نائب صدر ڈاکٹر خلیق انجم، دوسرے نائب صدر شریف الحسن نقوی نے بھی خراجِ عقیدت پیش کیے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر شاہد ماہلی نے کہا کہ علمی اور تحقیقی معاملات پر ان کو جتنا عبور حاصل تھا اتنا ہی ان کے رویے میں وزن و وقار بھی تھا۔ ڈاکٹر اسلم پرویز نے کہا کہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی میں زبردست شائستگی تھی۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کہا کہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کو انھوں نے کبھی علمی موضوعات کے علاوہ کسی بھی ایسے موضوع پر گفتگو کرتے نہیں پایا جو دنیاداری سے متعلق ہو۔ اردو اکادمی، دہلی میں ایک تعزیتی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے علم کی وسعت اور گہرائی ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ معصوم مرادآبادی نے کہا کہ دہلی کی علمی، ادبی و تہذیبی کہکشاں کا آخری ستارہ بھی غروب ہوگیا۔ اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے مرحوم کی اردو اکادمی سے دیرینہ وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے ایسی کئی محفلوں کو یاد کیا جن میں انھوں نے اپنی ذہانت کا لوہا منوایا تھا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 24 فروری 2013

قیوم ناشاد

ھردوئی: معروف شاعر قیوم ناشاد کے انتقال پر مختلف سیاسی، سماجی، ادبی وثقافتی تنظیموں کے سربراہوں اور شعرا و ادبا نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ قیوم ناشاد کو 'ادبی سیاست' نے وہ مقام حاصل نہ ہونے دیا، جس کے وہ مستحق تھے۔ ان کے انتقال سے ادبی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوسکتا۔ شادی بیاہ میں گائے جانے والے گیتوں کے تخلیق کار اور معروف استاذ شاعر قیوم ناشاد کے انتقال کی خبر ملتے ہی ضلع کے گوپامؤ قصبہ کے رہنے والے واصف فاروقی نے کہا کہ قیوم ناشاد ایک بہت اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین شخصیت کے مالک بھی تھے۔ ڈاکٹر حافظ سلیم اللہ اسلم نے کہا کہ شاعری کی تقریباً سبھی اصناف میں عبور رکھنے والے ناشاد کا کلام پڑھ کر نہ جانے کتنے بے نام لوگ 'شاعر' بن گئے۔ ڈاکٹر نعیم شاہ آبادی نے بھی قیوم ناشاد کے انتقال پر عمیق رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے 'دیسی زبان' کا جو استعمال کیا ہے، وہ دوسرے شعرا میں بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 20 فروری 2013